لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً

للہ الحمد کہ دریں ایام میمنت فرجام کتاب مستطاب و صحیفہ لاجواب

موسوم بہ

مواعظ حسنہ

یعنی

مجموعہ مواعظ فصیحہ و بلیغہ جناب زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین

عمدۃ المتکلمین و فخر المتالّہین عالم علوم ربانی کاشف اسرار حقانی

وحید عصر فرید دہر سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی ادام ظلہ

علی رؤس الاعالی والادانی

مُرتبہ

سلالۂ دودمان رسول الثقلین مولانا سید محمد سبطین صانہ اللہ عن کل شین

ایڈیٹر البرہان لاہور

حسب ارشاد جناب ممدوح

در مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور باہتمام مولوی عبد الغنی مالک مطبع طبع شد

قیمت بلا محصول ڈاک ۸/

بار اول

البُرہان

یہ ایک علمی ۔ اخلاقی ۔ تاریخی ۔ تمدنی ماہوار رسالہ ۱۹۱۰ء سے جاری ہے جس کا مقصدِ اعلےٰ تائیدِ حق ۔ اثباتِ حق و اظہارِ حق ہے ۔ اور اپنے براہین و دلائل سے ہر ایک امر کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے ۔ اس میں حقیقت و حقیقتِ اسلام اور اُس کی سچی تعلیم ۔ فضائل و کمالات و علومِ انبیاء ۔ حقیقتِ نبوت ۔ انبیاء اور اُن کے اوصیائے کرام علیہم السلام کے اخلاقِ حسنہ ۔ تاریخی واقعات ۔ جدید اکتشافات وغیرہ مسائل پر عقلی و نقلی دلائل سے بحث کی جاتی ہے ۔ اسلام کے برخلاف جملہ اعتراضات و ایرادات کا جواب نہایت متانت سے دیتا ہے ۔ علمائے کرام و ملک کے قابل اہلِ قلم اور گریجویٹ صاحبان کے اعلےٰ مضامین درج ہوتے ہیں لکھائی ۔ چھپائی نہایت عمدہ ۔ قیمت سالانہ صرف دو روپے آٹھ آنے (۸/عہ) بازار حکیماں لاہور سے شائع ہوتا ہے ۔

المشتہر

منیجر رسالہ "البُرہان" لاہور

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون
	حصۂ اوّل
	موعظۂ اوّل
(۱)	نئی روشنی اور زمانے کی موجودہ حالت
(۲)	قرآن اور تبیان ٭
(۳)	قصصِ قرآنی اور اُن کی حکمت و مصلحت ٭
(۴)	آدمؑ کے بیٹوں کی قربانیاں ٭
(۵)	مسلمان اور واقعۂ کربلا۔ حسینیؑ دعوت اور اصحاب حسینؑ ٭
	موعظۂ دوم
(۱)	ضرورت امامؑ ٭
(۲)	امام حق و باطل ٭
(۳)	امامؑ کی شناخت کیونکر ہو سکتی ہے؟
(۴)	تفسیر آیاتِ قرآنی وغیرہ ٭
	موعظۂ سوم
(۱)	امامؑ۔ اُم الکتاب۔ ام القریٰ۔ پیغمبر اُمّی لقب ٭
(۲)	فضیلت خاتم الانبیاءؐ بر جمیع انبیاءؑ ٭
(۳)	شہیدِ ثالث یا امامِ خلق ٭
(۴)	من عندہ علم الکتاب ٭
(۵)	اُمتِ مسلمہ۔ شہادتِ حسینؑ ٭
	موعظۂ چہارم
(۱)	جسم و رزقِ جسمانی ٭
(۲)	نزولِ آہن ٭
(۳)	رزقِ روحانی ٭
(۴)	کتاب و قرآن کا فرق ٭
(۵)	معنے مسِ قرآن و امامؑ مبین ٭
(۶)	مس کتابتِ قرآن ٭
(۷)	آیۃ اللہ و حجۃ اللہ ٭
(۸)	صفاتِ مشترکہ نبی و امام ٭
(۹)	فرق شاہد و شہید۔ مصیبتِ حسینیؑ از زبان امامِ زمانؑ ٭

حصّۂ دوم

موعظۂ اوّل

موعظۂ دوم

موعظۂ سوم

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده والحمد على جميل نعمائه ونشكره والشكر على جزيل
آلائه المتفرد فی ازلیته اللاهوتیه المتوحد فی ابدیته الجبروتیه
هو المنان بفوائد النعم وعوائد المزید والقسم - مانح كل غنیمه
وفضل وكاشف كل عظیمه وازل فنومن به اولاً بادیا ونستهدیه
قریبا هادیا ونستعینه قادراً قاهرا ونتوكل علیه كافیا ناصرا و
نشهد ان لا اله الا الله الها واحداً احدا فردا صمدا وترا لم یتخذ
صاحبة ولا ولدا ولم یكن له شریك فی الملك ولم یكن له ولی من
الذل وكبره تكبیرا ونصلی ونسلم علی ام الارواح ونور الاشباح -
مبدء الانوار ومصدر الآثار اشرف انبیائه وافضل اولیائه محمد
المحمود عند اهل ارضه وسمائه وعلى عترته الطاهرة وذریته
الباهرة شموس الولایة ونجوم الهدایه وبدور الامامة والخلافه
مفاتیح الرحمة ومصابیح الحكمة وینابیع النعمة - اصول الكرم
وقادة الامم - نوامیس العصر واخیار الدهر - سادة العباد
وساسة البلاد - شجرة العصمة وباب الرحمة عناصر الابرار
ودعائم الاخیار والائمة الاطهار مبادی الایمان وامناء الرحمن،
الوسائط الروحانیة فی الفیوضات الالهیه والرحمات القدسیة اكمل
اصفیائه واكرم خلفائه لاسیما على الاصل الاقدم والجوهر الاتم

والفرع الاکرم والاسم الاعظم الرافع للظلم والهادی للامم والشهید علی العالم۔ النہج القویم والصراط المستقیم۔ القرآن الناطق والحق الصادق الامام المظفر والصادق المنتظر۔ محیی السنة وممیت البدعة والی الولایة الاحدیة وارث الخلافة الالٰھیه والشریعة الخاتمیه المنتقم للانبیاء واولاد الانبیاءؑ ووجه الله الذی یتوجه الیه الاولیاء۔ مهدی الامة وآخر الائمةؑ المرتجٰی لازالة الجور والعدوان المبید لاهل الفسوق والعصیان المدخر لتجدید الفرائض والسنن صاحب العصر وقائم الزمن ابی القاسم الحجة بن الحسن اشرف امنائه وآخر اوصیائه

چند تمہیدی امور

برادرانِ ایمانی پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاریکی وجہالت کے زمانے میں جبکہ اسلام کی محض رسم اور قرآن کا نام ہی نام رہ گیا ہے۔ اور ضلالت کا ابر سیاہ ایک عالم پر چھایا ہوا ہے زبدة المحققین۔ عمدة المدققین۔ قدوة المتکلمین راس المتالهین۔ وسید المتفقهین۔ مجدد العلوم الربانیه ومفسر الرموز القرآنیه ومبین الاسرار الفرقانیه۔ الحکیم الماہر والحبر الباہر وحید العصر وفرید الدہر العالم الربانی والفاضل الصمدانی العلامة الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی ادام اللہ ظلالہ علے رؤس الاعالی والادانی جیسے عالم وعامل وعارف کامل کا بوجہ حوادث زمان وفتن دوران کلھنؤ ہندوستان میں تشریف لانا اور اقامت فرمانا خداوندِ عالم کے تفضلات خاصہ و نعمات مخصوصہ سے ہے۔ اور اس نعمتِ غیر مترقبہ کی ناشکر گزاری

کفرانِ نعمت و عطائے الٰہی۔ خوشا وہ لوگ جنہوں نے اس نعمت کا شکر
اور اس فیض سے استفادہ کیا۔ اور دو نوجہان میں سرخرو ہوئے +

(۲) یہ بھی معلوم ہے۔ کہ اگرچہ حوادث زمان حسد حاسدین و عداوت
مخالفین و عدم استعداد و سامعین و آخذین سیلان و جریان بحار علوم
سرکار علامہ بحر العلوم کو مانع رہی لیکن پھر بھی اس تھوڑے سے عرصے
میں بہت سے اہل ذوق و شوق و علم دوست حضرات اہل پنجاب آپ
کے سامنے زیر ممبر زانوے ادب طے کرنے اور مواعظ بلیغہ فصیحہ سننے
سے عالم و واعظ بن گئے۔ معارف دینیہ میں دلائل و براہین قرآنیہ
کی ایک نئی روح پھونکی گئی۔ جو باتیں آج تک بظاہر محض اعتقادی
و تقلیدی طور پر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ ایسی مبرہن ہو گئیں۔ کہ
محسوس نظر آنے لگیں۔ بہت سے موشدہ آثار دین و معالم علم و یقین
تازہ ہو گئے۔ عام طور پر قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو گیا۔ قرآن کریم کی
عظمت دلوں میں جاگزین ہوئی۔ اور یہ حقیقت کہ قرآن بتبیان کل شے
ہے۔ اور اس میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے۔ مثل روز روشن
آشکارا ہو گئی۔ بہت سے ملحد و دہریئے محض سرکار علامہ کے براہین
قاطعہ عقلیہ و دلائل یقینہ قرآنیہ سن کر معتقدِ اسلام ہو گئے۔ الحسد ون
الناس علیٰ ما اٰتٰہم اللہ من فضلہ +

مگر عام لوگ یا تو بوجہ بغض و حسد ۔ یا بسبب شقاوت ذاتی
اور یا بجہت عوائق و موانع دہریہ اس نعمت سے مستفید و اس فیض
سے مستفیض نہ ہوئے اور خواص ہی نے معتد بہ فائدہ اٹھایا۔ واللہ
یختص برحمتہ من یشاء +

(۳) یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ تقریر کا اثر اگرچہ زیادہ ہوتا ہے۔ مگر سامعین ہی تک محدود رہتا ہے۔ اور صرف وہی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جو ایسے جلسہ ہائے وعظ میں شریک ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف چند گھنٹے کے واسطے۔ اور تحریر ایسی چیز ہے۔ جو مرور ایام پر باقی رہتی ہے۔ یلوح الخط فی القرطاس دھرا۔ بنا برین اکثر مومنین کا خیال تھا۔ کہ مواعظ سرکار علامہ مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں شائع ہوں۔ تاکہ فائدہ عام ہو۔ اور بقاء دوام۔ اور حاضرین وغائبین خواص و عام سب مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ جب ان کا اصرار بہت ہی بڑھ گیا۔ تو حقیر ناچیز نے اس کام کو انجام دینے کا عزم کیا۔ مگر اس عزم کو تقویت صرف جناب مخدوم محترم مولوی سید شریف حسین صاحب مدرس سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی ہمت افزائی اور کوشش سے ہوئی جنہوں نے اثناء وعظ میں نوٹ کرنے کا ذمہ لیا مجھے خود نوٹ نہ کرنے پڑے۔ اس لئے کہ بعد اختتام وعظ مکان پر جا کر فرصت پانی اور وعظ کو ضبط رکھ کر نوٹ کرنا مجھ جیسے کم فرصت کے لئے بہت دشوار تھا۔ خصوصاً ایام عشرہ محرم الحرام میں ایک گھنٹہ بھی فرصت کا ملنا ناممکن تھا۔ ہاں فرصت کے زمانے میں جبکہ میں ملازم نہ تھا۔ یہ امر مشکل نہ تھا۔ اور اپنے لئے ایسا کرتا بھی رہا۔ بلکہ ہفتوں بعد بعض مواعظ نوٹ کئے ہیں۔ ولا فخر۔ اور اس واسطے جناب مولوی صاحب موصوف اس امداد میں سب سے پہلے قومی شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس طرح سے عشرہ محرم الحرام ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ھ کے مواعظ نوٹ کئے گئے۔ بعد ازاں احقر نے انہیں ترتیب دیا۔ اور چونکہ اثناء وعظ میں تمام وعظ کا بجنسہ لکھا جانا سوائے شارٹ ہینڈ رائیٹر کے اور کسی کو ممکن نہیں۔

خصوصاً وہ وعظ جو غیر زبان مادری یعنی فارسی میں ہوں اور خصوصاً وہ وعظ جو اصطلاحات علمیہ اور دلائل براہین فلسفیہ و منطقیہ سے پُر اور جن میں بلا مبالغہ سینکڑوں آیات قرآنی پڑھی جائیں۔ اور استدلال میں لائی جائیں۔ اس لئے اُن کے ترتیب دینے میں جو جو مشکلیں پیش آئیں۔ اُن کو وہ ہی جان سکتا ہے۔ جس کو یہ کام کرنا پڑے۔ کیونکہ نوٹ اشارات ہوتے ہیں۔ آیات کے شروع سے ایک دو لفظ لکھے جاتے ہیں۔ اور نیز مضامین میں ہمیشہ وہ ترتیب نہیں رہتی جو وعظ میں ہوتی ہے۔ اور خصوصاً تقریب و سوق الدلیل الی المطلوب مضامین کی ترتیب۔ آیات کی تشریح اور اُن کو ربط دینا۔ اور تقریب کا خیال رکھنا جدید تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اور اس لئے اگر سہواً کوئی غلطی ترتیب و تقریب میں رہ گئی ہو۔ تو ناظرین معاف فرمائینگے۔ اور اسی وجہ سے اشاعت مواعظ حسنہ میں بھی تاخیر ہوئی۔ ورنہ بہت جلد شائع ہو جاتی۔ جیسا کہ ہم نے البرہان میں اعلان کیا تھا۔ اور شائقین کو دو سال انتظار نہ کرنا پڑتا۔ دوسری وجہ تاخیر کی یہ ہوئی۔ کہ میرے مسودات اولیہ ایسے شکستہ اور بدخط تھے جس کو سرکار علامہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور مجھ کو اتنی فرصت نہ تھی۔ کہ دوبارہ خوشخط نقل کرسکوں۔ اور احباب کا اصرار اور ضرورت اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ سرکار علامہ مسودات کو ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ تاکہ ناظرین کو پورا اطمینان و اعتماد حاصل ہو۔ اس مہم کو میرے دوست جناب مولوی قاری شیخ نبی بخش صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل مدرس عربی سٹی ہائی سکول پٹیالہ نے انجام دیا۔ اور تمام مواعظ کو خوشخط نقل کیا۔ اور بعد نقل سرکار کے ملاحظہ سے گزرے۔ اور اب

ہدیۂ ناظرین ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ حضرات ناظرین جناب مولوی صاحب ممدوح کے شکریئے سے بھی اعراض نہ فرمائینگے +

(۴) ایام محرم الحرام میں یوں تو بہت سے مواعظ سرکار نے بیان فرمائے اور مختلف مضامین دعقائدین وقتی وغیرہ وقتی بحث میں آئے۔ لیکن یہ مواعظ جو مواعظ حسنہ کے نام سے موسوم کر کے بصورت کتاب پیش کئے ہیں صرف وہ ہیں۔ جو بسلسلۂ مباحث امامت جناب محترم قوم سید حبیب علی شاہ صاحب دام ظلہٗ کے امام باڑہ واقع موچی دروازہ لاہور میں مسلسل بیان فرمائے۔ اس لئے میرے خیال میں اس مجالس مواعظ کے منعقد کرنے والے ممبران انجمن اخوان الصفا لاہور اور صاحب خانہ بھی قومی دعا کے مستحق ہیں۔

اور بعدازاں وہ مومنین باتمکین قومی شکریئے اور دعا کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کی اشاعت میں مالی امداد دی ہے۔ اور چندہ عنایت فرما کر اس مشن کی بنیاد قائم کی ہے۔

بالفعل دو سال کے مواعظ متعلقہ سلسلۂ امامت ہدیۂ ناظرین ہیں۔ اگر مومنین نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو آئندہ انشاءاللہ مواعظ حسنہ کے اور حصص اور نیز دیگر رسائل ضروریہ شائع کئے جائینگے +

(۵) مواعظ کے طبع ہونے میں کہ آیا وقف چھاپے جائیں اور مفت تقسیم ہوں۔ یا قیمتاً فروخت کئے جائیں اختلاف رائے رہا۔ اور اخیر میرے بعض خاص احباب کی یہ رائے قرار پائی۔ کہ طبع کے لئے کچھ چندہ کیا جائے اور چھاپ کر اہل استطاعت کو بقیمت اور بے استطاعت شائقین دعلم دوست احباب کو بلاقیمت دئے جائیں اور جو قیمت آئے۔ اُس سے آئندہ اشاعت

کتب ورسائل دینیہ کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اور اس طرح سے مشن کی
مستقل بنیاد قائم ہو جائے ۔

(۶) یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقریر و تحریر دو حیثیت رکھتی ہیں۔ اور تقریر
مضامین کا ایک سیلاب متلاطم ہوتا ہے۔ اور کسی ایسی تقریر کو تحریر میں
لانے سے اسلوب تقریر ضرور بدل جاتا ہے۔ خصوصاً بصورت ترجمہ
کیونکہ ہر ایک زبان کا اسلوب جدا ہوتا ہے۔ خاصکر اُردو زبان میں
فارسی کے مضامین عالیہ کا ترجمہ کرنے سے جو ابھی مضامین علمیہ کے
ضبط سے قاصر و بلحاظ اصطلاحات علمیہ ناقص زبان ہے۔ اصل تقریر
کا وہ زور جو فارسی میں ہوتا ہے اُردو میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور جو
لطف کہ اصل فارسی کے خصوصاً مقرر کی زبان معارف بیان سے
سننے میں آتا ہے اُردو میں نہیں آسکتا۔ تاہم اصل کو باقی رکھنے اور
ترتیب و تقریب کو قائم رہنے کی بہت کوشش کیگئی ہے اور ترتیب
ہی کی غرض سے بعض اور آیات بھی زیادہ کر دیگئی ہیں۔ اور بعض اور
باتیں جو دیگر مواعظ کے موقع پر سرکار نے فرمائی تھیں حسب ضرورت
بڑھادی ہیں۔ بعض اقوال۔ علماءِ اعلام بھی بضرورت تائید احقر نے
درج کر دئے ہیں۔ اور عبارت لوحتے الامکان بہت ہی آسان کیا گیا
ہے۔ اور سرکار علامہ نے اول سے آخر تک ملاحظہ فرما کر اصلاح بھی کر دی
ہے۔ اس لئے کتاب انشاءاللہ اب ایک مکمل صورت میں ناظرین کے
ہاتھوں میں پہنچیگی۔ اور خواص و عام سب مستفید ہونگے۔ اور ناظرین مواعظ
کو اگر بالکل مطابق اصل فارسی نہیں تو قریب باصل ضرور پائینگے اور
ہر ایک وعظ مشتمل بر نکاتِ دقیقہ و اشاراتِ لطیفہ و حقائق و معارف

مفیدہ اہل ذوق وشوق خصوصاً ذاکرین وواعظین کے لئے باب علوم ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ÷

(۷) ان مواعظ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ مضامین عناوین سلسلۂ امامت میں ارتقا کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اول آسان ترین عناوین و بیانات ہیں۔ اور رفتہ رفتہ دقیق ہوتے جاتے ہیں۔ اور آئندہ جو آئینگے اُن میں اور بھی دقیق نکتے پائے جائینگے ÷

نیز یہ کہ بعض بیانات ایک جگہ مجمل ہیں۔ دوسری جگہ یا دوسرے وعظ میں مفصل۔ لہٰذا کتاب کو اخیر تک بغور پڑھے و سمجھے بغیر نکتہ چینی سے کام نہ لیں۔ اور جو بعض مضامین مکرر معلوم ہونگے۔ مکرر نہیں ہیں ضرور کسی نہ کسی جدید مطلب کو مفید یا موید یا اُس کے مفسر یا مذکر ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ ناظرین ان مواعظ میں بعض استدلالات استنباطات یا بعض مضامین ایسے بھی پائیں۔ جو پہلے نہ سُنے ہوں یا جو سننے کے عادی ہیں۔ اُس کے خلاف ہوں۔ اور اس لئے اُن کی طبیعت اُنکو قبول نہ کرے۔ تو بل کذبوا بما لم یحیطو بعلمہ۔ کے خلاف انکار یا تکذیب یا اعتراض وایراد سے پہلے دریافت فرمالیں۔ انشاء اللہ مزید تشریح و توضیح سے اطمینان کیا جائیگا۔ آخر میں ناظرین سے التماس ہے۔ کہ اگر کہیں کوئی بات پسند آئے۔ تو سرکار علامہ دام ظلہٗ العالی کے ساتھ احقر کو بھی دعا میں یاد فرمائیں ؎

ہر کہ خواند دعا طمع دارم ÷ زانکہ من بندۂ گنہگارم

قوم کا خادم

احقر الدارین۔ سید محمد سبطین عفی اللہ عنہٗ

مواعظِ حسنہ

حصّۂ اوّل

موعظۂ اوّل

۲- محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

قال عزمن قائلہ "اُدعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَۃِ وَالمَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ وَ جَادِلھُم بِالَّتِی ھِیَ اَحسَن اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِیلِہٖ وَھُوَ اَعلَمُ بِالمُھتَدِینَ (نحل ۱۶ ع)

نئی روشنی اور زمانے کی موجودہ حالت

اِس وقت اسلام دو صورتوں میں جلوہ گر ہے صورت قدیم۔ صورتِ جدید۔ صورت جدید یعنی نئی روشنی۔ نئی روشنی کے کیا معنے ہیں؟ ہر ایک چیز کو چھوڑ دینا۔ آثار و شعائر اسلام۔ علائم اسلامی کو ترک کر دینا۔ احادیث واخبار سے کنارہ کش ہو جانا۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ یہانتک ترقی کر لی ہے کہ کہتے ہیں قرآن کی بھی ترمیم کرنی چاہیئے۔ یہ کتاب جہالِ عرب ہی کے واسطے تھی۔ اب اس

ترقی کے زمانے میں اس کے قوانین واحکام قابل عمل نہیں۔ ترمیم ہونی ضروری
اس روشنی کے زمانے میں نئے نئے فرقے اور مجدّدین پیدا ہو رہے ہیں! مثال
کے لئے اہل القرآن کو لے لیجئے۔ وہ احادیث واخبار نبوی کے بالکل منکر ہیں
متابعت پیغمبر کو منع کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خالص پیروے قرآن کہتے ہیں
اور دراصل قرآن کے منکر ہیں۔ قرآن کو اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں نہ
قرآن کے احکام کی پیروی۔ اس قسم کے فرقے ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور
رواج پاتے ہیں۔ اور پیرو اور مقتدی پیدا کر لیتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ علم مفقود
ہے اور تحقیق کا مادہ معدوم۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجودیکہ ان مجدّدین کے بیانات
وکلمات صراحتہً کتاب خدا کے مخالف ہیں۔ نہ صرف جزوی مخالفت۔ بلکہ نصوص
ظاہریہ قرآن کے مخالف ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ ان کے پیرو بنتے جاتے ہیں۔ نہیں
سمجھتے۔ کہ وہ ہمیں کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اور کس قعر ضلالت میں پھینک
رہے ہیں۔

قرآن اور تبیان

قرآن شریف وہ کتاب ہے جس کی شان میں خدا
تعالے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ فرماتا ہے۔ بیان
بھی نہیں۔ تبیان۔ تبیان اور بیان دو چیزیں ہیں۔ بیان صرف اظہار کر دینے کو کہتے
ہیں۔ اور تبیان ایسے بیان روشن اور آشکارا کو کہتے ہیں۔ جو قابل قبول ہو سوائے
اُس منکر اور جاحد کے جو دیدہ ودانستہ انکار کرتا ہے۔ کوئی اس کا انکار نہ کر سکے۔ گویا
قرآن مجید ایسا روشن وآشکار ہے۔ کہ قابل انکار ہی نہیں کتاب لَا رَیْبَ فِیْهِ
ہے۔ لیکن یہ کتاب نہایت مختصر اور مختلف اجزاء قصص۔ حکایات۔ امثال
مواعظ۔ احکام وغیرہا کو شامل ہے پانچ سو تیرہ (۵۱۳) آیات احکام کے متعلق
ہیں۔ جن میں سے صرف ایک سو تیرہ (۱۱۳) صریح اور باقی غیر صریح ہیں۔

جن سے صراحتہً احکام مستنبط نہیں ہوتے۔ مثلاً اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (یعنی کوہ صفا و مروہ) شعائر اللہ اور اُس کی یاد دہندہ نشانیاں ہیں (کہ وہاں اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے) پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجا لائے اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اُن دونوں پہاڑوں کا طواف کرے۔ اور سعی بجا لائے۔ اور جو شخص خیر کو بجا لائے۔ خدا اُس کا شاکر اور اُس کو جاننے والا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ لَاجُنَاحَ حکم ہے اور سعی درمیان صفا و مروہ احکام و مناسک حج میں داخل ہے۔ حالانکہ ظاہر لفظ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح آیہ مجیدہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (النساء - ۱۵ ع) میں "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" حکم کے واسطے ہے۔ اور مقام خوف میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔ مگر آیہ مجیدہ سے صریح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض احکام بطور اخبار کے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ الخ" میں حکم رضاعت کہ بچہ کو دو سال دودھ پلایا جائے۔ بطور اخبار بیان ہوا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائینگی حکم یا امر بطور انشا نہیں ہے۔ بعض امور لفظ ماضی سے بیان ہوئے ہیں۔ اور مراد مستقبل ہے۔ جیسا کہ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ "۔ امر خدا آ گیا۔ (یعنی آئیگا) غرضکہ ایک سورہ بقر سے پانچسو (۵۰۰) حکم مستنبط ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک آیت سے پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ حکم نکلتے ہیں۔ بلکہ آیہ شریفہ "ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" سے آٹھسو (۸۰۰) حکم اخذ ہوتے ہیں حالانکہ نہایت ہی مختصر آیت ہے۔ صرف دو لفظ ہیں۔ فلاشک ولاریب ہے کلام

ہمہ مجید تبیان کل شی ہے ہر ایک شے اور ہر ایک امر کا بیان اس میں موجود ہے
لیکن جب تک علم قرآن حاصل نہ ہو اس مختصر کتاب سے اس قدر احکام نکالنا
محال ہے۔ اور محال در محال ہے۔ کہ ہر کس و ناکس یا عربی دان تمام احکام معلوم
کر سکے۔ ہزار کتب منطق و فلسفہ جمع کر لو۔ کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ علم قرآن اور چیز
ہے۔ منطق و فلسفہ اور شے ہے

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ اس کتاب پاک میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات
و مایحتاج عالم موجود ہیں حتےٰ کہ ذکر معادن و معدنیات اور ان سے متمتع ہونیکا
طریق۔ حرفت و صناعات اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ۔ اور بکمالِ اعجاز یہ ہے
کہ تمام احکام معادن و معادنیات وغیرہ کو ایک مختصر سی آیت میں ظاہر فرما
دیا ہے۔ فرمایا ہے "خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" یعنی جو کچھ زمین میں ہے۔
سب تمہارے انتفاع کے لئے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ بعض قسم کے انتفاعات
نباتات سے حاصل ہوتے ہیں اور بعض حیوانات سے۔ اور بعض جمادات اور معدنیات
سے۔ اور جب ہر ایک شے ہمارے واسطے ہمارے انتفاع کے لئے خلق فرمائی ہے
تو ضروری و لازمی ہے۔ کہ ان سے منتفع ہونے کا علم اور طریقہ بھی عطا ہوا ہو۔ کہ ہم
نباتات سے کس طرح متمتع ہوں۔ حیوانات سے کیونکر مستفید ہوں۔ اور معدنیات
سے کس طرح نفع اٹھائیں۔ دریاؤں کو کیسے کام میں لائیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر ان
سے منتفع ہونے کا علم نہیں دیا۔ تو یہ دعوے غلط ہوگا۔ اور احسان جتانا عبث پس
ضرور ان سے متمتع اور منتفع ہونے کا علم عطا کیا ہے بلکہ ان کی خلقت سے پہلے علم
عطا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا اللہ نے حضرت آدمؑ کو تمام اسماء
کا علم سکھایا۔ اور ان اسماء کو ان کی ذریت کی پشتوں میں ودیعت فرمایا۔ اور

اُن کے نطفوں میں بالفطرۃ پیدا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی نئے ایجاد ہوتی ہے۔ اور
اُس کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ تمام پہلے سے نُطفِ انسانی میں موجود تھا۔ اور حضرت
آدمؑ کو سکھلایا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ
عَلَّمَهُ الْبَیَانَ خلقت انسانی کے ساتھ ہی اُس کو بیان اور قوۃ اظہار مافی الضمیر
عطا ہوئی ہے۔ لاکن یہ بیان ناقص انسانوں میں ناقص ہے۔ اور کامل میں
کامل واکمل پس بیانِ کامل واکمل وجود اقدس ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم میں ہے۔ جو افضل الموجودات واکمل المکونات و اول صادر از مصدر ہیں
پس ضرور ہے۔ کہ علم جمیع موجودات و حِرَف و صنائع و اسماء و مسمیات و اسباب
و ذرائعِ انتفاع اور اُن کا بیان وجود پیغمبر میں ہو۔ اور حدیث شریف اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ
سے یہ مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدینہ اور شہر اُسی کو کہتے ہیں جس میں جملہ
ضروریات اہل شہر و نبی نوعِ انسان موجود ہوں اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہوں اور
عَلِیٌّ بَابُہَا سے ظاہر ہے۔ کہ اظہار اور بیانِ تفصیلی اُس شہر علم الٰہی کے علی ابن ابی
طالب وصی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اس حدیث
کا مدرک ہے۔ (تفصیل اس کی دوسرے مقام پر آئیگی)۔

قصص و حکایات کلام حمید مجید میں اس کثرت سے ہیں۔ کہ کوئی سورہ اُن
سے خالی نہیں ہے صراحۃً۔ اشارۃً۔ کنایۃً ہر ایک سورہ میں قصہ موجود ہے۔
اور سورہ یوسفؑ تو تمام کی تمام قصہ ہی ہے۔ حتےٰ کہ سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ جیسی مختصر
سورت میں بھی ایک قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان قصص میں بہت بڑی حکمت
و مصلحت ہے۔ اور بعض احکام قصص ہی سے ماخوذ ہیں۔ اور ان قصص کیواسطے
اس قدر تاکید ہے۔ کہ پیغمبر کو حکم تھا۔ اور مامور تھے من جانب اللہ کہ اُن کو بیان
کریں۔ فقال عز من قائل۔ اُتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ۔ آدمؑ کے دونو بیٹوں کا قصہ

انہیں سُنا دو۔ وقال۔ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَأَ الَّذِیْ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ (اعراف ع۲۰)

وَقَالَ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ مَا اُوْحِیَ عَلَیْكَ الخ یعنی جو کچھ تجھ کو وحی کی گئی ہے۔ سب کو تلاوت کر دے۔ ان قصص کی تلاوت کو پیغمبر پر واجب کیا ہے۔ کہ پڑھے اور لوگوں کو سنا دے ان قصص سے احکام کا نکالنا بہت دشوار کام ہے +

قصصِ قرآنی اور اُنکی علّت و مصلحت

یہ امر قابل غور ہے۔ کہ قرآن جو معجزہ باقیہ اور حجۃ دائمہ ہے۔ بطور قصص کیوں نازل ہوا ہے؟ اور اس قدر قصص کیوں وارد ہوئے ہیں؟ کہ قریب دو تہائی قرآن قصص سے پُر ہے۔ علت یہ ہے کہ طریق دعوت وہدایت یہ ہے جس کی بابت خدا فرماتا ہے۔ "اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ" حکمت ودانائی کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے۔ اور حکمت دو قسم پر ہے۔ حکمت علمی۔ اور حکمت عملی وفعلی۔ اور یہ امر بدیہیات سے ہے۔ کہ ہر ایک جنس اپنی جنس سے مانوس ومالوف ہوتی ہے۔ اور اپنی جنس کے حالات وحکایات سے زیادہ متاثر ہوتی ہے اسی طرح انسان اپنے ہم مثل اور اپنی نوع سے مانوس اور اُن کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اُس کے حالات سے متاثر ہوتا ہے قصص وحکایات اور امثال سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قصوں کو موجب تذکر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آیات مذکورہ میں "فاقصص القصص لعلھم یتفکرون" سے صاف ظاہر ہے۔ اور نیز فرماتا ہے وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ یعنی ایام خدا انہیں یاد دلا۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ یہ ایام ہیں کہ ہم انہیں لوگوں میں گردش دیتے ہیں۔ اور ایّامِ خدا سے وہ ایام خاص مراد ہیں جن میں آثار آلہی کامل طور پر ظاہر ہوئے ہیں۔ پس اول شے ہدایت کیلئے عبرت ہے۔ اور وہ قصص سے حاصل ہوتی ہے بعد ازاں احکام و تکالیف مثل روزہ و نماز وغیرہما کا قبول کرنا آسان ہے۔ اسی واسطے اُن تمام اُمور میں سے جن کے بیان کرنے پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے۔ اعظم تر قصص کا بیان ہے۔ تاکہ تاریخی حوادث و واقعات کی حسّی مثالیں لوگوں کے لئے باعثِ عبرت ہوں۔ اسی سبب سے مذاہب و اُمم گزشتہ کے قصص کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ دین عبرت سے ثابت و مستحکم ہوتا ہے۔ لہذا تجربیات تاریخی کا بیان کرنا تمام باتوں سے زیادہ ضروری ہے۔ اس زمانے میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ گزشتہ اُمتوں کے تاریخی واقعات سے احکام و علوم استنباط کرتے ہیں۔ جس طرح سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمم گزشتہ کے قصے بیان کرنے پر مامور تھے۔ اسی طرح ہم بھی مامور ہیں۔ کہ اُممِ آخرین کے قصص اور واقعات کو بیان کریں۔ اور اُن سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ قرآن میں وہ قصے بھی موجود ہیں۔ اور اس اُمت محمدی میں بھی مثل اُمم سابقہ قصص وارد ہوئے ہیں۔ اور اُن قصص میں کوئی قصہ قصۂ روزِ عاشورہ اور کوئی واقعہ واقعۂ کرب و بلا سے بالاتر نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث ہو جس کی مثال و نظیر نہ گزشتہ واقعات میں ملتی ہے۔ اور نہ آئندہ میں۔ واقعہ جس قدر عظیم ہوگا۔ اُسی قدر زیادہ باعثِ عبرت ہوگا۔

سب سے اوّل قصہ حضرت آدمؑ اور شیطان ہے۔ اور یہ قصہ خارجی ہے۔ کہ ایک غیر جنس سے حضرت آدمؑ کے ساتھ ہوا۔ اور شیطان کے تکبر کا یہ نتیجہ ہوا۔ اور غرض اُس کے بیان سے یہی ہے۔ کہ بنی آدمؑ متنبہ ہوں اور عبرت حاصل کریں۔

آدمؑ کے بیٹوں کی قربانیاں

بعد ازاں قصہ داخلی ہے یعنی خود حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا ہے "فقال عز و جل واتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین

سناؤ اُن کو آدمؑ کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر کہ جب دونوں نے اپنی اپنی قربانی لیکر گئے۔ تو ایک کی قبول اور دوسرے کی اللہ نے قبول نہ کی۔ تو اُس نے حسد سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ اور اُس نے جواب دیا۔ کہ خدا تو صرف متقی اور پرہیزگاروں سے قبول کرتا ہے۔ قربانی سے گوسفند کی قربانی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مایتقرب الی اللہ یعنی وہ چیز جو موجب تقرب خدا ہو۔ مراد اور مقصود ہے۔ اور قابیلؑ از قسم زراعت کچھ لے کر گیا تھا۔ اور ہابیلؑ گوسفند لے گئے تھے پس ہابیلؑ کی قربانی قبول ہوئی۔ اور قابیلؑ کی نہ ہوئی۔ اور اس سے قابیلؑ کو حسد پیدا ہوا۔ اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ الخ +

اسی طرح بلعم باعور کا قصہ ہے جس کی طرف حق سبحانہ و تعالےٰ نے آیہ مذکورہ " واتل علیھم نبا الذی اٰتینٰہ اٰیتنا الخ میں اشارہ کیا ہے یہ شخص بنی اسرائیل میں نہایت عابد و زاہد تھا۔ اور اس کے زہد و تقوےٰ کی یہ حالت تھی۔ کہ دعا اُس کی مستجاب تھی مگر حرص و طمع مال دنیا نے اُسے ایسا گمراہ کیا۔ کہ مخالفین جناب موسےٰؑ سے اشرفیاں لے کر اُن کے اصحاب کے لئے بد دعا کی بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے پھرے (افسوس ہے کہ اس زمانے میں بلا اشرفی و روپے کے ہی دین کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں) +

سب سے زیادہ قرآن مجید میں حضرت موسےٰؑ کے قصص مذکور ہیں حتےٰ کہ ولادت باسعادت سے لے کر آخر عمر تک کے قصص موجود ہیں قصہ حضرت

ابراہیم بھی نہایت عبرت خیز ہے۔ کہ راہ خدا میں قربان کرنے کے لئے کس طرح سے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کو پیش کر دیا۔

مسلمان اور واقعۂ کربلا حسینی دعوت اور اصحاب حسین

مگر روز عاشورا کے واقعہ ہائلہ میں تمام واقعات سابقہ کی مثالیں اور نظیریں موجود ہیں۔ بلکہ ایک امر زیادہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ انبیاء سابقین کی ابتلاآت وتکالیف کفار ومشرکین کے مقابلے میں تھیں۔ اور یہاں کربلا کی ابتلا داخلی ہے یعنی اُن مسلمانوں کے مقابلہ میں جو در باطن مشرک تھے۔ اور اسی فساد باطنی نے اُمت محمدی کو پریشان و متفرق کیا ہے۔ اور آج جو مسلمانوں میں یہ اختلاف نظر آرہا ہے جس نے اسلام کو برباد کر دیا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ منافقین اسلام نے اسلام کی بیخکنی کی۔ کیونکہ لوگ انہیں مسلمان سمجھ کر ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کرتے اُسمیں اُنکی پیروی کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ فساد داخلی فساد خارجی سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ روز عاشورا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حکمت علمی وعملی دونوں سے دعوت ایمانی دی ہے نہ دعوت اسلامی پیغمبرؐ دعوت اسلام دیتے تھے۔ اور جو شخص صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا داخل اسلام ہو جاتا اور جان و مال اُس کا مامون ومحفوظ۔ خواہ ابھی دل میں ایمان مستحکم نہ ہوا ہو کیونکہ ابتدائی دعوت تھی۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اکثر اصحاب پیغمبرؐ باوجود وعدۂ نصرت و فتح لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے۔ لیکن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو بلاتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ موت اور فنا ہو جانے کی دعوت دیتے تھے۔ کہ جس کو قتل ہونا ہے۔ وہ میرے ساتھ آئے۔ اور حضرت کے ساتھ وہی لوگ ہوئے۔ جن کے دلوں میں نور ایمان نہایت درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشی سے راہ خدا میں حسینؑ فرزند

رسول الثقلین کے قدموں پر ہزار بار سر نثار کرنے کو تیار تھے۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ اور یہ چند نفوس ہزاروں کے مقابلے میں ایسے لڑے کہ بھاگنا تو درکنار کسی نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ یہ دعوت دعوتِ پیغمبر کا عکس تھی۔ اور اُس سے اعظم ترلیس اس واقعہ کا ذکر و تذکرہ تمام قصص سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے بحکم خدا حضرت ابراہیم راہ خدا میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کے لئے صدق دل سے تیار ہو گئے تھے۔ اور اُنہیں خبر نہیں تھی۔ کہ عوض میں فدیہ آجائیگا۔ اور اسمٰعیل بچ جائیگا اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے خلیل خاص کا اس عظمت سے ذکر کیا ہے لیکن ابراہیم کربلا نے ایک اسمٰعیل نہیں قربان کیا۔ بلکہ علاوہ اصحاب و انصار واحباب اٹھارہ بنی فاطمہ کو جنکا روئے زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھا راہ خدا میں لٹنے کو خوشی سے بھیجدیا اور امام حسین کو معلوم تھا۔ کہ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچیگا سب کے سب بھوکے پیاسے نہایت سختی اور بے رحمی سے ذبح کئے جائینگے الخ۔" فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ " +

موعظۂ دوم

۲۔ محرم الحرام ۱۳۳۱؁ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال عزمن قائلہ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (بنی اسرائیل ع) +

ضرورت امام

بدیہی و ضروری ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گھر میں ایک شخص بڑا ہوتا ہے۔ جو اُس گھر کا منتظم کہلاتا ہے۔ وہ گھر کا انتظام درست رکھتا ہے ہر شخص اُسکی بات کو مانتا ہے۔ اور وہ ہر ایک

کے حق کا خیال رکھتا ہے ہر آدمی اُسکی اطاعت کرتا ہے۔ اور مثل مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی بڑا نہ ہو۔ اُسکا انتظام درست نہیں ہوتا ہر ایک فرد اس گھر کا خود رائے ہو جاتا ہے۔ اور فتنہ و فسادات برپا رہتے ہیں اسی طرح اگر وہ منتظم موجود ہو مگر افراد خانہ اسکی اطاعت نہ کریں۔ اور بات نہ مانیں یا وہ سب کے حقوق کی مساوی رعایت نہ رکھے تب بھی انتظام خانہ داری درست نہیں رہتا اس سے اوپر ترقی کر کے ہر ایک محلے میں ایک میر محلہ ہوتا ہے۔ جو اپنے محلے کی تمام جزوی ضروریات کا لحاظ رکھتا ہے اور محلے کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ جزوی معاملات و نزاعات میں لوگ اُسکی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور وہ اُنکا فیصلہ کرتا ہے۔ اس صورت سے اُن کے بہت سے معاملات مشترکہ بلا کسی فساد عظیم و حرج و مرج و نقصان جان و مال کے طے ہو جاتے ہیں بخلاف اُس کے جہاں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہاں تمام اُمور درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ پھر اور علیٰ ہذا اسی طرح ہر گاؤں میں ایک مقدم کی ضرورت ہے۔ جو اسی طرح گاؤں والوں کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت رکھے۔ اور اُنکے جزوی معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرے۔ و علیٰ ہذا القیاس ہر شہر میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شہر کا انتظام کرے اور اپنے معاملات و نزاعات میں لوگ اُسکی طرف رجوع کریں۔ اور وہ اُنکو رفع کرے۔ اسی اصول پر بوجہ احتیاج اجتماع نوعی ضرورت ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ایسا شخص ہو۔ جو سارے ملک کا نظم و نسق درست رکھے۔ اور تمام نوعی و شخصی و ملکی نزاعات میں لوگ اُسکی طرف رجوع کریں۔ اور باقی تمام منتظمین اُس کے تحت حکم ہوں۔ وہ ہر شخص کے حق کی رعایت کرے۔ مظلوم کا ظالم سے بدلہ لے۔ ہر ایک حقدار کو اُس کا حق دلوائے جب قوم یا ملک میں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہ کبھی تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتی۔ اور متمدن اقوام میں شمار ہونے کی ہرگز مستحق نہیں بلکہ وہ روزمرہ کے فسادات اور خانہ جنگیوں سے برباد رہیگی۔ بے سری قوم جسکے

سر پر کوئی حاکم منتظم نہ ہو کبھی ترقی نہیں کر سکتی لیکن یہ بھی بدیہی ہے۔ کہ ہر شخص صاحب حاجت و محتاج ہے اور ہر ایک اپنی حاجت و ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہے۔ کہ انسان کی طبیعت میں حرص و طمع داخل ہے۔ اور منشا انکا اپنی ضروریات واقعیہ سے زیادہ لینا ہے جب یہ حرص و طمع انسان پر غالب آجاتے ہیں۔ تو وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لیئے دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ اور اُن کے ظلم و جور پر آمادہ ہو جاتا ہے اور چونکہ دوسرے انسان میں بھی احتیاج موجود ہے۔ پس وہ اپنی ضرورت پوری کرنی چاہتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ اُس کا حق دوسرا لے لے۔ لہذا دفاع پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور فساد و نزاع قائم ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ بے انتہا کشت و خون تک منتہی ہوتا ہے۔ انہیں فسادات و نزاعات کے رفع کرنے کے لیئے اُس منتظم و مدبر کی ضرورت ہے۔ کہ وہ اُن کیواسطے ایک قانون مرتب کردے جسکی رو سے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کر سکے۔ اور حقدار کو اُس کا حق پہنچ جائے۔ اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے۔ اُس کو وہ مدبر و منتظم سزا دے۔

لیکن چونکہ تمام نوعِ انسان احتیاج و حرص و ہوا میں مشترک ہے۔ اسواسطے اگر وہ منتظم و مدبر بھی عام لوگوں کی طرح کا انہیں میں سے ایک شخص انہیں جیسا محتاج و ہوا و ہوس کا پتلا ہو۔ تو یہ نظام درست نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہ قانون انہی لوگوں کا بنایا ہوا ہو یا ایسے ہی منتظم و مدبر کا مرتب کیا ہوا ہو۔ تو وہ کامل قانون نہ ہوگا جس میں ہر شخص کے حق کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔ اور جمیع ضروریات شخصی و نوعی کو ملحوظ رکھا گیا ہو پس ایسا قانون نہیں بنا سکتا۔ مگر وہ جو اُن کا خالق و صانع ہے اور ہر ایک کی ضروریات کا بالذات عالم یعنی اگر یہ قانون قانون الٰہی نہ ہوگا۔ تو کبھی کامل قانون مبنی بر عدل و انصاف نہ ہوگا۔ اسی طرح اس قانون کا جاری کرنے والا

اور اُسکو نافذ کرنے والا اور اُسکے ذریعہ سے متخاصمین سے نزاع کو رفع کرنیوالا بھی ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے جو لوگوں سے خارج ہو۔ مثل اُنکے محتاج و حریص ہو ورنہ نزاعات و فسادات قائم و ثابت رہینگے ۔

لہٰذا اس سلسلہ انتظام عالم میں ضرور ہے کہ ایک شخص ایسا موجود ہو۔ جو حقوق افراد انسانی کی حفاظت کرے اور ہر ایک حقدار کو اُسکا حق پہنچائے ۔ اور مثل دیگر افراد محتاج نہ ہو۔ ورنہ وہ اغنیا کی رعایت کریگا۔ خالق عالم واجب الوجود غنی مطلق ہے۔ ہر ایک قسم کی احتیاج سے ارفع و اعلےٰ ہے پس چاہیئے۔ کہ وہ شخص واجب الوجود سے دوسرے درجے پر غنی ہو۔ سوائے واجب الوجود کے اور کسی کی احتیاج نہ رکھتا ہو۔

محافظ و حاکم دو طرح کے ہیں۔ ایک ظاہری اور وہ بادشاہ ہے۔ بادشاہ اگر اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے حکم کرے۔ تو وہ حکم مبنی بر عدل نہ ہوگا۔ کیونکہ خواہش نفسانی و احتیاج سے وہ خالی نہیں ہے۔ اور اگر از روے عدالت حکم کرے۔ تو بھی من حیث المجموع جامع جمیع ضروریات شخصی و نوعی نہ ہوگا۔ اور عدل و انصاف مطلق پر مبنی اور حق و باطل میں فارق نہ ہوگا۔ دوم ظاہری و باطنی اور وہ نبی و امام ہے۔ اور اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ جزئی و کلی۔ قسم اول کی طرف خداوند عالم آیہ مجیدہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ "وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ" یعنی ہم نے داؤد کو حکم اور وہ کلام عطا کیا ہے۔ جو حق و باطل میں فارق و فاصل ہے۔ پس حکم صحیح وہی ہے۔ جو حکم آلہی کے مطابق ہو ورنہ غلط و باطل۔ اور جو اس حکم کے ادا کرنے میں تساہل اور کوتاہی کرے۔ وہ عند اللہ مسئول و ماخوذ ہے۔ چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ "وَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ" یعنی جن کو ہم نے اپنے احکام و اوامر و نواہی کے ساتھ بھیجا ہے ہم اُن سے دریافت کرینگے۔ کہ اُنہوں نے ہمارا حکم پہنچایا یا نہیں اور

نیز جن کی طرف وہ بھیجے گئے ہیں۔ اُن سے بھی دریافت کرینگے۔ کہ انہوں نے ہمارے احکام پر عمل کیا یا نہیں ⁂

امامت دراصل دو طرح کی ہے۔ ایک امامتِ صُغرےٰ اور صاحب امامت صغرےٰ دو ہیں۔ امام جمعہ وجماعت و امام فتوےٰ حشر وحساب کا تعلق امام فتوےٰ سے ہے۔ نہ امامِ جماعت سے۔ اگر فتوےٰ امامِ فتوےٰ (مفتی ومجتہد) مطابق وموافق حکم امام صاحب امامتِ کبرےٰ ہے۔ تو یہ فتوےٰ دراصل فتوےٰ امام مفترض الطاعۃ ہے اور مفتی مستحق ثواب اور عمل کرنیوالے ناجی ورستگار۔ اور اگر فتوےٰ خلاف حکم امام اصل ہے۔ تو مفتی اور اُسکے پیرو ایک علیحدہ جماعت ہے۔ اور اُنکا حشر اُسی مفتی کے ساتھ ہوگا۔ یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ۔ دوم امامتِ کبرےٰ اور وہ پیشوائی دین ہے۔ اور امام صاحب امامتِ کبرےٰ وجہ اللہ ویداللہ ومفترض الطاعۃ ہے اور یہی امام اصل امامِ عدل ہے۔ اور یہی اصل صاحب حکم ہے اور ضرورتِ وجود امام پر وہ دلائل عقلی ونقلی قائم ہیں۔ جو ضرورتِ نبوت پر دال ہیں۔ اور یہ امامت و نبوت ایک ہی سلسلہ ہے جیسا کہ ثابت ہوگا۔ اور یہی امامتِ کبرےٰ منقسم ہوتی ہے امامتِ جزئی وکلّی کی طرف جسکی قسم اول یعنی امامت جزئی کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ صاحب درمختار امامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ امامت دو قسم پر ہے۔ امامت صغرےٰ و امامت کبرےٰ۔ اور امامت کبرےٰ رکنِ اعظم دین ہے۔ اسی واسطے اس امام کے تقرر کو مسلمانوں نے دفن وکفنِ پیغمبر صاحب معجزات وصاحب شریعت پر مقدم رکھا۔ قسم دوم امامتِ کبرےٰ یعنی امامتِ مطلقہ کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوا۔ فقال عزّوجلّ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اور حضرت مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ پر ختم ہوتا ہے ⁂

اختیار مذہب وجملہ معتقدات نجات کیواسطے ہیں۔ اور نجات موقوف ہے۔

معرفتِ امام پر۔ اگر کوئی شخص روزے نماز کا پابند ہو اور اعمال خیر بجالاتا ہو۔ مگر امام مفترض الطاعت کو نہیں پہچانتا۔ کہ وہ کون ہے تو وہ جہنمی ہے ہر ایک فعل مثل روزہ و نماز اُسکے لئے ایک درجہ جہنم کا کھولتا ہے چنانچہ آیات ذیل اس پر شاہد ہیں قال عزوجل۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً یعنی بعض نفوس ایسے ہیں جو نہایت محنت و مشقت سے اعمال بجا لاتے ہیں۔ مگر وہی اعمال اُنکے لئے آتشِ جہنم بنتے جاتے ہیں۔ وقال عزوجل قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ یعنی کہدو اے پیغمبر کہ ہم تم کو خبر دیدیں۔ اُن لوگوں کی جو از روے اعمال نہایت ہی خسارے میں ہیں۔ اُنکی تمام کوشش زندگی دنیویہ ہی میں ضائع ہو گئی۔ اور وہ یہ گمان کرتے ہے۔ کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آیات الٰہی اور حشر و نشر اور حساب و کتاب کا انکار کیا۔ پس اُن کے سب اعمال حبط و ضائع ہو گئے۔ اور روز قیامت ہم اُن کے لئے کوئی وزن قرار نہ دینگے۔ اور وہ کسی شمار میں نہونگے ؛

امامت نفس نبوت ہے۔ بلکہ غایت قصوے نبوت اور معرفتِ امام معرفتِ خدا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مر گیا۔ وہ جاہلیت کی موت۔ مشرک۔ کافر یا منافق مرا۔ بلا معرفت امام نہ توحید صحیح ہے۔ نہ اعتقادِ نبوت۔ ہر ایک شخص اپنا ایک پیشوا (امام) رکھتا ہے۔ اور پیشوا دو قسم کے ہیں۔ پیشواے حق اور پیشواے باطل ؛

امام حق و امام باطل

چنانچہ قرآن شریف میں خداوند عالم نے دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو وہ

امام ہیں۔ جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں۔
جو بحکم خدا دعوت نہیں دیتے۔ بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں۔ اور
بندگان خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ " وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ"
یعنی وہ ایسے امام ہیں۔ جو لوگوں کو جہنم کی طرف لیجاتے ہیں۔

دوسرے وہ امام ہیں جو بامر خداوند عالم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ ہر وقت تابع
مشیت الٰہی ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ اور وہی راہ مستقیم دکھلانیوالے اور
اصل مقصد پر پہنچانیوالے اور خدا سے ملانیوالے ہیں جنکی بابت ارشاد فرماتا ہے۔
وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا یعنی ہم نے اُن کو امام بنایا ہے۔ جبکہ
صبر اُن سے ثابت ہوا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔" وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ
إِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ"
اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے ہیں۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے
انکو فعل خیرات اور اقامۃ الصلوۃ وایتاء زکوٰۃ کی وحی کی ہے۔ اور وہ ہماری عبادت
کرتے تھے۔ اس آیت کی رو سے وحی شرط امامت ہے۔ اور ہر فعل امام و قول امام
تحت وحی الٰہی ہوتا ہے +

نوٹ - اگرچہ لفظ جعل دونوں مقاموں پر آیا ہے۔ یعنی ائمہ باطل و ائمہ حق۔ دونوں
کے ساتھ۔ لیکن اول میں جعل جعل ثانوی ہے۔ اور اُن کو ائمہ ضلال بنایا جانا اُن کے افعال
باطلہ اور ہدایت نہ پانے۔ آیات میں تدبر نہ کرنے۔ اور خواہشات نفسانی میں
منہمک ہو جانے۔ اور لوگوں کو بہکانے اور اپنی طرف بلانے کا نتیجہ ہے۔ کہ
وہ پیشوائے باطل و داعیان نار قرار پائے۔ اور دوسرے روز ازل سے ائمہ
ہدایت بنائے گئے ہیں بجعل اولی نہ بجعل ثانوی فتدبر +

(مؤلف)

پس ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق و امتیاز ضروری ہے کہ بہشت میں پہنچانے والا امام کون ہے اور دوزخ میں ڈالنے والا کون ؟

ظاہر ہے ۔ کہ اس لفظ امام سے امام جمعہ وجماعت ۔ یا امام فتوے مراد نہیں ہے بلکہ امام اصل مفترض الطاعت ہے ۔ جو حکم خدا لوگوں تک پہنچائے ۔ اور موافق امر الہی بندگانِ خدا کو ہدایت کرے ۔

امام کی شناخت کیونکر ہوسکتی ہے ؟

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے ۔ کہ آیا امام کی شناخت کتب احادیث وغیرہ سے ہوسکتی ہے ۔ یا نہیں ۔ ظاہر ہے ۔ کہ ہر ایک فرقہ اپنی کتب سے اپنے امام کی صداقت ثابت کرتا ہے ۔ اور ہر ایک دوسرے کے برخلاف ہے جس سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ کتب احادیث کذب و جعل سے خالی نہیں ہیں ۔ اور یہ امر آیتِ قرآن سے ثابت ہے ۔ کہ محافظ تورات اور اُس سے حکم کرنیوالے انبیاء تھے ۔ جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے " اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۔ الخ ۔"

(مائدہ ۔ ع) یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا ہے ۔ اور اُسمیں ہدایت اور نور ہے حکم کرتے ہیں اُس سے یہود کو انبیاء جو اسلام لائے ہیں ۔ اور مطیع و منقاد مطلق خداوند عالم ہیں ۔ اور نیز خدا پرست اور صاحبانِ علوم کیونکہ وہ کتاب اللہ کے مستحفظ اور اس پر شہید تھے الخ ۔ باوجود اسکے بھی یہود نے تورات میں وہ چیزیں داخل کر دی ہیں ۔ کہ پناہ بخدا ۔ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے موجودہ تورات میں لکھا ہے ۔ کہ (معاذ اللہ) حضرت لوطؑ کی دونوں بیٹیوں نے چاہا ۔ کہ باپ کے ساتھ خلوت کریں تاکہ اولاد پیدا ہو ۔ پس اُنکو شراب پلائی ۔ اور شب کو ایک اُنکے ہمراہ سوئی ۔ اور

دوسری شب دیگر اور ان سے حاملہ ہوئیں۔ اور انہیں سے انکی نسل چلی۔ اور حضرت
عیسےٰ ابن مریم (معاذ اللہ) انہیں کی نسل سے ہیں "لاحول ولاقوۃ الاباللہ"
پس جب ان کتابوں میں جنکے محافظ انبیاء رہے۔ منافقین نے ایسے ایسے
بہتان اور لغو باتیں داخل کردیں۔ تو کیا حال ہوگا۔ اُن کتب احادیث کا جنکو
ہر قسم کے فجّار وفسّاق نے جمع ومرتب کیا ہے۔ جو لوگ محض ایک شخص کی سبزی
فروخت کرانے کے لیے حدیث وضع کرلیں۔ انکی احادیث اور اُن کتب پر کیونکر
اعتماد ہوسکتا ہے۔ ہر شخص نے اپنے مطلب و مقصد ثابت کرنے کے لیے
ایک حدیث اختراع کرلی ہے۔ لہٰذا ان کتب سے امامت کا فیصلہ ممکن نہیں۔
علاوہ ازیں اگر شیعہ اپنی کتب کے احادیث پیش کریں۔ تو سُنّی انکار کرتے ہیں۔ اور اگر
سنی پیش کریں۔ تو شیعوں کے نزدیک وہ مردود ہے۔ پس ایسی صورت میں
اُس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جو متفق علیہ اُمت ہے یعنی کلام حمید
مجید جسکی بابت خداوند عالم فرماتا ہے۔ "ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ (انعام ع ۲۰)
یہی کتاب مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اسکی پیروی کرو۔ لیکن جب
قرآن شریف کے ترجموں اور تفاسیر کو دیکھا جاتا ہے۔ تو ایک ایک آیت کی
تفسیر میں بائیس بائیس قول اور رائیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک دوسرے
کے خلاف۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے۔ کہ کلام کرنیوالا صرف ایک مطلب کو مد نظر
رکھکر گفتگو کرتا ہے۔ اور الفاظ میں اُسکو ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ سننے والے اُس سے
آگاہ ہوں پس لابُد خلاقِ عالم نے اپنے کلام میں ہر ایک آیت میں ایک مطلب
خاص کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بندوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہٰذا حقیقت واقعیہ
ایک ہے۔ نہ کہ بائیس بائیس مختلف مطالب اسی وجہ سے ہر ایک امر میں اختلاف
ہے۔ مثلاً وضو شرط نماز ہے اور آیہ وضو نہایت واضح ہے۔ مگر اسمیں بھی اختلاف

موجود ہے۔ حالانکہ ظاہر آیت حقیقتِ وضو پر بالصراحت دال ہے۔ جب کلام حمید مجید کے ترجموں اور تفاسیر کا یہ حال ہے۔ تو اُس سے از خود کوئی مطلب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔

مسلّم ہے۔ کہ قرآن مجید کمال درجہ مختصر ہے۔ اور پھر دعوےٰ یہ ہے۔ کہ "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" ہر ایک خشک و تر کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے۔ حالانکہ بظاہر قرآن کا بہت بڑا حصہ قصص و حکایات سے پُر ہے۔ کوئی سورت قصے سے خالی نہیں سوائے سورۂ اخلاص کے مگر تمثیل اُسمیں بھی موجود ہے۔ جو تشحیذِ اذہان کے لئے نہایت مفید ہے اور مطلب خوب سمجھاتی ہے۔

توراۃ بصورتِ معجزہ نازل نہیں ہوئی۔ اور نہ اُس سے تحدّی کیگئی ہے۔ مگر اُس سے حکم کرنے اور احکام بیان کرنے کے لئے انبیاء مقرر کئے گئے تھے پس وہ کتاب جو معجزہ ہو۔ اور بطور تحدی نازل کیگئی ہو۔ اُس سے عوام یا خواص کیونکر احکام نکال سکتے ہیں۔ اور اُسکے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہیں۔ حقیقتِ معجزہ کو سوائے معجز نما اور کوئی نہیں جان سکتا پس لازم ہے کہ جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ وہ خود احکام کو بیان کرے۔ یا وہ شخص جو نفسِ پیغمبر ہو اور درجۂ نبوت پر فائز۔

زمانِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبت ہر ایک اختلاف کو قرآن مجید فرقان حمید سے رفع فرما دیتے تھے۔ اور قرآن مجید رفع اختلاف ہی کیلئے آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے "وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ" یعنی نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر کتاب کو مگر اسلئے کہ تو بیان کر دے اُن سے وہ باتیں جنمیں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ رفعِ اختلاف ہدایت و رحمت ہے۔ اہل ایمان کے لئے۔ پس پیغمبر اِسی قرآن سے اختلاف کو رفع فرماتے تھے۔ لیکن اب بھی وہی قرآن

موجود ہے۔ مگر اختلاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے مدعیان قرآن فہمی واہل الذکر موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ علماء اختلاف کو رفع نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر سکتے تو یہ اختلاف کیوں ہوتا۔ ذکر کیا گیا۔ کہ حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ اور مقصودِ خداوند عالم واحد پس اگر لوگ حقیقتِ قرآن کو سمجھ سکتے اور اصل مقصودِ خدا معلوم کر سکتے تو یہ اختلاف کیوں ہوتا۔ اور ایک ایک آیت سے بیس بیس مختلف متضاد مطالب کیوں بیان کئے جاتے۔ علما حقیقت قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس ضروری ہوا۔ کہ بعد پیغمبر بھی مثل پیغمبر مُبیّنِ قرآن موجود ہو۔ جو اختلافات کو رفع کرے اور اصل حکم خدا بندگان خدا کو پہنچائے۔ اور وہ شخص سوائے خصائصِ خاصہ نبوت (مثل نو بیبیاں وغیرہ رکھنا جو قرآن شریف میں خاص ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہیں) باقی تمام صفات و کمالات میں مثل پیغمبر ہو۔ قرآن فہمی کے لئے مُبیّنِ قرآن کی ضرورت ہے بلا اسکے بیان کے صحیح حکم قرآن سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

فرق درمیان کتاب و قرآن

قَالَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ۔ "اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ (پیغمبر) پر کتاب کو نازل کیا ہے۔ کہ بعض اسمیں سے آیات محکمات ہیں۔ اور وہی اُمّ الکتاب ہیں۔ اس آیہ مبارکہ میں خداوند عالم نے قرآن نہیں فرمایا۔ بلکہ کتاب فرمایا ہے۔ کہ خدا نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ اور قرآن و کتاب میں فرق ہے۔ مگر اس فرق کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی ہوا بھی ہے۔ تو اُس کا حق ادا نہیں کیا۔ لوگ چار کتابوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے ہر ایک نبی کے ساتھ اُسکی کتاب نازل کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا

ہے "کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ" بقرع ۲۲

یعنی تمام آدمی اُمّتِ واحدہ تھے پس اللہ نے اُنھیں انبیاء کو مبعوث کیا جو بہشت کی بشارت دینے والے اور آتش جہنم سے ڈرانے والے تھے۔ اور اُن کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ حکم کریں۔ لوگوں کے درمیان اُن چیزوں میں جنھیں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ کتاب ہوتی ہے۔ اور وجود نبی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ اور اسی طرح سے میزان بھی ہر ایک نبی کے ساتھ نازل ہوتی ہے " فقال عزوجل۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" حدید ع ۳ پس اس کتاب سے کتاب تنزیلی اور میزان سے میزان ظاہری مراد نہیں۔ بلکہ یہ کتاب وجودی ہے اور موازین اس کتاب کی موازین علمیہ ہیں " نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ بِالْقِسْطِ " (تحقیق حقیقت میزان کسی دوسرے موقع پر بیان ہوگی) یہاں سے معلوم ہوا کہ کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں قرآن قرأت سے ہے یعنی مقروٗ جو کچھ کہ زبان مبارک نبوی سے بیان ہوا۔ اور انہوں نے قرأت فرمایا۔ اور کتاب نفس وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے چنانچہ آیۂ ذیل اسکی تشریح کرتی ہے " اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ " مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن جو تم قرأت کرتے ہو۔ کتاب مکنون میں ہے۔ اس کتاب کو سوائے مطہر و معصوم اور کوئی مس نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ توضیح اس آیت میں ہے۔ کہ قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں " وَمَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ " قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو۔ ولیکن تصدیق ہے کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اُس کتاب کی جو دی پیغمبری کی جو شہر علم الٰہی

ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

پس یہ کتاب نہیں ہے۔ مگر وجود پیغمبر اور کتاب سے مراد کتابِ وجودی ہے نہ مکتوب یا مقروء صورت مقروٴ قرآن ہے۔ اور جبتک کوئی خانہ طہارت میں داخل نہ ہو اس کتاب کو مس نہیں کرسکتا۔ اس کتاب کے مس کرنیوالوں کی شان میں فرماتا ہے۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا"۔ پس سوائے اُن نفوس طاہرہ مطہرہ کے اور کوئی اُس کتاب وجودی پیغمبر کو مس نہیں کرسکتا جنکی شان میں یہ آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی اہل بیت۔

تقسیم آیات قرآن

تقسیم آیات کے تین درجے ہیں۔ ایک جگہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے کہ تمام آیات مفصّل اور محکم ہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ "کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ" یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات محکم اور مفصل ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ تمام آیات متشابہ ہیں۔ "نَزَّلَ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ" خدا نے بہترین کلام کو کتاب متشابہ مثانی کی صورت میں نازل کیا ہے یعنی تمام آیات متشابہ ہیں۔ حالانکہ ایک تہائی قرآن ایسا ہے۔ کہ اُسمیں تصوّر تشابہ ممکن ہی نہیں پھر کیونکر سب متشابہ ہو گیا۔ تیسری جگہ فرماتا ہے۔ کہ بعض آیات کتاب محکم ہیں اور بعض متشابہ "ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ" یعنی خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور وہی اُم الکتاب ہیں۔ اور بعض متشابہ۔ ضمیر ھُنَّ راجع ہے آیات کی طرف اور ام الکتاب مایام الیہ ہے یعنی اصل مقصود یہ۔ و مرجع اصل۔ بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی مناقض معلوم ہوتی ہیں اور پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہے۔ کہ اُنکی تاویل سوائے خدا اور کوئی

نہیں جانتا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ تمام قرآن فہمی کا دعوےٰ سوائے اُسکے جو معلم بتعلیم الٰہی
ہو۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ تمام قرآن کو وہ جانتا ہے جس کے لئے تمام قرآن
آیات محکمات ہے۔ اور کوئی متشابہ نہیں۔ ورنہ عام علماء تو محکم ترین آیات کو بھی متشابہ
کردیتے ہیں۔ اگر انسان محکم و متشابہ کے معانی جانتا ہو۔ تو بعد غور و تامل سمجھ سکتا
ہے۔ کہ مطلب ان آیات کا کیا ہے۔ نیز انہیں سے حقیقت کتاب بھی معلوم
ہوسکتی ہے۔ دیکھئے منجملہ آیات محکمات آیہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ
مِنْکُمْ" ہے۔ یعنی اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول کی اور اُولی الامر کی
مگر مفسرین میں اُولی الامر کے مصداق کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ وہ کون ہے
حالانکہ نفس مفہوم اُولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اُولی الامر وہ صاحب حکم
وامر ہیں۔ جن کا امر ہر شئے میں جاری و ساری ہے۔ اور اُنکے امر سے کسی کو کسی
حالت میں تخلف جائز نہیں۔ جو اُنکے حکم سے پھرا وہ خدا و رسول کے حکم اور امر
سے پھرا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسکو پکارا۔ اُس نے جواب نہ دیا۔ بعد فراغ از نماز
جب وہ حاضرِ خدمتِ اقدسِ نبوی ہوا۔ تو حضرتؐ نے دریافت فرمایا۔ کہ تو نے جواب
کیوں نہیں دیا؟ تب اُس نے عرض کیا۔ چونکہ میں نماز میں تھا۔ جواب نہ دیا۔
حضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ"
یعنی جواب دو اللہ اور اُسکے رسول کو خواہ کسی حالت میں ہو۔ اس سے معلوم
ہوا۔ کہ امر پیغمبرؐ سے کسی وقت میں بھی عدول جائز نہیں ہے۔ نماز میں بھی ہو
تو اس کو جواب دو۔ وقال عزوجل مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ
یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ الخ اہل مدینہ اور جو اُنکے گرد و نواح میں اعراب
ہیں۔ اُنہیں سزاوار نہیں۔ کہ وہ رسول خدا سے تخلف کریں۔ اور پیچھے ہٹ رہیں

اور نہ یہ کہ نفس رسولؐ سے اعراض کریں۔ اس آیت میں تخلف سے مراد جہاد سے پیچھے
رہنا اور جہاد پر نہ جانا مراد نہیں بلکہ تخالف سے تخلّفِ امری مراد ہے یعنی خدا فرماتا ہے
کہ اہل مدینہ وغیرہم کو یہ جائز نہیں۔ کہ وہ کسی حکم پیغمبری سے تخلف کریں۔ بلکہ اُسے
فوراً بجا لائیں۔ خواہ کہیں ہوں۔ اور کسی حالت میں ہوں۔ اور کسی قسم کا امر ہو۔
پس بعد پیغمبرؐ اُولی الامر وہ ہے جسکا حکم مثل پیغمبرؐ ہر حال میں واجب العمل ہے
اور ہر شئے میں جاری وساری۔ اور اسی کے ساتھ اُن کا حشر ہوگا۔ جو اسکے
ساتھ ہے ناجی ہے۔ آیہ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمۡ صاف دلالت کرتی ہے
کہ اُولی الامر بعدِ رسولؐ امام ہے (وھو الحاشر الی اللہ) قرآن شریف میں
پیغمبرؐ کے دس نام خاص ہیں۔ اور امامؑ کے بھی دس۔ رسول پیغمبر کے لئے
مخصوص ہے۔ اور اولی الامر امام کے لئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں ایک
پیغمبرؐ ہے۔ اور ایک نفسِ پیغمبرؐ۔ جیسا کہ آیہ مباہلہ سے بھی ظاہر ہے۔ اس آیۂ
مذکورہ "لَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ" میں نفس سے مراد نفس پیغمبرؐ ہے اگر یہاں
عن نفسہٖ سے مراد پیغمبر ہوتا۔ تو عَنۡهُ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ جس طرح
امرِ پیغمبر سے تخلف واعراض جائز نہیں۔ اسی طرح نفسِ رسولؐ یعنی امیرالمومنین
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر سے بھی تخلف واعراض جائز نہیں۔ اسی غزوۂ تبوک کے
بعد جسکا اس آیت میں اشارہ ہے حضرت رسولؐ نے جناب امیرالمومنینؑ کو
اپنا جانشین بنایا۔ اور فرمایا "اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزِلَةِ هَارُوۡنَ مِنۡ مُّوۡسٰی الخ" اور بعد رسولؐ
وہی اُولی الامر ہے جس کی اطاعت مثلِ رسول فرض کی گئی ہے۔ اور اسی کے
ساتھ حشر ہوگا۔ پس مفہوم ومنطوق قرآن سے ثابت ہے۔ کہ امام اصل ذریّت
رسول ہی سے ہوتا ہے جسکا آئندہ مفصل ذکر آئیگا۔ اگر نفسانیت وتعصبات
اور خودرائی کو قرآن میں دخل نہ دیا جائے۔ تو اصل امامت نصوصِ محکمات

قرآن سے ثابت ہوسکتی ہے گو کیفیات جزئیہ امامت مفصلاً ظاہر قرآن سے نہ معلوم ہوں۔ اور ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔ اور اسکا تصرف تصرفِ پیغمبری ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ پیغمبر صاحب شریعت و صاحبِ دین ہے وہ دین لایا ہے۔ اور یہ (امام) محافظ دین و مروج دین و مکمل دین ہے۔ نفسِ رسول اس وقت بحکمِ آیہ مباہلہ چار شخص تھے۔ اور مع پیغمبر پانچ تن ہوتے ہیں۔ اور بلا ان کی معرفت کے نجات ممکن نہیں۔ اول معرفتِ امام موجب بہشت ہے۔ اور عمل کرنا چیز دیگر۔ اور دوسرا درجہ ہے ۔

زمانے کا امام اور نفس رسول ان ایام (ایام عاشورۂ محرم الحرام) میں متزلزل ہے۔ اسلیئے کہ وہ شہید علی الناس ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ ذریتِ رسولؐ و اولادِ رسول وطن سے دور اور روضۂ رسولؐ سے مہجور ایک میدانِ کرب و بلا میں بے یار و مددگار مضطرب و مضطر نظر آرہے ہیں۔ ایک نفس رسول و جگر گوشۂ بتول سر تا پا خون میں ڈوبا ہوا پکار رہا ہے " ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا ھَلْ مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا الخ "

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

موعظۂ سوم

۴ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امام ۔ اُم الکتاب
اُم القریٰ پیغمبر اُمّی لقب

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ

اجمالاً بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ انتظام عالم کے لیئے ایک منتظم و مدبر کی ضرورت

ہے۔ جو فسادات و ملوک الطوائفی کو دور کرے۔ اور وہ قوت منتظمہ امام ہے۔ لفظ امام مفرد
ہے جسمے اکا امام جمعہ و جماعت کو بھی شامل ہے۔ اور معنے اسکے مَن يُقتدىٰ بِہ ہیں یعنی
وہ شخص جسکی اقتدا کی جائے۔ اور چونکہ لوگ نماز میں اسکی اقتدا کرتے ہیں۔ اسواسطے اسکو
امام کہتے ہیں پیغمبر کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ اور معنے اسکے مَن يَؤُمُّ الخَلقُ اِلیہ ہیں
یعنی جسکی طرف لوگ رجوع کریں۔ اور مقصود خلائق و مرجع انام ہو۔ پس اس اعتبار
سے کہ وہ صاحب درجۂ رفیعہ ہے۔ نبی کہلاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ تبلیغ احکام
الٰہی پر مامور کیا گیا ہے پیغمبر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مقتدائے اُمّت ہے
امام کہلاتا ہے۔ اُمّ الکتاب و اُمّ القریٰ بھی اسی معنے میں مستعمل ہیں۔ اُمّ الکتاب وہ
کتاب ہے کہ تمام عناوین و مضامین کتب الٰہیہ اسکی طرف منتہی اور اس سے جدا
ہوں۔ لہٰذا تمام خلق کو اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وعلےٰ ہذا القیاس اُمّ القریٰ وہ
ہے۔ کہ تمام قریے اس سے جدا ہوئے ہوں۔ اور وہ سب کا مرکز ہو۔ اسواسطے مکّہ
کی طرف تمام لوگ رجوع کرتے ہیں۔ اور وہی قبلۃ الانام ہے۔ اُمّی کے بھی یہی معنے
ہیں۔ کہ رجوع خلائق اُسی کی طرف ہے۔ اور مقصد کائنات و مرجع مکوّنات ہے۔
کسی خاص امر میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز میں علم میں معرفت میں تحصیل فضل و کمال
میں بغرض محتاج الیہ کُل ہے۔ اسکی طرف ہر شے محتاج ہے۔ اور وہ سوائے خدا کسی
کا محتاج نہیں۔ ہر شے اسکی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ خدا کی طرف۔ وہ کوئی چیز
کسی سے حاصل نہیں کرتا۔ وہ کسی سے تعلیم نہیں پاتا۔ اگر وہ دوسرے سے تعلیم حاصل
کرے۔ تو وہ پیغمبر نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کرتے ہیں وہ پیغمبر کے معنے ہی نہیں سمجھتے +

افضلیت خاتم الانبیاء بر جمیع انبیاء علیہم السلام

مرجعِ تمام پیغمبران پیغمبرِ اُمّی لقب نبی مطلق
ہے۔ اور بعد ازاں انبیا فرداً فرداً مرجع
اُمّت ہیں۔ آیت ذیل اسی پر دال ہے

اور یہی اس کا مطلب ہے۔ "کَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا" یعنی خداوند عالم فرماتا ہے۔ اُس دن گنہگاروں کا کیا حال ہوگا۔ جبکہ ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک شہید کو لائینگے۔ اور تجھ کو اے پیغمبر اُن تمام شہدا پر شہید قرار دینگے۔ ہر ایک اُمت کا شہید اُس کا پیغمبر ہے جیسا کہ قولِ حضرت عیسےٰ سے صاف ظاہر ہے۔ "وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ" میں اُن پر شہید تھا۔ جبتک کہ میں اُن میں موجود رہا۔ اس آیت سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔ اوّل یہ کہ جناب عیسےٰ اپنی اُمت پر شہید تھے۔ دوم یہ کہ وہ جناب شہید مطلق نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اپنی اُمت کے لیئے۔ اور وہ بھی اُس وقت تک جبتک اُن میں تھے۔ اور پیغمبر اُمی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء پر شہید ہے۔ اور خداوند عالم تمام مخلوقات و مکونات پر شہید ہے جسمیں پیغمبر امی بھی داخل ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ" تحقیق کہ اللہ تعالے ہر ایک شے پر شہید ہے۔

شہید اور شاہد کے معنوں میں فرق ہے۔ شہید خواہ حاضر ہو۔ یا غائب وہ اُن لوگوں پر شہید ہے۔ جن پر اس کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ اُن پر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔

اور شاہد وہ ہے۔ جو بذریعۂ علم شہادت دے سکے خواہ اُس کا یہ علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار وغیرہ۔ (اسکی مزید تشریح عنقریب آتی ہے) یہ آیۂ شریفہ "مَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ" اے پیغمبر تو جانب غربی پر موجود نہ تھا الخ منافیِ شانِ شہید نہیں۔ کیونکہ یہاں حضورِ جسمانی کی نفی ہے۔ اور یہ منافی شہیدیت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ شہید کیلئے حضور و غیاب مساوی ہے۔ اور نبوت نبی روحِ قدسِ نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے۔ بلکہ حقیقۃً نبی وہ روح ہی ہے۔ وہ ہمیشہ شہید ہے۔ خواہ اُسکا ظہور صورتِ جسمانی میں ہو یا نہ ہو۔

اور یہ خیال و شبہ کہ نبوتِ نبی جسم نبوتی پر موقوف ہے ۔ سو وسوسۂ شیطانی ہے۔
وعلے ہذا القیاس آیۂ مجیدہ "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ" یعنی اے پیغمبر ہم تجھ سے بہترین قصص
کو بیان کرتے ہیں ۔ اسی ذریعہ سے جس سے کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے ۔ اگرچہ
تو اس سے پہلے غافلین میں سے تھا) بھی منافی شانِ شہیدیت نہیں ہے ۔ کیونکہ
غافلین فرمایا ہے نہ جاہلین ۔ اور غفلت و جہالت دو چیزیں ہیں ۔ اور یہ غفلت بھی
خاص غفلت ہے جسکے معنے بِمَا أَوْحَيْنَا ۔ وَمِن قَبْلِهِ کے سمجھنے والوں پر پوشیدہ نہیں
ہیں ۔ بہر حال یہ منافی شہادت نہیں ۔ کہ یہ غفلت قبل وحی الہی ہے

شہید ثالث یا امام خلق

بعد خدا و پیغمبر خدا ایک اور شہید بھی ہے اور وہ امام ہے اور بلا اُسکے وجود کے قیامت
قائم نہیں ہو سکتی ۔ "جَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ" روز قیامت ہر
نفس اس طرح سے بارگاہ الہی میں حاضر کیا جائیگا ۔ کہ اُسکے ساتھ اُس کا ایک
سائق (ہانکنے والا) اور ایک شہید ہوگا ۔ یہ شہید شہیدِ باطنی ہے "قُلْ كَفَىٰ
بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ" پس یہ شہید غیر پیغمبر و خدا ہے لو
"يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ" سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ شہید امام ہی ہے ۔ کیونکہ
حشر امام ہی کے ساتھ ہوگا ۔ اور یہ شہیدِ خارجی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں ۔ کہ
اس آیۂ مبارکہ میں من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جسکو علم الکتاب حاصل ہے)
سے مراد عبد اللہ سلام یہودی ہے ۔ جو توراۃ کا عالم تھا ۔ اور بعد میں اسلام لایا
اور پیغمبر کی تصدیق کی لیکن یہ غلطِ محض ہے ۔ اور قصہ حضرت سلیمانؑ میں
تختِ بلقیس کا واقعہ اسکی نفی کرتا ہے ۔

مَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا

قَبْلَ اَنْ یَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ - قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ - قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یعنی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اے گروہ حاضرین تم میں سے کون تخت بلقیس کو میرے پاس لا سکتا ہے قبل اسکے کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں؟ عفریت جنی نے کہا یا نبی اللہ میں اُسکو لا سکتا ہوں قبل اسکے کہ آپ اپنے اجلاس کو برخاست کریں۔ یعنی صبح سے ظہر تک - اور میں اسکی قوت رکھتا ہوں اور اسکا ذمہ دار ہوں۔ پھر اُس شخص نے (وزیر جناب سلیمانؑ آصف برخیا) کہا۔ جسکو کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا کہ یا نبی اللہ میں اسکو چشم زدن سے پیشتر لا سکتا ہوں - اور جب حضرت سلیمان نے فوراً اُس کو وہاں کھڑا دیکھا۔ تو فرمایا۔ یہ میرے پروردگار کا فضل و احسان ہے الخ +

اس سے ظاہر ہے کہ جسکو تھوڑا سا علم کتاب حاصل تھا۔ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت ایک ماہ کی مسافت سے لے آیا پس جسکو علم الکتاب حاصل ہے اُسکے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ سلام یہودی کو یہ قدرت کہاں حاصل۔ نیز عبداللہ سلام مدینہ میں ایمان لایا ہے - اور یہ سورہ سورۂ مکیہ ہے - جو اُسکے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہذا مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہو سکتا +

تمام کتاب کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا پھر کسطرح سے عبداللہ سلام مثل حضرت موسےٰ کے ہو گیا اور اُسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُسکو تمام توراۃ کا علم حاصل تھا۔ اور من عندہ علم الکتاب سے وہی مراد ہے یہ غلط محض ہے علم الکتاب میں کتاب پر جو ال ہے یا تو عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے ایک کتاب مخصوص معہود مراد ہے یعنی

قرآن - یا جنسی ہے - اور جنسِ کتب مراد ہے اور مقصود پیغمبر کا یہ ہے کہ جس کو
کل قرآن یا تمام کتب کا علم نہیں وہ مجھ کو نہیں پہچان سکتا - اور جس کو کل کتب کا
علم ہے - وہ ہی میری نبوت کی سچی شہادت دینے والا اور تصدیق کرنیوالا ہے
پس بعد پیغمبر تمام کتب کا علم سوائے نفسِ پیغمبر اور کسی کو نہیں ہو سکتا اور
وہ علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں پس علی ہی دلیل نبوت ہے -
اگر وہ تصدیق نہ کرتے - تو کوئی تصدیق نہ کرتا - کیونکہ وہ جناب حضرت ابراہیمؑ
کی اس ذرّیت میں سے ہیں جس کیواسطے انہوں نے اس طرح سے دعا کی تھی -

اُمّتِ مسلمہ

اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی جس وقت حضرت
ابراہیمؑ و اسمعیلؑ خانہ کعبہ تیار کر رہے تھے - تو انہوں نے اس طرح دعا کی -
" اے ہمارے پروردگار ہماری خدمت کو قبول فرما بتحقیق کہ تو ہر ایک بات کو
سنتا ہے - اور ہر شے کا عالم ہے " رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ یعنی اے ہمارے
پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا - اور منقاد و مطیعِ مطلق قرار دے
اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح کا مسلمان بنا - یہ ظاہر ہے
کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی تھی - آپ مسلمان تھے - پیغمبر تھے -
خلیل تھے - امام تھے - لہٰذا حضرت ابراہیم جس اسلام کی اپنے اور اپنے بیٹے
اسمٰعیلؑ کے لئے التماس کر رہے ہیں - وہ فعلیت اسلام ہے - یعنی مطلب یہ ہے
کہ پروردگار جس طرح سے تو نے ہم کو کامل الایمان و کامل الیقین پیدا کیا ہے
اُسی طرح ہم کو یہ بھی توفیق دے - کہ ہم سے اعمال بھی ویسے ہی صادر ہوں اعتقاد
کے موافق ہمیں عامل بھی بنا - اور توفیق دے - کہ ہر حال میں تیرے مطیع د

مُنقادِ مطلق رہیں۔ پھر اسی اسلام کی خواہش اپنی اولاد میں سے ایک خاص اُمت کے لئے کی ہے کیونکہ لفظ جعل مکرر نہیں لایا گیا ہے جو تکرار معانی پر دلالت کرے بلکہ ولنجعلنا بصیغہ متکلم مع الغیر فرمایا ہے۔ اور جو لام اختصاص اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ وہی اپنی اُس ذریت کے لئے استعمال کیا ہے غرض جو اپنے لئے مانگا ہے وہی اپنی اولاد میں سے ایک اُمتِ خاص کے لئے مانگا ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے۔ خدا اور اُس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ حتے اکہ جبرئیل بھی۔ جیسا کہ خدا حضرت ابراہیم کی بابت خبر دیتا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ یعنی جب اُسکے پروردگار نے اُس سے فرمایا۔ کہ اسلام لا۔ تو اُس نے کہا میں اسلام لایا۔ اور میں پروردگارِ عالمین کا مطیع و منقاد ہوں۔ بخلاف دیگر مسلمانوں کے کہ اُنکا اسلام اسلام بالواسطہ ہوتا ہے یعنی پیغمبر یا امامؑ یا کسی عالم کے ہاتھ پر اسلام لاتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اُس ذریتِ خاص کے لئے اسلام حقیقی و اسلام بلا واسطہ کی خواہش کی ہے۔ بلکہ اُس پر عامل ہونے کی۔ پھر اُس ذریت کے باب میں فرماتے ہیں۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ" پروردگار اُن میں اُنہیں میں سے ایک شخص کو مبعوث برسالت فرما۔ تاکہ وہ اُن پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔

یہ ثابت و محقق ہے کہ ذریتِ حضرتِ ابراہیمؑ اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ میں صرف پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مبعوث برسالت ہوئے ہیں پس یہ اُمتِ مسلمہ جسکے لئے دعا کی گئی ہے۔ وہ ہے جسمیں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ اور خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکا ایک فرد ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ قبل از بعثتِ پیغمبر خدا چاہیئے۔ کہ یہ اُمت موجود ہو

اور اسکو فضیلت بخش اس اللہ کی

جسمیں پیغمبر مبعوث ہو اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ پیغمبر قبیلۂ بنی ہاشم سے مبعوث
ہوا ہے۔ لہذا اُمت مسلمہ باسلام بلاواسطہ بنی ہاشم میں موجود تھی۔ اور سوائے
حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلواۃ والسلام جو اسلام فطری پر
باقی تھے۔ اور صغیر سنی ہی میں پیغمبر پر ایمان لائے۔ اور نبوت کی تصدیق کی۔ اور
کوئی نہیں ہو سکتا یعنی جس وقت پیغمبر خدا مبعوث برسالت ہوئے حضرت علی موجود
تھے پس اُمت مسلمہ رسول و نفس رسول ہوئے۔ اور اسمیں سے جناب رسول خدا
مبعوث ہوئے۔ اور نفس رسول نے انکی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہ ہی شہید
اور امام اُمت ہوئے۔ اور اُمت کا لفظ ایک شخص پر بولا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت
ابراہیمؑ کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے "کانَ اِبراہیمُ اُمتاً قانتاً" یہ بھی ثابت ہے
کہ حضرت ابراہیم سولہ سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے۔ اور اس وقت بتوں
کو توڑا۔ جیساکہ خداوند عالم خبر دیتا ہے "وَ اٰتَیْنَاہُ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا
بِہٖ عَالِمِیْنَ" یعنی ہم نے اُسکو پہلے ہی سے رُشد و ہدایت عطا کی۔ اور اُسکو ہم جانتے
تھے پس یہ بھی عہدِ طفولیت ہی سے اُمتِ مسلمہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت
امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے "اَنَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ" یعنی میں ہی پہلا شخص
ہوں۔ جو پیغمبر کے ساتھ ایمان لایا۔ یعنی اسلام تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔
پیغمبر پر ایمان سب سے پہلے لائے۔ اور اُسکی تصدیق فرمائی۔ اور حضرتؑ کا پیغمبر
پر ایمان لانا وہ ہی معنے رکھتا ہے۔ جو حضرت لوطؑ کے حضرت ابراہیم پر ایمان
لانے کے ہیں "فآمن لہ لوط" یعنی لوطؑ نے انکی تصدیق کی اور شہادت دی۔
اسیطرح جناب امیرؑ مُصدِّق حضرت ختمی مرتبتؐ ہیں۔ یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ پہلے
مومن نہ تھے اُس وقت ایمان لائے تھے۔ اور اسلام نبوتی منزہ ہوتا ہے۔ شرک
ذاتی۔ شرک صفاتی۔ شرکِ افعالی اور شرک عباداتی سے۔ چنانچہ قول جناب

یوسف سے ظاہر ہے۔ "واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم واسحٰق ویعقوب
ماکان لنا ان نشرک باللہ من شیٔ"۔ یعنی میں اپنے آبا و اجداد ابراہیم و اسحٰق و
یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں۔ اور ہم اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے کسی بات
میں اسکا شریک قرار نہیں دیتے۔ اور کسی جزوی شرک کے بھی قائل و عامل نہیں ہوتے*

پس جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مسلم باسلام
نبوتی و بلا واسطہ ہیں ہر ایک قسم کے شرک سے مبرا اور منزہ ہیں اُنہی کی شان ہے
لم یشرک باللہ طرفۃ عین ابداً۔ پس وہی بعد پیغمبر شہید اُمت ہیں*

(نکتہ) حضرت ابراہیم مسلمین میں سے ہیں۔ اور مسلمان باسلام نبوتی۔ اور پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اول المسلمین پس ان بزرگواروں سے جو ذریت ہوگی وہ کیسی
ہوگی بلاشک وشبہ مصداق آیہ مجیدہ نور علی نور ہوگی "بکا ذریتھا بعضھم
ذکولم تمسہ" مفاد اُن کا نور خود بخود روشن و درخشاں ہے۔ اُنکے فضائل و کمالات
علوم و معارف بلا تحصیل و اکتساب تعلیم اُن سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر چاہتے ہو کہ
اُسکا امتحان کرو۔ تو تھوڑی دیر کیواسطے میدان کربلا کا تصور کرو اور ظہور و بروز نور ذریت
فرزند پیغمبر خدا ذریت ابراہیم کا تماشا دیکھو۔ یہ ہے مسلمان باسلام نبوتی و مطیع و
منقاد مطلق پروردگار عالم کہ جس قدر مصائب و شدائد زیادہ ہوتے جاتے ہیں نورانیت
زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔ اور رنگت چہرۂ اقدس سرخ۔ راہ خدا میں گھر کو لٹارہا
ہے۔ دوست احباب عزیز و اقربا شیر خوار بچے تک تیغ ظلم و ستم سے بھوکے پیاسے
نہایت بیکسی کے عالم میں سامنے ذبح کئے جاتے ہیں۔ مگر نہ چہرے پر حزن و ملال۔
اور نہ لب پر حرف شکایت بکمال طیب خاطر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اسلام کی خاطر
قربان کرتا ہے۔ مگر سوائے "رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ" زبان مبارک سے
کچھ نہیں فرماتا۔ اُسکی راہ میں صابر و شاکر ہے۔ وہ صبر دکھارہا ہے۔ کہ ملائکۂ آسمان

تعجب کرتے ہیں اور امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلٰئِکَۃُ السَّمٰوٰاتِ یعنی اے جد بزرگوار آج آپ نے ایسا صبر دکھایا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان آپکا صبر دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔

موعظۂ چہارم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ" سابقاً بیان کیا گیا ہے۔ کہ نظام و سلسلۂ عالم میں ایک منتظم کا وجود ضروری ہے۔ اور طبیعین و اہل حکمت کا بھی یہ اعتقاد ہے۔ کہ نظام عالم کے لئے ایک بادشاہ باختیار کا وجود ضروری ہے جو نزاعات و مشاجرات کو رفع کرے۔ اگرچہ لوگوں کے دل اُس سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں ۔

جسم و رزقِ جسمانی

جسم انسان روح کے لئے بمنزلۂ مقدمہ ہے اور مقدمہ ذی المقدمہ سے اخس و ادنٰے ہوتا ہے لیکن وجود ترکیب فعلی میں مقدم ہوتا ہے اگرچہ ذی المقدمہ من حیث الایجاد مقدم ہے اور وہی علت غائیہ۔ مثلاً مکان دراصل کسی انسان کی رہائش کیلئے بنایا جاتا ہے۔ اُس کا وجود بالذات مقصود نہیں۔ مگر اُسکے واسطے اینٹ۔ گارا چونا۔ کڑی۔ تختے وغیرہ پہلے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ مکمل ہو کر رہائشِ انسان کے قابل ہو جائے۔ اور مسلّم ہے کہ جزو اخیرِ شے علتِ تامہ ہوتا ہے۔ اور وہ رہائش و سکونتِ مکان ہے۔ اور وہ ہی مقصود بالذات ہے۔ نہ ترتیب و

ترکیب اسباب مکانیہ۔ اسی طرح سے ترکیب وترتیب اجزاء مادیہ انسانیہ نطفہ۔ علقہ۔
ومضغہ۔ وعظام ولحم نسبت بہ نفس انسان مقصود از خلق نہیں ہیں۔ بلکہ مقصود و
علتِ تامہ جزو اخیر ہے۔ جو مقام ثُمَّ اَنشَاْنٰہُ خَلْقًا آخَر ہے اور اس خلقت سے
بھی نیز اصل مقصود تربیت وتکمیل نفس انسانی ہے لیکن اُس کے کمال
پر پہنچنے کے لیے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اور مقدم۔ حفاظت وبقائے جسم کے سارے
اسباب خدا ہی کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں۔ اور وہی انجام دیتا ہے۔ اور یہ اُس کا
تفضل وانعام اور احسان ہے۔ اور اول اسی انعام واحسان کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے فرماتا ہے "فَلْيَنظُرِ الْاِنسَانُ اِلٰى طَعَامِهِ" یعنی چاہیئے کہ انسان اول اپنے کھانے
کی طرف نظر کرے۔ اور اُسکی پیدائش میں بدقتِ تمام غور وفکر کرے۔ تاکہ اپنے خالق
کو پہچانے۔ کہ کس طرح اُس نے اسکو ہمارے لیئے بہم پہنچایا ہے۔ "اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ
صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَ
حَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ"۔ (عبس) یعنی ہمنے اول پانی برسایا۔ اور پھر
زمین کو شق کیا۔ اور اُس سے غلے انگور تناور سایہ دار درخت زیتون کھجوریں۔ اور
گنجان باغ اور میوے چراگاہیں اور سبزہ زار اُگائے۔ اور پیدا کیئے۔ جو تمہارا اور تمہارے
چوپایوں کا رزق ہیں واقعاً یہ تمام پروردگار عالم وعالمیان کے انعامات وتفضلات
ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو ہم ایک دانہ اور ایک تنکا گھاس کا پیدا کرنے پر قادر نہیں
ہو سکتے۔ اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اور منکرینِ مؤثرِ حقیقی یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ
یہ تو خود انسان کرتا ہے کیونکہ اول وہ ہی زمین میں ہل چلاتا ہے پھر بیج بوتا ہے پھر
پانی دیتا ہے۔ لیکن انصاف سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط ہے۔
کیونکہ اگر انسان تمام کام کرے۔ اور خداوند عالم نہ چاہے۔ تو ایک دانہ بھی نہ اُگے۔ گو
انسان زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اور بیج بکھیرتا ہے لیکن اُس دانے کو زمین سے اُگاتا

کون ہے؟ پھر اسکو سرسبز کون کرتا ہے؟ پھر خوشہ کون لگاتا ہے؟ اور پختہ کون کرتا ہے؟ اور ہر قسم کی آفاتِ ارضی وسماوی سے حفاظت کون کرتا ہے؟ کیا انسان انمیں سے کسی چیز پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں یہ سب اُسی کی قدرتِ کاملہ کا اثر ہے۔ اسی واسطے دوسرے مقام پر بتصریح اس زراعت کے متعلق فرماتا ہے:- اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ تم اسکی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ کہ تم جو یہ کھیتی کرتے ہو۔ در اصل تم اسکی زراعت کرتے ہو۔ یا ہم زراعت کرنیوالے ہیں۔ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اگر ہم چاہیں۔ تو اُسکو خشک وریزہ ریزہ کردیں۔ اور ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو۔ پس تم متعجب وحیران کھڑے رہ جاؤ۔ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ تم دیکھتے ہو۔ کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو تم نے اُسکو "مزن" سے نازل کیا ہے یا ہم اُسکے نازل کرنیوالے ہیں۔

(نکتہ) یہاں خداوندعالم نے لفظ سحاب (بادل) نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ (مزن) استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مزن اور سحاب دو چیزیں ہیں پانی کا تجزیہ وتحلیل کرنے سے ثابت ہے۔ کہ پانی دو چیزوں سے مرکب ہے جنکو فلاسفہ جدید اپنی اصطلاح میں آکسیجن وہیڈروجن کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں ہمیشہ مدارجِ معلومۂ حرارت میں بحالت گیس یعنی حالت ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ اور یہ دونوں جزو ایسے ذرات واجزاء خورد پر مشتمل ہیں۔ کہ کسی طریق سے اُن کا تجزیہ وتقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور اور صورتِ ترکیبی میں تو جزوِ آبِ خالص میں ایک حصہ ہیڈروجن اور آٹھ حصے آکسیجن ہوتی ہے۔ $\frac{1}{9}$ و $\frac{8}{9}$ کی نسبت ہے پس ایک جزو مفروض آب یعنی جزو لایتجزیٰ بھی چاہیے۔ کہ اجزاء لایتجزیٰ آکسیجن وہیڈروجن سے مرکب ہوں۔ اور اُن کے اوزان کی یہی نسبت موجودہ آبِ خالص میں بصورت ترکیبی پائی جائے۔ اور علماء محققین دلائل وبراہین سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک (ہر مولیقونِ آب)

یعنی ہر ذرۂ آب میں ایک اتوم آکسیجن اور دو اتوم ہیڈروجن ہے۔ اور اتوم جزو لایتجزّیٰ ہے۔ بہر حال ان اجزاء و ذرات کی صورت مرکبہ بہ ہیئتِ مذکورہ مزن کہلاتی ہے۔ جو ہمیشہ دارائے آب ہے۔ اور کبھی فضا و خلاء اس سے خالی نہیں ہمیشہ اس سے پُر ہے۔ اور صورت مرکبہ اجزائے آب سحاب کہلاتی ہے کبھی تو اس طریق پر اور کبھی طریق دیگر اور صورت اخیرہ دارائے آب نہیں ہے۔ صرف کشش ہوائی ہوتی ہے۔ اور کبھی لسان شرع میں اسکو ظل سے تعبیر کیا جاتا ہے "ومن فوقہ سحابٌ ظلماتٌ بعضُھا فوق بعض" غرض سحاب صورت انجمادی کو جبکہ ایک دوسرے کو کھینچتا ہوا ہوا میں چلتا ہے۔ کہتے ہیں۔ اسلئے مزن ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے بخلاف سحاب کے +

نزول و ہبوط بھی دو چیزیں ہیں۔ بطور قہر و غلبہ پستی کی طرف آنے کو ہبوط کہتے ہیں۔ جیسے کہ خدا فرماتا ہے "وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللّٰہ" یعنی اور بعض پتھر وہ ہیں۔ جو خوف خدا سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور جس وقت انسان کی طرف منسوب ہو۔ تو بطور استخفاف ہوتا ہے۔ جیسے اِھبِطوا مِصرًا شہر میں اُتر جاؤ اور نزول و انزال مطلق انحطاط از علو کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر کہ موردِ استعمال دونوں کا حقیقۃً (ہبوط و نزول) اجسام ہیں یا حقائق کسی دوسرے موقع پر بیان ہوگا۔ نیز انزال و تنزیل کا فرق فلینتظر ۔ ۔

نزولِ آہن

وانزلنا الحدید فیہ باسٌ شدید ومنافع للناس۔ اور ہم نے نازل کیا ہے لوہے کو۔ اُسمیں خوف ہے۔ اور لوگوں کے منافع۔ یہاں خداوند عالم نے لوہے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل کیا گیا ہے حالانکہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ لوہا زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔ نہ کہ اوپر سے اُترتا ہے۔ پھر یہاں تنزول کس طرح صادق آیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ نُزول مواد اصلیہ آہن

داخل ہوا سے ہے۔ اور اُسی مزن سے نازل ہوتا ہے۔ اور قوت برقیہ بھی اسی سے
لیجاتی ہے۔ یہی ہوائے موادِ مزنیہ زمین میں بذریعہ مسامات داخل ہوتی ہے۔ اور
رفتہ رفتہ بقوت قابضہ زمین صورت انجمادی پیدا کرتی جاتی ہے۔ اور جب حرارت
چھٹے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تو لوہا بن جاتا ہے۔ غرض تمام اجسام میں تثاقل
وتدافع (دباؤ) اور تجاذب (کشش) موجود ہے۔ کوئی جسم اس سے خالی نہیں
چونکہ ہوا بھی جسم ہے۔ وہ بھی اسمیں شریک ہے۔ دوسرے اجزائے مادیہ کے دباؤ
اور قوت جاذبہ زمین کے سبب سے زمین میں داخل ہوتی ہے۔ اور زمین میں متحقق اور
اور محبوس ہوجاتی ہے۔ اور چونکہ تمام مکوناتِ ارضیہ مثل معدنیات کے اجزائے مادیہ
ہوا میں موجود ہیں۔ وہ بعض اجزائے ارضیہ سے مختلط ہوتے ہیں۔ اور زمین کی قوت انجذاب
سے اُسمیں انجماد پیدا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ زمین میں بہ نسبت دوسرے اجسام لطیفہ کے
قوتِ انجذاب زیادہ ہے لہذا اس طرح اجزائے مادہ ہوائیہ وارضیہ سے لوہا وغیرہ معدنیات
پیدا ہوتی ہیں۔ اور اکثر مادہ انکا ہوا میں ہوتا ہے۔ اسی واسطے اللہ نے آہن کو نزول
سے نسبت دی ہے۔ کہ ہم نے آہن کو نازل کیا ہے۔ زمین ومغارات وکھوہ کے دیکھنے
سے ایک قاعدہ کلیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ تمام اجسام میں مرکز کی طرف
منجذب ہونیکا میلان پایا جاتا ہے اس لئے کہ جو چیز بھی زمین سے جدا ہوتی ہے وہ
خلاء وفضا میں واقع نہیں ہوتی بلکہ زمین کی طرف منجذب ہوتی ہے اور زمین میں
آجاتی ہے۔ جو اجسام زمین سے دور پھینکے جاتے ہیں۔ وہ بہت جلد اس کی طرف لوٹ
آتے ہیں۔ اسی میل کو ثقل وجذب ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے پس زمین کی خاصیت
یہ ہے۔ کہ تمام اجزائے مادیہ کو جن سے وہ مرکب ہے اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی
ہے۔ اور نیز اُن تمام اجسام کو جو سطح زمین پر ہیں۔ یا اُس سے دور ہیں۔ اور تجربے
سے ثابت ہے۔ کہ یہ قوتِ جذب موافق عکسِ مربعِ مسافت ہوتی ہے اس صورت

میں کرۂ ارض ان تمام جزئیات کا نام ہے۔ جو بقوت جذب مرکزی ایک دوسری سے منضم ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر محقق ہے)۔

یہ بھی معلوم ہے۔ کہ جو پانی آسمان سے زمین پر گرتا ہے۔ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے۔ جو سطح زمین پر بہتا ہے۔ یا چشموں اور چھوٹی ندی نالوں کی صورت میں اطراف زمین سے جاری ہوتا ہے۔ اور چونکہ وہ عمق طبقات ارض میں زیادہ گہرائی تک نہیں پہنچتا ہے۔ اسلئے اُس میں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور وہ آب شیریں ہوتا ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے۔ جو بعض مقامات میں جمع ہو جاتا ہے اور اعماق زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے گرم اور تیز چشموں کی صورت میں اُبلتا ہے۔ جو جواہر معدنیہ سے پُر ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ طبقات ارضی جن پر پانی کا گذر ہوتا ہے۔ مختلفۃ الطبیعہ ہوتے ہیں۔ اور نیز اعماقِ زمین جہاں تک پانی جذب ہو کر پہنچتا ہے مختلف ہوتے ہیں پس اسی واسطے انکی ترکیب مختلف ہوتی ہے۔ اور درجاتِ حرارت بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور وہ اعماق ارض میں بالواعِ مختلفہ متفاوتہ منقسم ہوتا ہے پس کبھی اس سے چشمے۔ نہریں۔ اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ کنوئیں اُبلتے ہیں۔ اور اُن میں سے ہر ایک کا درجہ حرارت اس طبقہ زمین کے درجۂ حرارت کے موافق ہوتا ہے۔ جہاں یہ چشمے پائے جاتے ہیں اور بعض اور بھی چشمے ہوتے ہیں جنکا پانی ان مواد سے بھرا ہوتا ہے۔ جو اس زمین میں نہیں پائے جاتے۔ جہاں وہ چشمے نکلے ہیں۔ اور اُن کا درجۂ حرارت مختلفۃ الارتفاع ہوتا ہے۔ اور وہ ہی ینابیعِ معدنیہ وینابیعِ حارہ ہیں جو مختلف اعماق زمین واغوار ارضی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُن مواد معدنیہ کے اجزائے اصلیہ سب ہولے مزنی سے بذریعہ بارش نازل ہوتے ہیں۔ اور نسبت انزال بطرقِ آہن ودیگر معدنیات بالکل صحیح ہے (والتفصیل فی مقامہ)۔

خلقت آتش

پھر آگ کی پیدائش کی نسبت خداوند عالم نے اپنے انعام واکرام کا ذکر فرمایا ہے۔ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ آگ جو تم روشن کرتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اسکے پیدا کرنیوالے ہیں۔ دو درخت خدا نے ایسے پیدا کئے ہیں جن سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی سبز شاخوں کو لیکر رگڑا جائے تو آگ روشن ہو جاتی ہے بخلاف اور درختوں یا جسموں کے کہ ان سے آگ بالکل نہیں نکلتی۔ البتہ حرارت ہر دو جسموں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے ان درختوں کو عربی میں مرخ وعفار کہتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ بھی درختوں سے پیدا ہوا ہے۔ یہی اشجار حوادث وطوفانات سے زمین میں دب گئے ہیں۔ اور زمین کی حرارت اور اُسکی قوت قابضہ سے یہ صورت موجودہ اختیار کی جیسا کہ اب کانوں سے کھودا جاتا ہے کیفیت اسکی یہ ہے۔ کہ بعض وادیوں اور پست زمینوں میں جہاں پانی ٹھہر رہتا ہے۔ اور جمع ہو جاتا ہے۔ رسوبات (دُرد۔ تہ نشین) نباتات مختلف پیدا ہو جاتی ہیں جنکے تحلل سے ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابل احتراق ہو اور یہ رسوبات حالات مخصوصہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ وہ رسوبات جن سے کوئلہ بنتا ہے۔ تراکم و تزاحم نباتات سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں (والتفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ" یعنی ہم نے ان درختوں کو مُقوین کے لئے موجب عبرت و سرمایۂ دولت بنایا ہے۔ مقوین اُنہیں نکالنے۔ کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانیوالوں کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مشین بنانیوالوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں زیادہ اسی کوئلے پر موقوف ہیں اور یہی صاحبانِ مشین کے لئے دولت ہے۔

رزقِ روحانی

غرض رزق دو قسم پر ہے۔ ایک رزق جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا۔ دوسرا رزقِ روحانی اور وہ دین ہے۔ اور دین نہیں ہے۔ مگر قرآن پس رزق روحانی قرآن ہے چنانچہ حق سبحانہ تعالےٰ بعد ذکر رزقِ جسمانی فرماتا ہے "افبھذا الحدیث انتم مدھنون وتجعلون رزقکم انکم تکذبون" کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقیت کرتے ہو۔ اور اپنے اس رزقِ روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو۔ کہ اُسکی تکذیب کرتے ہو بظاہر اُسکے قائل ہو۔ اور عمل اُس پر کرتے نہیں۔ یہ رزقِ روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیئے؟ ہر کس و ناکس سے یا اُن لوگوں سے جنکے پاس یہ خزانہ ہے؟ طعام یعنی رزق جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے کہ اہلِ کتاب سے لینا چاہیئے۔ نہ کہ مشرکین سے۔ اور وہ بھی ضرورت میں ورنہ تو مومن مسلمان سے لینے کا حکم ہے کیونکہ مشرکین وغیرہ سے لینے اور خرید وفروخت کرنے میں اُنکی ایک قسم کی اعانت وامداد ہوتی ہے۔ اور خدا فرماتا ہے۔ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ اور گناہ وظلم وجور میں کسی کی اعانت و امداد نہ کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مشرکین سے خریدنے میں اعانت اثم ہے پس جبکہ رزق جسمانی کی نسبت یہ حکم واحتیاط ہے۔ تو رزق روحانی کس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ ہر کس وناکس سے لیا جائے۔ کیا اُن مورخین سے لیا جائے جنمیں سے اکثر یہودی ومنافقین ہیں؟

قرآن وکتاب کا فرق

قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں جسکی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے۔ قرآن قرأت سے ماخوذ ہے۔ اور مقرؤ ہے یعنی وہ الفاظ جو زبان حق ترجمان خاتم پیغمبران سے نکلے۔ اور کتاب شے وجودی ہے۔ ہر ایک شے ایک کلمۂ وجودیہ ہے۔ اور کوئی چیز کتاب سے خالی نہیں لیکن جس جسم کا تاکد زیادہ ہے۔ اُسمیں کتابت زیادہ ہے پس

صحیفۂ وجودیہ حضرت ختمی مرتبتؐ جو سب سے اتم واکمل ہے کتابت بھی اُسکی سب سے
اتم واکمل ہے۔ اور وہی کتاب جامع اور حاوی جمیع کتب اور دراصل کتاب وہی ہے
ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ پس کتاب سے مراد کتابِ وجودی یعنی صحیفۂ وجودیہ حضرت ختمی
مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا رزق روحانی اس سے لینا چاہیے۔ "اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ
کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ" یعنی یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے۔ اور وہ صحیفۂ وجودیہ
حضرت رسالتمآب ہے "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ" سوائے مطہرین کے اور کوئی اس
صحیفۂ وجودیہ کو مس نہیں کرسکتا۔ اور بعد پیغمبر اُس شخص سے رزق روحانی حاصل
کرنا چاہیے۔ جو مثل پیغمبر ہو۔ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" مفسرین کہتے ہیں کہ اہل الذکر
یہودی ہیں۔ اُن سے علم قرآن حاصل کرنا چاہیے (نعوذ باللہ من ذالک) اعتقاد یہی وجہ
ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں پر تقسیم ہوگئے ہیں۔ کہ قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا۔
حالانکہ آیۂ مجیدہ بل ھو اٰیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم (بلکہ وہ قرآن آیات
بیّنات ہیں سینوں میں اُن لوگوں کے جنکو علم فطرۃً عطا کیا گیا ہے) دال ہے کہ
اُمتِ محمدیہ میں غیر پیغمبر کچھ لوگ ہیں۔ جنکے وجود میں قرآن ہے +

معنی مسِ قرآن و امامِ مبین

"لا یمسہ الا المطھرون" میں یمسہٗ
کی ضمیر یا تو قرآن کی طرف راجع ہے۔ یا
کتاب کی طرف۔ لیکن بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ قرآن صورتِ مقروّہ ہے۔ اور وہ قابل
مس (چھونا) نہیں۔ اور اگر کتابتِ قرآن مراد لیجائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ
قرآن اُسوقت مکتوب نہ تھا۔ جو قابلِ مس ہوتا۔ پس کتاب سے مراد صحیفۂ وجودیہ
حضرت ختمی مرتبتؐ ہے۔ اور وہی کتاب لاریب فیہ ہے جسمیں قرآن ودیعت
کیا گیا ہے۔ اور مس سے مراد مسِ باطنی ہے نہ مسِ ظاہری۔ اور مقصود اس سے قرآن کا
لینا اور اُسکا حاصل کرنا ہے۔ پس وجود اقدسِ نبوی سے اسکو نہیں لے سکتے۔ اور نہیں

حاصل کر سکتے۔ مگر وہ لوگ جو مطہر ہیں یعنی مطہر بطہارت باطنیہ یعنی معصوم ہیں اور آیہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا سے ثابت ہے کہ مطہر بتطہیر آلہی غیر اہل بیت نبوت و رسالت اور کوئی نہیں ٭

پس وجود اقدس نبوی سے کوئی شخص سوائے امام معصوم مس باطنی نہیں کر سکتا انہیں کو اتصال باطنی بلکہ اتحاد باطنی پیغمبر سے حاصل ہے کہ اصل ان کی ایک ہی ہے۔ پس قرآن انہیں کے وجود میں ہے۔ اسی واسطے توصیف امام مبین میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ "وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" ہر ایک چیز کو ہم نے وجود امام مبین میں احصاء کر دیا ہے ٭

(نکتہ) یہاں خدا نے احصاء فرمایا ہے نہ عد و تعداد کیونکہ احصا اور عد میں فرق ہے۔ اور احصاء احاطہ بر اعداد ہے واحصیٰ کل شیء عددا یعنی مقصود یہ ہے کہ وجود امام ظرف ہے۔ ہر ایک شے کا اور کل اشیاء مظروف۔ اسی واسطے فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے نہ کہ لِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ اسی کو احصاء کا مفہوم مقتضی ہے۔ کیونکہ احصاء سے ہر ایک شے موجود رہتی ہے اسلئے کہ لغت میں احصا ہر شے کے مقابل ایک کنکر یا سنگریزہ رکھتے جانیکو کہتے ہیں۔ بخلاف عدد کے کہ شمار کرتے چلے جاؤ۔ دوسرا آیا تو پہلا چلا گیا۔ پس وجود امام مبین خزینہ موجودات و مادۂ کائنات ہے۔ مفسرین امام مبین سے، لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ غلط محض ہے۔ کیونکہ لفظ امام لوح محفوظ کے لئے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ اگر کہیں ہوتا۔ تو اس کا ذکر ہوتا۔ فان القرآن یفسر بعضہ بعضاً قرآن میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کئی کئی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں اگر لوح محفوظ کو امام کہا جاتا۔ تو وہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔ کیونکہ "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" اس کا دعوے ہے اور صحیح ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں امام مبین حضرت شعیب و حضرت صالح دو پیغمبروں کو فرمایا ہے۔ نہ کہ

لوح محفوظ کو انھما لبامام مبین۔ تحقیق کہ وہ دونوں امام مبین ہیں۔

مس کتابتِ قرآن

آیہ لایمسّہ الا المطھّرون سے ثابت کرتے ہیں کہ کتابتِ قرآن کو بلا طہارت یعنی وضو و غسل مس کرنا جائز نہیں ہے لیکن ظاہر آیت اس پر دال نہیں۔ کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب سے مراد وجود حضرت نبوی ہے۔ اور مس سے مراد باطنی مس البتہ مستنبط ہو سکتا ہے اس طرح پر کہ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں۔ وجود لفظی جیسے لفظ زید جبکہ زبان سے ادا کریں۔ دوم مکتوبی یعنی صورت مکتوبی زید سوم وجود ذہنی یعنی زید کا وہ تصور جو کسی متصوّر کے ذہن میں جم تا ہے۔ اور وہ مطابق ہوتا ہے وجودِ خارجی کے۔ چہارم وجودِ حقیقی جو در اصل زید ہے یعنی ایک شخص خاص جو اس نام سے موسوم ہے۔ اور وجودِ لفظی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے اور اسکو مفید ہوتا ہے کیونکہ اس کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق ہے مثلاً جب کہیں کہ زید کو بلا لاؤ تو اس شخص خاص کو بلا لائینگے۔ نہ اس آواز کو۔ اس طرح جب حکم لکھتے ہیں۔ کہ زید پر یہ دعوے ڈگری کیا گیا۔ تو اس شخص سے ڈگری وصول کی جاتی ہے۔ نہ کہ ان حرفوں یعنی (ز۔ ی۔ د) سے وعلےٰ ہذا القیاس۔ غرض حکم وجود لفظی و کتبی پر وجود حقیقی خارجی جاری ہوتا ہے۔ پس اسی طرح سے قرآن شریف کے بھی چار وجود ہیں ملفوظی۔ مکتوبی۔ ذہنی اور حقیقی۔ اور اصل قرآن وہ ہے۔ جو قلبِ نبی پر نازل ہوا ہے۔ اور وہی وجود حقیقی ہے۔ نہ وجود ملفوظی و مکتوبی و ذہنی۔ ہاں باقیوں کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق اتحادی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس حقیقتِ قرآن کو سوائے مطہروں کے اور کوئی مس نہیں کر سکتا یعنی مس باطنی۔

پس چونکہ اس وجود مکتوبی دو قابل مس ہے، کو بھی اس وجود حقیقی سے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ لہٰذا بلا طہارت ظاہری مس کرنا جائز نہیں ہوگا۔

بہر حال یہ حقیقت قرآن وجود نبی میں ہے۔ اور اس سے امام کو اتحاد نفسی ہے پس وہ بھی وجود امام کے ساتھ متحد ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ یعنی وجود امام و کتاب اللہ ایک دوسرے سے تا روز جزا جدا نہ ہونگے۔ اور تعریف کتاب میں فرمایا ہے۔ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ یعنی ایک حبل ممدود ہے زمین سے آسمان تک۔ اسی سے ظاہر ہے۔ کہ اس کتاب سے قرآن کا وجود مکتوبی بین الدفتین مراد نہیں ہے۔ اور مقصود پیغمبر یہ ہے کہ میں اس کتاب اللہ کو اپنے ہمراہ نہیں لیجاتا۔ اسکو یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔

پس وہ کتاب وجود امام میں موجود ہے۔ اور وجود امام برائے قیامت ضروری ہے تاکہ ماموین کو جزا دی جاوے۔ "یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ"

سوال جواب طلب از اہل علم

وجود پیغمبر افضل ہے وجود قرآن سے لیکن حروف و نقوش قرآن کو بلا وضو مس کرنا ناجائز ہے۔ مگر پیغمبر نے کبھی حکم نہیں دیا۔ کہ مجھ کو بلا وضو مس نہ کرو۔ اور جس وقت مجھ سے مصافحہ کرو۔ تو پہلے وضو کر لیا کرو۔ بلکہ اعراب بے وضو و بے غسل آتے تھے۔ اور حضرت سے مصافحہ کرتے تھے پس کس واسطے حضرت نے حروف قرآنی کو بلا وضو مس کرنے کو حرام قرار دیا۔ اور اپنے جسم اقدس کے لیئے ایسا نہ فرمایا؟

آیۃ اللہ و حجۃ اللہ

اثناء وعظ میں ایک صاحب نے سرکار علامہ دام ظلہ کو آیۃ اللہ کہدیا۔ اس پر سرکار علامہ نے فرمایا۔ ایسے الفاظ بلا تکلف استعمال کرنے درست نہیں۔ لفظ آیۃ اللہ مخصوص ہے پیغمبر و امام و اولیاء اللہ کے لیے کہ خدا فرماتا ہے "اِنَّا جَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" ہم نے اسکو (مریمؑ) اور اُس کے بیٹے (عیسٰیؑ) کو تمام عوالم کے لیئے ایک آیت قرار دیا ہے۔ پس جو حضرات لفظ آیت اللہ کو کسی عالم یا مولوی وغیرہ کیواسطے استعمال

کرتے ہیں اگر آیتِ خاص مراد لیتے ہیں۔ جو وجود پیغمبر یا امام ہے۔ تو اُس معنے میں دوسرے کے لئے استعمال کفر ہے اور اگر مطلق آیت مراد ہے۔ تو پھر اس کا استعمال کسی عالم یا مجتہد کے لئے نہ تو باعثِ فخر ہے۔ اور نہ اُس کی تعظیم و تکریم پر دال۔ اسواسطے کہ اس معنے میں تو ہر ایک شے ہر ایک وجود آیت خدا ہے حتےٰ کہ وجود سگ بھی ایک آیتِ خدا ہے۔ وہ بھی اپنے خالق و صانع پر دلالت کرتا ہے کہ اُسکا پیدا کرنیوالا بھی کوئی ہے۔ وہی اُسکو زندہ رکھتا ہے اور پرورش کرتا ہے بلکہ ذرہ ذرہ خدا کے وجود اور اُسکی توحید اُسکی قدرت و حکمت کی آیت و نشانی ہے اسی طرح سے لفظ حُجۃُ اللہ بھی ہر کس و ناکس کے لئے استعمال کرنا درست نہیں البتہ عالم حقیقی و واقعی کے لئے متاخرین نے اُسکو جائز جانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اسحٰق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ سے دریافت کیا کہ ہم زمانہ غیبت میں کیا کریں۔ تحریر فرمایا کہ ہمارے راویان اخبار سے دریافت کرو جو ہمارے احکام کے عارف ہوں اور حلال و حرام پر نظر رکھتے ہوں کیونکہ وہ ہماری طرف سے حجۃ ہیں لوگوں پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لفظ حجت ایسے علماء کیواسطے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو حرام و حلال سے پورے طور پر واقف ہوں۔ اور اخبار اہل بیت کے راوی۔ نہ کہ ظن و قیاس و رائے پر عمل کرنیوالے اور وہ بھی باضافت یعنی حجت الاسلام وغیرہ نہ حجتِ مطلق یا حجت اللہ کہ یہ خاص ہے امام علیہ السّلام کے لئے۔ بعض متاخرین نے لفظ آیت اللہ کو بھی ایسے اشخاص کامل الایمان کامل العلم کیواسطے جائز جانا ہے۔ مگر آیت اللہ فی العالمین بجز پیغمبر یا امام کے اور کسی کے واسطے کسی وقت اور کسی کے نزدیک جائز نہیں تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا سے ثابت ہے کہ حجت اللہ فی العٰلمین و آیۃ اللہ فی العالمین امام و پیغمبر ہی ہے۔ غرض ایسے الفاظ کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام

لینا چاہئے + (مؤلف)

صفات مشترکہ نبی و امام

آیۂ مجیدہ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا (اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے) میں اُمتِ وسط سے مراد امام ہے نہ کہ تمام اُمت۔ دوسری آیت اس پر بالصراحت دال ہے۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا وَّتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" اس آیت میں بارہ دلیلیں وجود امام پر موجود ہیں۔ اس آیت میں خطاب ذریت حضرت ابراہیم کی اُس اُمتِ مسلمہ سے ہے جسکی حضرتؑ نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ الخ۔ اور سابق میں ثابت کیا گیا۔ کہ وہ اُمتِ مسلمہ پیغمبر و نفس پیغمبر یعنی علیؑ ہے۔ جو مسلمان باسلام نبوتی تھے۔ بالفطرۃ اور ایک آن واحد کیواسطے شرک نہیں کیا۔ اسی واسطے حضرت علیؑ کو مسلمان کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ۔ کہتے ہیں کہ کبھی حضرت کسی بت کے سامنے نہیں جھکے۔ اور اسی واسطے اس آیت میں لفظ امنوا آیا ہے اسلموا نہیں کیونکہ مسلم پہلے ہی تھے۔ انہیں کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان و اُمتِ مسلمہ کہا ہے اور یہی شہید علے الناس ہیں۔ شہداء علے الناس عام لوگ اور تمام اُمت محمدی کبھی نہیں ہو سکتی۔ (بعض مفسرین لاہور نے لکھا ہے۔ کہ اُمتِ مسلمہ سے مراد کفار اولادِ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ جو حضرت رسولؐ کے ہاتھ پر ایمان لائے) پس ہر زمانے میں ایک ایسے شہید کا وجود ضروری ہے کہ وہ امام ہے لازم ہے۔ کہ تاقیامِ قیامت امام موجود رہے۔ اور آیۂ ذیل اسکی شاہد ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے

اس امامت کو اپنی ذریت میں ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے جسکی بابت خدا خبر دیتا ہے وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یعنی اسکو اپنے کلمۂ باقیہ قرار دیا) آیت مذکورہ کے بارہ براہین میں سے یہاں صرف ایک برہان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔" وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھواجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ یعنے جہاد کرو راہ خدا میں حق جہاد کہ خدا نے تمہیں اسی کام کیواسطے انتخاب کیا ہے اور چن لیا ہے اور یہ حق جہاد کا راہ خدا میں کام حضرت ابراہیم کا تھا۔ کہ اول اول یہ جہاد انہی نے کیا۔ کہ بتوں کو توڑا۔ اور اس اُمت میں سے اول علی ابن ابی طالب نے اسکو ظاہر کیا۔ کہ بتوں کو توڑا۔ اور خانۂ خدا سے باہر کیا حضرت ابراہیم کو حکم تھا۔ کہ تم خانۂ خدا کو پاک کرو۔ وطھر بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود میرے گھر کو طواف کرنیوالوں عبادت گزاروں اور راکعین ساجدین کے لئے پاک کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا۔ وقت نزول آیہ بعد از بعثت و قبل از ہجرت جبکہ حضرت ختمی مرتبت شعب ابی طالب میں محصور تھے حضرت علی مرتضٰے کو لیکر کعبہ میں آئے اور بتوں کو توڑا دبعد فتح مکہ دوبارہ توڑے گئے حضرت فرماتے ہیں کہ اُسکے بعد ہم دو روز تک پوشیدہ رہے۔ ابوجہل نے جب بتوں کو دیکھا تو کہا یہ کام سوائے سرخ آنکھوں والے (حضرت علی) کے اور کسی کا نہیں ہے یہ ملت ابراہیمی ہے جسکی اُمت مسلمہ متبع رہی۔ افسوس ہے کہ لوگ ملت کے معنے بھی نہیں جانتے۔ اور سنت و ملت میں فرق نہیں کر سکتے "ملت" کیش ہے۔ اور سنت چند مرتبہ عمل کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ اوران دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے غرض حق جہاد فی سبیل اللہ پیغمبر یا امام ہی ادا کر سکتا ہے اور یہ اُسی کا خاص فرض ہے پس آیہ مجیدہ میں جاھدوا فی اللہ کے مصداق ائمہ ہی ہیں۔ جو اُمت مسلمہ

ذریت ابراہیم ہیں۔

فرق شاہد وشہید بعبارت دیگر

شہد دو معنے میں استعمال ہوتا ہے اوّل بمعنے حضور۔ دوم بمعنے علم۔ اور اسی سے شاہد ہے اور جب بمعنے حضور ہوتا ہے۔ وہ مفعول بہ کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ کقولہ تعالےٰ "اشھدوا خلقھم" "لیشھدوا منافع لھم" "والذین لا یشھدون الزور" "وما اشھدتھم خلق السموٰت والارض ولا خلق انفسھم" اور نہیں حاضر کیا میں نے اُنکو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت اور نہ خود اُن کے نفسوں کی خلقت کے وقت اور اسی سے شہید ہے۔ "فالشاھد للشئ من حضر عندہ صورۃ ذٰلک الشئ۔ والشہید ھو القوۃ التی بھا یقع الشھود والحضور سواء کانت مفارقۃ او جسمانیۃ" یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شے کی صورت موجود ہو۔ اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا مادی پس بعد معلوم ہونے معنے شہید جاننا چاہیے کہ شہید کبھی تو ذات شے میں داخل اور اُسکا مفہوم ہوتا ہے یعنی وجود میں ذات سے مبائن نہیں ہوتا کقولہ تعالےٰ "وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید" کیونکہ سائق سے مراد قوت عملیہ محرکہ ہے اور شہید سے مراد قوت مدرکہ علمیہ ہے اور ہر ایک نفس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہیں لیکن بلحاظ نقص و کمال۔ شرافت و خست علو و دنائت مراتب مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی شہید مبائن از ذات شے ہوتا ہے۔ مثل انبیا علیہم السلام بلحاظ اپنی اُمتوں کے اور ائمہ بالقیاس اپنے اتباع و اشیاع کے کیونکہ وہ بمنزلہ قوت ادراکیہ ہیں "اذ لا علم ولا شھادۃ للتابع بما ھو تابع الا علم الامام وشھادتہ" یعنی تابع کے لئے بحیثیت تابع ہونیکے نہ علم ہے نہ شہادت الا علم وشہادت امام پس ہر ایک نبی و امام اپنی قوم پر شہید ہے۔ اور آنحضرت صلعم چونکہ امام الائمہ و مرکز دائرۂ نبوت ہیں تمام انبیاء و ائمہ پر شہید ہیں۔

اس لئے سب آپکے مقتدی اور آپکے قدم بقدم چلنے والے اور اپنے مقامات و مدارج میں آنحضرت کے تابع۔ اور وہ سب کے سب روز قیامت آپکے لوائے حمد کے نیچے ہونگے۔ اور اسی پر یہ آیت شاہد ہے "کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھولاء شہیدا کیونکر ہوگا اُس دن جبکہ ہم ہر ایک اُمت کے شہید کو لائینگے۔ اور تجھ کو تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔" فافہم

غرض شاہد کیلئے حضور ضروری نہیں ہے۔ برخلاف شہید کے۔ کہ وہ حاضر و حضور رکھتا ہے۔ اور حضور و غیاب جسمانی۔ خواب و بیداری۔ قرب و بُعد اُسکے لئے مساوی ہے۔ وہ ہر وقت ہر شے پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور یہ مخصوص ہے خدا و نبی و امام کیلئے۔ چنانچہ حدیث بخاری اسکی خبر دیتی ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ تنام عینی ولا ینام قلبی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا منقول ہے کہ حضرت خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو ہی نمازیں پڑھ لیتے تھے۔ تو ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا۔ آپنے یہ جواب دیا۔ کہ ہماری آنکھ سوتی ہے مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے "نحن معاشر الانبیاء تنام العین ولا ینام القلب ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتے ہیں یعنی ہماری طرح سے وہ سونے میں بے خبر و غافل نہیں ہوتے۔ اگر اسی طرح غافل ہو جائیں تو شہید علے الناس کس طرح رہینگے پس خواہ اسجگہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اُسکو دیکھتے ہیں پہاڑ درخت وغیرہ اُنکی نظروں سے حاجب و مانع نہیں ہوتے اور شاہد کیواسطے حضور اور شہود ضروری ہے۔ اسی واسطے برادرانِ یوسف نے وقت شہادتِ سرقہ "ما شہدنا الا بما علمنا" کہا کہ ہم نے وہی شہادت دی ہے جسکا ہمیں علم ہے "ما رأینا" نہیں کہا کہ ہم نے وہی بیان کیا ہے جو دیکھا ہے کیونکہ وہ شہید تھے اور احاطہ نہ رکھتے تھے۔۰

بہر حال ہر زمانے میں وجود امام ضروری ہے جو شہید علے الناس ہوتا ہے۔ اور وہ ذریت ابراہیمیہ و اولاد پیغمبر سے ہوگا۔ اگر اور کوئی شخص اس خاندان کے سوا دعوے امامت کرے تو جھوٹا ہے۔

ایک عالم بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایام محرم میں شہید شہید نہیں ہے کیونکہ ان ایام میں تمام توجہ شہید زمان عجل اللہ ظہورہ کرب و بلا کی طرف منعطف ہے۔ کیونکہ جب ہم لوگ ان واقعات ہائلہ کو یہاں پر سن کر مضطرب و بے قرار ہو جاتے ہیں۔ تو امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ان واقعات کو عیاناً دیکھتے ہیں اُن کے لئے کوئی حاجب و مانع نہیں تمام منظر ان کے پیش نظر ہے۔ اُنکی کیا حالت ہوگی۔ بلاشبہ آج کل اُس کی تمام توجہ اپنے جد بزرگوار کی طرف متوجہ ہے کہ خود حضرتؑ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں "اہ اہ یا جداہ ولئن اخرتنی الدھور وعاقنی عن نصرک المقدور ولم اکن لمن حاربک محاربا ولمن نصب لک العداوۃ مناصبا فلاندبنک صباحا ومساء ولابکین لک بدل الدموع دما الخ"
اے جد بزرگوار اگرچہ زمانوں نے مجھے تاخیر میں ڈالا۔ اور امر مقدر آپ کی نصرت سے اس وقت مجھے عائق و مانع ہوا۔ اور میں آپ کے دشمنوں سے جدال و قتال نہ کر سکا۔ اور آپ کے قاتلوں اور مخالفوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔ (لیکن) اے جد بزرگوار اب میں صبح و شام آپ پر باواز بلند گریہ و بکا کرتا ہوں۔ اور اب میں آپ کے لئے اشکوں کی عوض خون روتا ہوں" وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۵

موعظۂ پنجم

۷-محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"یوم ندعوا کل اناس بامامھم"

تفاوت انواعِ موجودات اور اُس کی علت

بسم اللہِ الرحمن الرحیم ۝ والعصر ۝ ان الانسان لفی خسر ۝ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر ۝

محسوس ومشاہد ہے۔ کہ انواع موجودات مختلف درجات رکھتی ہیں خواہ جماد ہو۔ نبات وحیوان۔ نباتات میں بیشمار مختلف درجے ہیں بعض ایسی ہیں۔ جو ایک دو روز ہی میں خشک ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ایک یا دو ماہ بعد بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں۔ اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں۔ یہانتک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو ہزاروں برس قائم و باقی رہتے ہیں بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونیکے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونیکے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں پس اگر ان چیزوں کو دیکھ کر بظاہر حکم کیا جائے۔ تو غلط ہوگا عقل ظاہر بیں انمیں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی۔ کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے۔ کہ ذرا ملنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اور خراب ہو جاتی ہے۔ اُس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس بیس سیر کا لگتا ہے۔ اور ایسا سخت ومضبوط ہوتا ہے کہ بعض اوقات چاقو سے بھی نہیں کٹتا۔ اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے۔ جو اس سے واقف نہیں ہے اور کہا جائے

کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے تو وہ اُسکے ظاہر پر نظر کرکے یہی کہیگا۔ کہ بالکل غلط ہے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور اُسکو کبھی یقین نہ آئیگا۔ کہ یہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ ظاہر پر نظر کرکے حکم کررہا ہے لیکن جو شخص اُسکی حقیقت سے واقف ہے اُسکو ذرا بھی شبہ نہ ہوگا۔ غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے۔ موجودات عالم کی قوتوں اور اُنکی بقا و نشو و نما کا یہ فرق ظاہری جسامت و مادیّت پر موقوف نہیں ہے بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے۔ جسمیں وہ قوت زیادہ ہے۔ زیادہ دیر باقی رہتا ہے۔ اور سردی و گرمی و ہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے۔ اور جسمیں قوت کم ہے وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی و سماوی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ بہرحال نقص و کمال باطنی قوت کا نتیجہ و اثر ہے نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ کا +

(حکایت) دو طالب علم عراقِ عرب سے تحصیلِ علوم کرکے اپنے وطن بخارا کو واپس جارہے تھے۔ ایک اُنمیں کمسن۔ لاغر اور قصیر القامت تھا۔ اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا کبیر السن۔ طویل القامت۔ اور جسیم تھا۔ اور جبہ۔ عبا قبا عمامہ کفش وغیرہ سے آراستہ۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ بڑے نے کہا تم اتنے دنوں عراق رہے مگر کچھ نہ کیا۔ وطن پہنچو گے۔ تو تمہاری کچھ بھی عزت نہ ہوگی لوگ جب میری عبا قبا۔ جبہ و دستار اور ڈاڑھی اور اس جسم کو دیکھیں گے میری عزت و توقیر و تعظیم کرینگے۔ اور بڑا عالم سمجھینگے۔ اور تمہیں کوئی پوچھیگا بھی نہیں + چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی۔ کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا۔ اُس کے نیچے سے ایک بیل اُگی۔ اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہوگئی۔ اور درخت سے کہنے لگی۔ کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑھ گئی اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے مگر کچھ ترقی نہیں کی۔ درخت نے جواب دیا

جب ہوا چلیگی اور برف پڑیگی تب تو معلوم ہو جائیگی۔ سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائیگا اُس وقت آپکی قلعی کھل جائیگی۔ بزرگی بعقل است نہ بسال نہ بہ لباس ❊

بہر حال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں اور ہر ایک اعتبار سے ایکدوسرے سے بہت مختلف و متفاوت ہوتے ہیں بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں۔ مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ خواہ اُن پر کتنے ہی مصائب نازل ہوں۔ مضطرب نہیں ہوتے۔ و علےٰ ہذا القیاس ❊

تحمل انبیاء علیہم السلام

انبیاء اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں۔ مگر مصائب و شدائد میں سب سے زیادہ متحمل

دیکھئے حضرت ابراہیمؑ سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں۔ جو خدائی کا دعوےٰ کرتا ہے۔ بتوں کو توڑتے ہیں۔ ذرا خائف و ہراساں نہیں ہوتے۔ نہ بھاگتے ہیں نہ چھپتے ہیں۔ بلکہ بکمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں۔ فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ یعنی اگر بُت کلام کر سکتے ہیں۔ تو انہیں سے پوچھ لو۔ کہ اُنکو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیمؑ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کا استدلال و احتجاج ہے۔ اِسکاتِ خصم کے لئے چنانچہ وہ ایسے لاجواب ساکت ہوئے کہ اسکا کوئی جواب نہیں دے سکے اور سخت شرمندہ ہوئے۔ (و التفصیل فی مقامہ) ❊

نیز بکمال قوتِ قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اوّل دلیل جدلی سے اُسکو ملزم کیا اور پھر برہانِ واقعی سے فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۔ وہ کافر حیران و لاجواب رہ گیا آسی واسطے

خدا فرماتا ہے لا یخاف لدی المرسلون انبیاء میرے پاس کچھ خوف نہیں کرتے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

رفع اشتباہ بعض آیات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض انبیاء سے خوف ظاہر ہوا ہے جیسا کہ حضرت موسےٰ فرماتے ہیں ففررت منکم لما خفتکم یعنی میں نے تم سے ڈر کر تم سے فرار کیا۔ لہذا اس آیت اور پہلی آیت میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت موسےٰ جیسے نبی فرعونیوں سے ڈرے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ خوف آیات آلہی سے تھا۔ نہ کہ فرعونیوں سے دوم یہ کہ قبل بعثت تھا یعنی جبکہ آپ کو اظہار نبوت اور مقابلہ کی اجازت نہ ملی تھی۔ اور یہی وجہ حضرت ختمی مرتبتؐ اور جناب ولایتؑ مآب کے بت توڑنے کے بعد شعب ابی طالب میں پوشیدہ رہنے کی ہے نہ کہ ابوجہل یا دیگر مشرکین مکہ کے خوف سے چھپے تھے۔ چنانچہ منقول ہے۔ کہ جب ابوجہل نے بتوں کو ٹوٹے ہوئے دیکھا۔ تو حضرت ابو طالب سے کہا۔ کہ یہ کام سوائے تمہارے بیٹے سرخ چشم علیؑ کے اور کسی کا نہیں۔ تو اُس وقت حضرت نے اقرار کیا ہے کہ ہاں میں نے توڑے ہیں۔ اور میں اس پر مامور تھا۔ اور یہاں تو خوف کا ذکر بھی نہیں ہے حضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ہم مشرکین سے ڈرے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم دو دن پوشیدہ رہے۔ "واختفینا لیلتین"

قاعدہ کلیہ پیغمبر و امام ہر وقت تابع حکم الہی ہے۔ بلا اُسکے حکم کے کچھ

نوٹ ۔حضرت عقیل بن ابی طالب نہایت تندمزاج تھے۔ ایک مرتبہ اُنکی آنکھیں دکھنے لگئیں۔ اُنکی والدہ دوا ڈالنی چاہتیں۔ تو نہ ڈلواتے ہر چند کوشش کرتیں۔ مگر نہ مانتے اور کہتے کہ اول علیؑ کی آنکھ میں ڈالو تو میں ڈلواؤنگا۔ مبادا میری آنکھ پھوڑ دو مجبوراً آپ اول حضرت علیؑ کی آنکھ میں بلا ضرورت دوا ڈالتیں۔ اس وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور احمر العین کہلانے لگے تھے۔

نہیں کرسکتا پس بعض وقت اُسکو جدال وقتال کا حکم ہوتا ہے۔ اور بعض وقت اس پر ماموٗر نہیں ہوتا جس وقت مقابلہ وقتال پر ماموٗر ہوتا ہے اُس وقت اگر سارا عالم اُسکے مقابلہ پر آجائے کبھی خوف نہ کریگا۔ ہرگز نہ بھاگیگا۔ اگر بھاگے تو نبی و امام نہیں جس وقت مقابلہ وقتال پر ماموٗر نہیں اُس وقت اُسکے۔ لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے۔ یا تو اپنے کو چھپائے۔ یا کوئی معجزہ ظاہر کرکے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے۔ جیسا کہ بعض اوقات حضرت ختمی مرتبتؐ سے ظاہر ہوا۔ کہ دشمن قتل کے ارادے سے آیا ہے اور ہاتھ اُٹھایا۔ تو ہاتھ خشک ہوگیا۔ مگر ہر وقت پیغمبر و امام آیات و معجزات ظاہر کرنے پر بھی ماموٗر نہیں۔ اگر آیۂ استیصال ظاہر کرے کہ سب کے سب فنا ہوجائیں۔ تو تبلیغ کس کو کریگا۔ اور حجتِ خدا کس طرح تمام ہوگی۔ ہدایت معطل رہجائیگی۔ ایسے وقت میں آیۂ استیصال ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی حفاظت کرتا ہے اور اگر وہ طلب بھی کریں۔ تو فرماتا ہے۔ "قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آلِ عمران ۴) یعنی مجھ سے پہلے اور رسول معجزات کو لے کر آئے۔ اور وہی معجزہ دکھایا۔ جو تم مانگتے تھے۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تم نے اُنکو کیوں قتل کردیا۔ اور ایمان کیوں نہ لائے؟ پس حضرت موسےٰ کو اپنی حفاظت کا خیال ماموٗر نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور یہی معنے خوف انبیاء کے ہیں +

فضائل و مقاماتِ صبر

شدائد و ابتلاآت میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کیا۔ اور بھاگے نہیں۔

بلکہ اُس کے دفع کے لئے دعا بھی نہیں کی۔ مگر بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ اُنہوں نے رفع شدائد کیواسطے دعا کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی مساوی درجہ نہیں رکھتے۔ مقامات متفاوتہ رکھتے ہیں۔ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"

انبیاء میں بھی خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت ایوبؑ نے بسانِ مفہومی میں زبان حال سے اسکی خواہش کی اور فرمایا "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" اور لفظ ضُر ضاد کے پیش کے ساتھ بمعنے تکلیف باطنی ہے نہ ضرر بمعنے نقصان مال وغیرہ اور جو قصہ کرم وغیرہ حضرت ایوبؑ کی نسبت مشہور ہے۔ وہ غلط ہے بلکہ آپ کا یہ فرمانا تکالیفِ باطنی کی وجہ سے تھا۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ شیطان لعین نے آپکی زوجہ کے پاس آکر یہ کہا تھا کہ اگر ایوبؑ مجھے ایک دفعہ تعظیم دیتا۔ تو اُس کی ساری تکالیف رفع ہو جاتیں۔ چونکہ ناموس کا معاملہ تھا حضرت ایوبؑ کو شیطان کا اپنی زوجہ کے پاس آنا اور نبیؑ کو اپنی طرف دعوت کرنا نہایت گراں گزرا۔ اُس پر عرض کیا "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا ہے۔ اور انبیاء اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حکم ہوا۔ کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو "اصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم (احقاف)" یعنی اے پیغمبر مثل انبیائے اولوالعزم صبر کرو۔ اور اُن کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور فرمایا "ولا تکن کصاحب الحوت" اور مثل یونس بن متی نہ ہو۔ کہ اُنہوں نے طلب عذاب میں جلدی کی۔ اور انبیاء اولوالعزم کا سا صبر نہ کیا۔ غرض صابر تو تمام انبیاء ہوتے ہیں لیکن حسب تفاوت نبوت درجاتِ مختلفہ رکھتے ہیں۔ مگر اس صفت سے متصف سب ہوتے ہیں چنانچہ سورہ انبیاء میں بعد ذکر انبیاء سب کے حق میں فرماتا ہے "واسمٰعیل وادریس وذالکفل کل من الصابرین وادخلناھم فی رحمتنا انھم من الصالحین" ایسے ہی مدح حضرت اسمٰعیل میں دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ کہ وہ صابر تھے۔ کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں فرمایا "ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" اور آیہ مجیدہ "وجعلناھم

ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو امام اسی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ صابر ثابت ہوئے اور سورۂ والعصر میں فرماتا ہے۔ کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایک دوسرے کو وصیت بالصبر کرتے ہیں۔ ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر خاصۂ نبوت و امامت ہے۔ اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ہے ❖

نکتہ بلیغہ۔ ان آیات میں جنھیں صبر انبیاء کا ذکر ہے۔ خواہ اُنکی زبانی۔ یا خود خداوند عالم نے اُن کی مدح کے موقع پر فرمایا ہے۔ لفظ مِنْ" موجود ہے۔ یعنی مِنَ الصابرین" ہے۔ کہ وہ صابرین میں سے تھے۔ اور اسی طرح جہاں کہیں صالحین کا ذکر ہے وہاں بھی یہی حال ہے کہ مِنَ الصالحین ہے اسی طرح مسلمین کا حال ہے کہ وہاں بھی مِنَ المسلمین ہے۔ چنانچہ حضرت نوح کا قول "وانا من المسلمین" یعنی میں مسلمین میں سے ہوں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر اول و صالح اول و مسلم اول کوئی اور موجود ہیں کہ جنھیں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں پس دیکھنا چاہیئے کہ صابر اول و صالح اول کون ہے؟

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اول مسلم ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت نوح اُن سے پہلے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "انا من المسلمین" پس حضرت نوح سے پہلے وہ مسلمین موجود ہیں۔ لہٰذا اول المسلمین حضرت ابراہیم نہیں بلکہ اول المسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے "اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کوئی نہیں وہ ہی جناب فرماتے ہیں:۔ "انا اول المسلمین" پس وہی اول صابرین و صالحین ہیں ❖

معنی صبر

معنی صبر "کَفُّ النَّفْسِ عَمَّا لَا یَنْبَغِی" ہے یعنی نفس سے وہ باتیں صادر و ظاہر نہ ہوں۔ جو مناسب نہیں ہیں اور

یہ غلط ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبر کے یہ معنے ہیں۔ کہ انسان مصائب و شدائد و بلیات میں چُپ چاپ خاموش بیٹھا رہے۔ کچھ نہ بولے۔ کیونکہ نصوص آیات اسکی نفی کرتی ہیں دیکھو قصۂ حضرت یعقوبؑ جس وقت بنیامین کو حضرت یوسفؑ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور برادرانِ یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ سے یہ حال بیان کیا۔ تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا "فصبر جمیل" یعنی میرا صبر صبر جمیل ہے۔ یا میں صبر جمیل کرتا ہوں اور اُنکے پشت پھیرتے ہی فرمایا "یا اَسَفیٰ علیٰ یُوسُفَ" ہائے افسوس یوسف پر۔ یا حرف ندا ہے۔ اور اسفیٰ میں الف حرف ندبہ ہے اور ندبہ باواز بلند رونے اور فریاد کرنے کو کہتے ہیں لہذا یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت یعقوبؑ باواز بلند روئے۔ اور پھر اسکو صبر جمیل فرماتے ہیں پس معلوم ہوا۔ کہ رونا خلاف صبر نہیں۔ بلکہ رونا اور اپنے حزن وملال کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔ چنانچہ اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کا یہ قول ہے "قالوا تاللہِ تفتؤ تذکر یوسف حتیٰ تکون حرضاً او تکون من الھالکین قال انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون" یعنی اس رونے پر اُنکے بیٹوں نے کہا۔ کہ تم برابر یوسفؑ کو یاد کئے جاؤ گے۔ یہانتک کہ عشق میں گھل کر لاغر قریب ہلاکت یا ہلاک ہو جاؤ گے آپ نے فرمایا۔ سوائے اسکے نہیں ہے کہ میں اپنی پریشانی اور اپنے حزن و ملال کی اپنے اللہ سے ہی شکایت کرتا ہوں۔ اور میں من اللہ وہ باتیں جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔ پس رونا اور اپنے خدا سے اپنی تکالیف کا ذکر کرنا بے صبری نہیں ہے۔ بلکہ عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے +

اسی طرح حضرت ایوبؑ کا رونا مشہور ہے مگر حضرتؑ کو قرآن میں صابر کہا گیا ہے۔ لہذا اگر رونا خلاف صبر ہوتا۔ یا بُرا کام ہوتا۔ تو انبیاء سے ہرگز صادر نہ ہوتا۔ کیونکہ اُنکا ہر فعل فعلِ خیر ہوتا ہے نہ کہ شر۔ "انھم یسارعون الی الخیرات" پس بحکم

فاستبقوا الخیرات" ہم کو چاہئے کہ رونے میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید کریں اور خوب روئیں "فلیضحکوا قلیلاً و لیبکوا کثیراً"

معنی بے صبری

بے صبری دراصل یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے۔ تو وہ خدا پر اعتراض کرے کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا تو نے بُرا کیا۔ یا مجھ پر ظلم کیا۔ یا سوائے خدا کے کسی دوسرے سے شکایت کرے۔ یعنی فاعل کے فعل پر اعتراض کرنے کا نام بے صبری ہے۔ حضرت موسےٰ و حضرت خضر کے قصے سے پوری تصدیق ہوتی ہے "قال لہ موسیٰ هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا" یعنی حضرت موسےٰ نے کہا۔ کہ کیا اس شرط پر تمہارے ساتھ چلوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو۔ جو تمہیں من جانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں "قال انک لن تستطیع معی صبرا" حضرت خضرؑ نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے یعنی تمہارے وجود میں وہ قوت ہی نہیں ہے۔ کہ تم صبر کر سکو۔ "وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا" اور تم کیونکر اس بات پر صبر کر سکتے ہو جس پر تمہارا علم احاطہ نہیں رکھتا؟ "قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا و لا اعصی لک امرا" کہا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہاری کسی امر میں مخالفت نہ کرونگا پس حضرت موسےٰ نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا۔ تو حضرت خضرؑ نے جواب دیا "الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا" کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا؟ کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت ہی نہیں رکھتے ہو۔ پھر جب قتل غلام پر اعتراض کیا۔ تو پھر حضرت خضرؑ نے یہی فرمایا "الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا" اس سے معلوم ہوا کہ بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا ہے اور نتیجہ ہے لاعلمی کا۔ انسان کو جس بات کا علم نہیں۔ اُس پر صبر نہیں کر سکتا (حسی مثال) جراح جس وقت فصد کھولتا ہے یا کسی عضو کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ

شخص عالم ہے اس بات کا کہ اس عمل سے اُسکو آئندہ کس قدر فائدے حاصل ہونگے۔ اور کیسے کیسے مفید نتائج مرتب ہونگے اور یہ معمولی سی تکلیف ہمیشہ کے آرام کا باعث ہوگی۔ تو وہ اس تکلیف پر صبر کرتا ہے اور خوشی سے عضو کٹوا دیتا ہے۔ بخلاف اسکے جو شخص اس سے ناواقف ہے۔ وہ صبر نہ کرسکیگا۔ اور اسکو گوارا نہ کریگا۔ پس بے صبری دلیل بے خبری ہے۔ اور صبر موافق مقدار علم ہوتا ہے جس کا صبر زیادہ ہے۔ اُس کا علم بھی زیادہ ہوگا یا یوں کہئے۔ کہ جس قدر جسکا علم وسیع ہوگا۔ اُسیقدر اُس کا صبر وسیع ہوتا ہے۔ غرض صبر مراحل علم سے ہے۔ اور صابر مطلق خدا ہے اور صبر اسکا ذاتی۔ فرعون اُسکے مقابلہ میں دعوئے خدائی کرتا ہے۔ اور خدا اسکو چارسو سال تک مہلت دیتا ہے اور انتقام نہیں لیتا۔ اور مظہر اس صبر مطلق کا ذات مقدس محمدی ہے جسقدر بلیّات پڑتی ہیں بخوشی تحمل کرتے ہیں قوم سے جسقدر مصائب پہنچتے ہیں اُسکی شکایت نہیں کرتے بلکہ اُن کے لئے یہی دعا کرتے ہیں ”رَبِّ اھْدِ قَوْمِی اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ“ (یعنی اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت دے۔ کہ میری قدر کریں۔ کہ یہ جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے) کیونکہ آپ بعثت کے فوائد و عواقب کو خوب جانتے تھے۔ لہذا باوجود گوناگون مصائب و شدائد کے قوم کے حق میں دعا کرتے ہیں نہ کہ بددعا۔ جنگ اُحد میں حضرت کے دندان مبارک شکستہ ہوتے ہیں۔ مگر آپ شکایت نہیں کرتے۔ کیونکہ اُن کا احاطۂ علمی نہایت وسیع ہے۔ غرض بے صبری نتیجۂ بے علمی ہے۔ اور اُسمیں حسب مراتب علمیہ کمی و بیشی ہوتی ہے۔

صبر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ

اولاد جزو انسان ہوتی ہے۔ اُسکی مفارقت و جدائی نہایت شاق گزرتی ہے اُنکی تکالیفیں سخت دردانگیز ہوتی ہیں۔ کون انسان ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو مرا سامنے ذبح ہوتے

دیکھ سکے چہ جائے کہ بطیب خاطر ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے۔ یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا کلیجہ تھا۔ واقعاً جو کام اُنہوں نے کیا کسی سے نہیں ہوسکتا۔ ایک ایسے بیٹے کے ذبح کے لئے تیار ہوگئے جو پیغمبر برگزیدۂ خدا تھے۔ کیونکہ اُسکے انجام سے واقف تھے۔ اور چونکہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی پیغمبر تھے۔ اور علم الٰہی رکھتے تھے۔ باپ کے استفسار پر انکار نہیں کیا۔ اور نہ اعتراض کیا۔ فوراً ذبح کے لئے آمادہ ہوگئے اور فرمایا "یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ"

صبر ابراہیم کربلا

لیکن جو صبر ان ایام میں فرزند پیغمبرؐ نے کیا ہے وہ نہ کسی نبی سے ہوسکا۔ اور نہ وصی نبی سے۔ مظہر صبر محمدی ہے۔ اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کرکے صبر حسینی سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینی بدرجہا راجح ہوگا حضرت نوحؑ جیسا پیغمبر اولوالعزم قوم کے ظلم سے تنگ آکر یہ دعا کرتا ہے "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا" مگر ابراہیمی قربانی کو حسینؑ ہی روز عاشورہ فعلیت میں لائے یعنی مقصود یہ تھا۔ کہ جو امر اُس وقت فعلیت میں نہ آسکا اُسے میں بجالاتا ہوں۔ واقعاً امام حسینؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہیں زیادہ کردکھایا۔ اس بات میں مورخین کو اختلاف ہے۔ کہ خاندان بنی ہاشم میں روز عاشورا پہلا شہید کون ہے؟ لیکن فرمائش امام زمان عجل اللہ ظہورہ سے ظاہر ہے کہ اول مقتول علی اکبر فرزند سبط پیغمبرؐ ہیں۔ سب سے پہلے اپنے ہی لخت جگر کو قربان کیا۔ تاکہ دوسروں کے لئے حجت و دستورالعمل ہو۔ حضرت ابراہیمؑ اول جناب اسمٰعیلؑ سے استفسار کرتے ہیں۔ کہ مجھ کو خدا کا حکم اس طرح پہنچا ہے کہ میں تمہیں ذبح کردوں۔ تمہاری ہمیں کیا رائے ہے؟ مگر حسینؑ مظلوم کے صبر کو دیکھئے کہ وہ استفسار نہیں فرماتے مشورہ نہیں لیتے۔ بلکہ اول ہی فرماتے ہیں "یَا بُنَیَّ تَقَدَّمْ" اے فرزند میدان جنگ میں شہید ہونے کیلئے جاؤ۔"

حضرت علی اکبر فوراً حکم سنتے ہی چل دیتے ہیں۔ اس وقت حسینؑ اُنکی آمادگی دیکھ فرماتے ہیں "اِلَیَّ اِلَیَّ" اے فرزند میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ حضرت علی اکبر واپس آئے تو حضرت نے صندوقِ اسبابِ تبرکاتِ نبوت طلب فرمایا اُس میں سے زرہ ذوالفصول نکالکر خود پہنی۔ اور جو خود پہنے ہوئے تھے۔ اُتار کر شہزادہ علی اکبر کو پہنادی اور عمامۂ سحاب اپنے سر مبارک پر رکھا۔ اور عمامۂ سیاہ جو سر اقدس پر تھا علی اکبر کے سر پر رکھ دیا۔ اسی طرح شمشیرِ جناب امیرؑ نکالکر اپنے لگائی۔ اور اپنی تلوار علی اکبر کی کمر سے باندھی۔ اور اسپ جسکو عقاب بھی کہتے تھے۔ منگایا۔ اور علی اکبر کو اُس پر سوار کیا۔ اُس وقت تمام عورتیں قطار باندھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھیں جب تمام ہتھیار زیبِ تن فرما چکے اور علی اکبر جانے لگے۔ اُس وقت حسینؑ مظلوم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" یعنی درجات و مقامات حضرت علی اکبر بیان فرماتے ہیں کہ بعد درجۂ امامت میری ذریت میں سے یہ جوان سب سے افضل ہے۔ اور پھر فرمایا "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَاِنَّهٗ قَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَّ خُلُقًا وَّ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰى وَجْهِهٖ" یعنی اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہیو کہ اب تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وہ شاہزادہ چلا ہے۔ جو خلق اور خُلق رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے اور جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اُسکی صورتِ زیبا دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کو کہاں حاصل تھی بہت فرق ہے ذبیحِ منیٰ اور ذبیحِ کربلا میں حضرت ابراہیمؑ اپنے اس فعل خاص کی وجہ سے فتیٰ کے لفظ سے متصف و ملقب ہوئے۔ کیونکہ فتیٰ (جوانمرد) اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو راہِ خدا میں اپنے جان و مال عزت و ناموس سب سے گذر جائے۔

کسی چیز کی پروا نہ کرے۔

اصحاب کہف کو اسی لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ "کانوا فتیۃ امنوا بربھم" یعنی وہ چند جوانمرد تھے۔ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ اُن سے کیا فتوت (جوانمردی) ظاہر ہوئی تھی۔ صرف یہ کہ اپنا مال و دولت۔ جاہ و حشم چھوڑ کر چلے گئے اور دین سے منہ نہ موڑا۔ مگر حسین علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں "ام حسبتم ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا" یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ اصحاب کہف ہماری آیات عجیبہ سے ہیں اور مطلب حضرتؑ کا یہ ہے۔ کہ میرا حال اصحاب کہف سے کہیں عجیب تر ہے۔ جو کام اصحاب کہف نے کیا ہے۔ وہ تو میرے اصحاب سے ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ اُس سے زیادہ میرا معاملہ تو اُن سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے انکو یہ یقین نہ تھا۔ کہ اُنکے بعد اُنکے اہل عیال لوٹے جائینگے۔ یا اسیری کی بلا میں مبتلا ہونگے۔ در بدر پھرائے جائینگے۔ اُنکا جوان بیٹا اُن کے سامنے سنان ظلم کا شکار نہ ہوا تھا۔ اُنکے سامنے عباس جیسے برابر کے بھائی کے شانے نہ کاٹے گئے تھے۔ اُنکے ہاتھوں پر چھ مہینے کا بچہ تیر ظلم و ستم کا نشانہ نہ ہوا تھا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ مصائب ابراہیم کربلا کا۔ اگر تنہا مصیبت ہو تو اُسکا موازنہ ہو سکتا ہے لیکن جب بیشمار مصیبتیں ایک بار وارد ہوں۔ اُسوقت یہ اندازہ مشکل ہے کہ کونسی مصیبت سب سے بڑی ہے۔ سب سے بڑی وہ مصیبت ہے جو صابر کامل کو مضطرب کر دے۔ اگرچہ بعض اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی مصیبت حضرت ابی الفضل العباس کی مصیبت سے بڑھی ہوئی تھی۔ کہ اُنکی شہادت پر پردگیانِ عصمت و طہارت خیمے سے باہر نکل پڑی تھیں مگر امام مظلوم کو عباس کی شہادت زیادہ ناگوار گزری اور سخت اثر کیا۔ مورخین نے باتفاق ایک لفظ لکھا ہے

وہ یہ ہے "سقط کالصقر" یعنی جس وقت امام مظلوم ہم شکل پیغمبر کی لاش پر پہنچے ہیں۔ تو اس طرح سے بے اختیار ہو کر لاش پر گرے جس طرح شکاری پرند اپنے شکار پر گرتا ہے "۔

مگر جس وقت حضرت عباس کے لاشے پر پہنچے ہیں۔ تو وہاں بھی اسی طرح سے مضطربانہ گرے مگر ایک یادتی فرمائی یعنی بھائی کی لاش کو دیکھ کر فرمایا "الآن انکسر ظھری و قلت حیلتی" یعنی میرے قوت بازو کے شانے کٹ جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور روح حیات جاتی رہی لاحول ولا قوۃ الا باللہ

موعظۂ ششم

۷ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یوم ندعوا کل اناس بامامھم ط

مسلمانوں کی حالت

اخبارات چند روز سے ایک مضمون خاص (عزاداری و گریہ وبکا حرام و بدعت ہے) کو شائع کر رہے ہیں۔ افسوس ہے اہل اسلام کی حالت پر۔ اگر ایک چیز نہ ہوتی۔ تو یہ اختلاف و افتراق پیدا نہ ہوتا یعنی اگر آراء شخصیہ کو دین میں دخل نہ ہوتا۔ تو یہ صورت نظر نہ آتی۔ شخصی رائیں جزو دین ہو گئی ہیں۔ کہ اس وقت انکا جدا کرنا ناممکن ہے عام قاعدہ یہ تھا کہ عالم جو بات کہتے تھے۔ جاہل اسکی تقلید و پیروی کرتے تھے۔ مگر یہاں جاہل بھی دین میں دخل دیتے ہیں۔ اور اسکے ایسے عادی ہو گئے ہیں۔ کہ اگر کسی عالم سے دریافت کریں۔ اور بحث کریں۔ اور پھر مغلوب و مجاب ہو جائیں تب بھی قبول نہیں کرتے اپنی

ہی رائے کی پیروی کرتے ہیں حق تو یہ تھا کہ اپنی آراء کو قرآن کے موافق و مطابق کرتے
مگر یہاں قصہ بالعکس ہے۔ چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی رائے کے موافق کریں۔ اگر
قرآن انکی رائے کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے صاف اعراض کرتے ہیں۔ جب یہ
صورت ہو۔ تو پھر اتفاق کیونکر ہو سکتا ہے ⁂

اگر ایک چیز بھی مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔ اگر تمام
اہل اسلام قرآن کی پیروی کرتے۔ تو ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اور ایک دوسرے
کی تکفیر نہ کرتے جس وقت سے نئی روشنی پھیلی ہے۔ حالت یہ ہو گئی ہے۔ کہ ہزار
دلیلیں پیش کرو۔ اگر انکی رائے کے خلاف ہیں تو ہرگز قبول نہ کرینگے۔ ایسی حالت
میں یا سکوت کریں یا اٰخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ (آخری علاج داغ ہے) پر عمل کریں ⁂

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں اسلام ما بہ الاشتراک موجود ہے۔ تو کہا جائیگا
کہ پھر ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کیجاتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ اسلام ما بہ الاشتراک
ہے لیکن مسلمان قانون اسلامی کی پیروی نہیں کرتے۔ اگر قانون اسلام کی پیروی
کرتے۔ تو یہ حالت نہ ہوتی۔ اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتا۔ مسلمان زبانی تو
بہت کہتے ہیں۔ کہ قرآن ہماری کتاب ہے۔ اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن
عمل میں اتفاق نہیں صرف زبانی ہی جمع خرچ ہے ⁂

اسلام کوئی قانون رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو وہ قانون کامل ہے۔ یا
ناقص؟ اگر کہا جائے۔ کہ اسلام میں کوئی قانون ہی نہیں۔ اور قرآن قانون سے
معرّا ہے۔ تو بالکل جھوٹ ہے اسواسطے کہ قرآن کا دعوے یہ ہے "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا
یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے۔ "مَا فَرَّطْنَا
فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ" اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ
قانون تو ہے مگر قانون ناقص ہے وجیسا کہ بعض ناعاقبت اندیش عالم نما

جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ کہ قرآن کی اب ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس وقت کے لئے اس کے قوانین کافی نہیں۔ یہ صرف جہال عرب کیواسطے تھے۔ معاذ اللہ) تو محض غلط اور کذب صریح ہے کیونکہ قرآن خبر دیتا ہے کہ دین ہر اعتبار سے کامل کر دیا گیا ہے جیسا کہ آیہ مجیدہ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ (آج میں نے تمہارے دین کو کامل و اکمل کر دیا) صاف دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا مجبوراً تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ قانونِ قرآن کامل ہے۔ تو پھر یہ اختلاف کیسا۔ اسکا کوئی جواب نہیں ہو سکتا سوائے اسکے کہ کہا جائے۔ کہ خود رائی نے اہلِ اسلام کو متفرق کیا ہے۔ جب تک اہل اسلام دیانتِ اسلامی میں رائے زنی سے باز نہ آئینگے اتفاق ممکن نہیں۔ جو شخص باوجود قانون کامل موجود ہونیکے اپنی رائے کو دخل دیتا ہے مشرک ہے ۔:۔

قرآن فہمی

یہ تو ثابت ہوا۔ کہ قرآن قانون مکمل ہے لیکن کیا ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ بزبان عربی ہے۔ جو شخص عربی نہیں جانتا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بغیر علوم عربیہ صرف و نحو معانی و بیان کی تحصیل کے قرآن نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہر ایک عربی دان قرآن کو سمجھتا ہے تو بھی غلط و ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو یہ اختلاف کہاں سے آیا۔ علامہ زمخشری علم نحو میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ اور امام فخر الدین رازی منطق و فلسفہ میں لیکن رازی نے جو تفسیر لکھی ہے۔ وہ زمخشری کی تفسیر کی رد ہے پس معلوم ہوا۔ کہ اگر فہم قرآن عربیت پر موقوف ہو تو مفسرین میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا کہ ایک تفسیر دوسرے کی رد اور اُسکے بالکل برخلاف ہے۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب حاوی علوم عربیہ بھی قرآن کو نہیں سمجھتے۔ تو پھر ایسی کتاب جسمیں حذف و اضمار۔ ایجاز۔ ایہام۔ اجمال۔ اطلاق۔ عموم

خصوص ناسخ منسوخ ہے پیغمبر کس کیواسطے لایا؟ شاید اپنے ہی واسطے

اور حق یہی ہے۔ کہ قرآن پیغمبر کیواسطے نازل ہوا ہے۔ اور وہی اس کا مبین

و مفسر ہے۔ جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے ”وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ

الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اَیْضًا لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ“

اور آیات متشابہات کے باب میں فرمایا ہے:- لَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ

فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا ۔ آیات متشابہات کی تاویل سوائے اللہ اور راسخون فی العلم پیغمبر

اور وہ نفوس جو مثل پیغمبر ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ اول مبین و مفسر قرآن

پیغمبر ہے ؞

علت نزولِ قرآن رفعِ اختلاف ہے

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ الخ
یعنی اے پیغمبر نہیں نازل کیا

ہم نے قرآن کو مگر اسلئے کہ تو تمام اختلافات کو رفع اور بیان کردے۔ اور رفع

اختلاف اہل ایمان کے لئے رحمت و ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ہر ایک اختلاف کو

حضرت قرآن سے رفع فرما دیتے تھے۔ اگر کبھی بلا آیت تلاوت فرمائے جواب

دیدیتے تھے۔ تو لوگ دریافت کرتے تھے۔ کہ حضرت آپ یہ خدا کی طرف سے

فرماتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے حضرت اسکے جواب میں ایک آیت تلاوت فرما

دیتے تھے۔ غرض ہر ایک اختلاف کو قرآن سے رفع فرماتے اور ہر ایک کا جواب

قرآن سے دیتے تھے۔ بس اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ تو

گویا پیغمبر نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی۔ کیونکہ قرآن رفع اختلاف کیواسطے

اترا ہے۔ نہ کہ اختلاف کیواسطے۔ اور پیغمبر بھی اختلاف مٹانے کیواسطے آیا ہے

نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لیے۔ یہاں سے وہ خیال بھی باطل ہے۔ جو بعض لوگ

رکھتے ہیں کہ اختلاف اُمتِ محمدی رحمت ہے۔ اور اختلافُ اُمتی رحمۃ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اختلاف کسی وقت میں رحمت نہیں ہو سکتا آیت رفعِ اختلاف کو رحمت ثابت کرتی ہے نہ کہ اختلاف کو۔ اور جو حدیث خلاف آیتِ قرآنی ہو۔ کبھی قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس حدیث کو اسی معنے میں صحیح مانا جائے تو گویا پیغمبر نے خلاف فیصلۂ قرآنی کیا۔ اور یہ خلافِ شانِ نبوت ہے۔ لہذا حدیث اگر صحیح مانی جائے۔ تو اسکے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر اختلاف آمد و رفتِ اُمت شہروں میں مراد لی جائے۔ تو ایک صورتِ صحت نکل سکتی ہے +

لیکن پیغمبر ایک زمانہ خاص تک ظاہر رہا۔ اب اس وقت موجود نہیں۔ ہم کیا کریں؟ ضروری ہے کہ بعد پیغمبر مبین و مفسر قرآن موجود ہو۔ جو ان اختلافات کو رفع کرے۔ اور اُسکے سینے میں قرآن موجود ہو۔ بعد پیغمبران ماسبق کتب سابقہ کے محافظ پیغمبر اور اوصیاء پیغمبر ہی تھے۔ پس قرآن جو اکمل اور ناسخ کتب ہے اسکے لئے محافظ کیوں نہ موجود ہو۔ ضرور بعد پیغمبر اسکے محافظ مثل پیغمبر موجود ہیں اور وہ وہی نفوس ہیں۔ جنکے سینوں میں قرآن موجود ہے" بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الخ اور ان نفوس قدسیہ کی تعیین و تشخیص میں پیغمبر نے جو حدیث بیان فرمائی ہے۔ تقریباً (۷۳) تہتر طریق سے وارد ہوئی ہے موالف و مخالف نے نقل کی ہے۔ کتب فریقین پر ہیں۔ حتےٰ کہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی تقریباً پندرہ طریق سے نقل کی ہے۔ کہ پیغمبر نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَبَيْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰی يَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" یعنی میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسری میری عترت یعنی اہل بیت

جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ (قرآن واہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ جب تک لوگ حساب و کتاب سے فارغ نہ ہوں پس مبین قرآن مفسر قرآن اہل بیت پیغمبر ہیں۔ جو نہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن اُن سے جدا ہے۔ اور وہی محافظ قرآن ہیں۔ بعد پیغمبر علم قرآن اُن سے حاصل کرنا چاہیئے۔ تمام اختلافات اہل بیت کی پیروی ومتابعت نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ان مبینین ومفسرین قرآن کی پیروی کیجاتی اور اُن سے علم قرآن حاصل کیا جاتا۔ تو دنیا میں یہ فسادات وبے دینیاں ہرگز پیدا نہ ہوتیں۔

نوبت بایںجا رسید کہ اہل بیت سے تمسک اور اُنکی متابعت تو کجا ذکر اہل بیت کو حرام بتلایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اسکا عارک منشاء کیا ہے؟ کوئی آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ذکر اہل بیت نبوی حرام ہے یا حدیث؟

وہ ذریت حضرت ابراہیم جس کیواسطے دعا کی تھی "ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" یہی اولاد پیغمبر ہے نہ کوئی دوسرا۔ تعجب ہے۔ کہ ذریت ابراہیم جو مسلمان باسلام نبوی ہے اُسکا ذکر حرام بتلایا جاتا ہے۔ اور اتباع ملت ابراہیمی کا ادعا ہے۔

خدا قرآن میں اصحاب کہف کو ایسے کلمہ تعظیمی وتکریمی سے ذکر کرتا ہے جس سے ایک برگزیدہ پیغمبر یعنی اپنے خلیل کو متصف کیا ہے۔ یعنی لفظ "فتی" سے "فتیۃ امنوا بربھم" پھر اُس نے قرآن میں اُنکے کُتے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اُس کا حال بیان کیا ہے کیونکہ اُس نے نیکوں کی متابعت اختیار کی تھی۔ ایک ثلث قرآن قصص وامثال سے پُر ہے۔ نہ صرف انبیاء کے حالات۔ بلکہ مچھر۔ مکھی چیونٹی تک کے قصص موجود ہیں پس اگر کوئی شخص حالات وقصص انبیاء کو بیان کرے تو کیا اسکو کافر کہہ سکتے ہیں؟ یہ قصص وامثال جزو قرآن ہیں اور جزو دیانت۔

اور ہم کو حکم ہے کہ ہر روز بقدر امکان قرآن کی تلاوت کریں یعنی ان قصوں کو پڑھیں اور ذکر کریں "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" لہذا اگر کوئی کہے کہ ذکر ان چیزوں کا حرام ہے تو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے اور وہ کافر ہے۔ اور منکر قرآن تعجب ہے کہ ذکر سگ و پشہ جزو دیانت ہو اور ذکر ذریت ابراہیم و اولاد رسول حرام سمجھا جائے یہ عجیب و غریب دینداری ہے۔ اگر قصص کو فضول قصص و حکایات سمجھ کر اور امثال کو نادل خیال کر کے اور قصص کفار کو اسلئے کہ یہ قصص کفار ہیں۔ ترک کر دیا جائے۔ تو پھر قرآن کہاں رہیگا؟ کیونکہ قرآن انہیں باتوں سے پُر ہے۔ اور انہیں کے مجموعے کا نام قرآن ہے پس جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ذکر اولاد پیغمبر حرام ہے۔ انہوں نے قرآن کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے پھر کس لئے پیغمبر روز قیامت ان مسلمانوں کی شکایت نہ کریگا "رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" یعنی حضرت ختمی مرتبت روز قیامت بارگاہ الہی میں شکایت کرینگے۔ اور فرمائینگے اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور اُس پر عمل نہ کیا۔

نظر عوام میں قصۂ عشق سے زیادہ شرمناک کوئی قصہ نہیں ہو سکتا اور قرآن میں عشق زلیخا کا قصہ موجود ہے۔ بلکہ خدا اُس کو احسن القصص (بہترین قصہ) فرماتا ہے۔ اور بہت سے فاجرین و فاسقین کے قصے قرآن میں مذکور ہیں کسی کا پڑھنا و ذکر کرنا حرام نہیں۔ پھر ذریت رسول کا ذکر کس طرح حرام ہوا؟ اول قصہ خوان خدا ہے جس نے یہ تمام قصص و حکایات و امثال ذکر فرمائے ہیں "نحن نقص علیک احسن القصص" اور پھر پیغمبر کو اُنکی تلاوت کا حکم دیا ہے۔ کہ اگر پیغمبر ان قصص کو بیان نہ کرے۔ تو خلاف حکم خدا ہوگا۔ اور پیغمبر گنہگار ٹھیریگا۔ اور ہم کو بھی یہ حکم ہے کہ ہم سے جسقدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کریں یعنی یہ قصص و حکایات پڑھیں بیان کریں "فاقصص القصص" خداوند عالم اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے۔ "انا ارسلنا قد انزل اللہ"

الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم آیٰتنا الخ۔ ہم نے تمہاری طرف ذکر کو بھیجا ہے۔ جو رسول ہے وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے یعنی ذکر نام حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے +

اور پھر فرماتا ہے:۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو۔ تو اہل ذکر سے دریافت کرو پس اہل الذکر آلِ محمدؐ و اہل بیت پیغمبر ہیں۔ انہیں سے دریافت کرنے کا حکم ہے۔ مگر تعجب ہے اہل اسلام پر کہ انہیں اہل الذکر و اہل بیت نبوی و ذریت رسولؐ کے ذکر کو حرام کہتے ہیں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ انکا پیغمبر ہے مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیعوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر پیغمبر سارے مسلمانوں کا ہے۔ تو حسینؑ جو فرزند رسول و جگر گوشۂ بتول ہے۔ وہ بھی سارے مسلمانوں کا۔ ورنہ اگر حسینؑ شیعوں سے مخصوص ہے۔ تو پیغمبر بھی شیعوں ہی سے مخصوص ہے۔۔ اور مسلمانوں کا پیغمبر نہیں "ولنعم ما قیل" ؎

+ یُصَلّٰی عَلَی الْمَبْعُوْثِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ +

وَیُغْزٰی بَنِیْهِ اِنَّ ذَا لَعَجِیْبٌ +

ذکر گریہ و بکا

بعض محتاط مسلمان کہتے ہیں کہ ذکر حسینؑ تو ممنوع و حرام نہیں البتہ گریہ و بکا کرنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اول تو اس سے جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے رونا فطری فعل ہے۔ اُس پر کسی قسم کا ثواب مترتب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ بنصوص آیات ثابت ہے۔ کہ رونا مومنین و انبیا کی صفات خاصہ سے ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ "اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ" کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ اس آیت سے گریہ و بکا کا وجوب ثابت ہوتا ہے مگر مسلمان اسکو حرام کہتے ہیں یا للعجب!

یہ پیغمبر جو بنی ہاشم پر گو درود بھیجتے ہیں۔ اور اسکی اولاد سے لڑتے ہیں یہ نہایت عجیب بات ہے۔ ۱۲

ایضاً ویخرون للاذقان یبکون ویزیدہم خشوعاً (بنی اسرائیل) یعنی جب آیاتِ الٰہی اُن پر تلاوت کیجاتی ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور روتے ہیں اور انکا خشوع وخضوع بڑھ جاتا ہے ایضاً والذین اذا ذکروا بایات ربہم لم یخروا علیہا صماً وعمیاناً جب آیات پروردگار انکو یاد دلائی جاتی ہیں۔ تو اُن پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں۔ جو بالصراحت دال ہیں۔ کہ رونا صفاتِ خاصہ مومنین سے ہے۔ بلکہ خواص انبیاء سے ہے پھر نہ معلوم حرام کیونکر ہو گیا۔ شان انبیاء میں فرماتا ہے۔ اذا تتلیٰ علیہم ایات الرحمن خروا سجداً وبکیاً (مریم) جب آیات رحمن اُن پر تلاوت کیجاتی ہیں۔ تو روتے ہوئے سجدے میں جھک جاتے ہیں حضرت ابراہیم کی مدح میں فرماتا ہے "حلیم اواہ منیب" یعنی ابراہیم بہت بڑے بردبار اور بہت آہ آہ (ان ابراھیم) کرنیوالے اور خدا کی طرف رجوع کرنیوالے تھے پس رونا آہ آہ کرنا صفات انبیاء میں داخل ہے۔ اور انکی مدح میں شامل نہ یہ کہ حرام اور خلاف تہذیب۔ بلکہ نہ رونا صفات مذمومہ سے ہے۔ اور قساوتِ قلب کی نشانی ہے جو بہت ہی بری صفت ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ "ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانہر وان منہا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منہا لما یہبط من خشیۃ اللہ وما اللہ بغافل عما تعملون (بقرہ) یعنی بعد اس کے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں پس وہ مثل پتھر ہیں۔ بلکہ اُس سے بھی سخت تر۔ کیونکہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں نکلتی ہیں! اور بعض ایسے ہیں۔ جو شق ہو جاتے ہیں اور اُن سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے پس جو لوگ مظلوم کی مصیبت پر آبدیدہ نہیں ہوتے اور آیات الٰہی کے ذکر سے۔ متاثر نہیں ہوتے وہ پتھر سے بھی زیادہ قسی القلب ہیں۔ اور اُن لوگوں کی قساوت قلبی کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ جو رونا تو درکنار۔ دوسرے رونیوالوں

کو بھی منع کرتے ہیں ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا +

• یہ کہنا کہ چونکہ رونا فعل فطری ہے اور فطریات پر ثواب و عقاب مترتب نہیں ہوتا اسلئے رونیسے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ بھی عدم تدبر قرآن اور دیانت اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر قول صحیح ہو۔ تو چاہیے بنفسِ دین موجب ثواب نہ ہو بلکہ بیدینی باعث ثواب ہو۔ کیونکہ خدا دین کو بھی فطری فرماتا ہے:۔ "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ" غرض اس قسم کی تحریریں در حقیقت اصل قرآن پر ایراد و اعتراض ہیں۔ اور انکار و مخالفتِ دیانتِ اسلام پر دال +

صبر و بے صبری

صبر کے معنے سکوت کیے جاتے ہیں یعنی جب کوئی مصیبت نازل ہو۔ تو آدمی خاموش بیٹھا رہے۔ ایک حرف زبان سے نکالے۔ اور اس پر آیہ ذیل سے استدلال بھی لاتے ہیں "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" یعنی وقت مصیبت انا للہ و انا الیہ راجعون کہیں اور بس مگر یہی آیت اُنکے قول کو رد کرتی ہے کہ صبر کے معنے سکوت کے نہیں کیونکہ اس آیت میں خدا نے یہ نہیں فرمایا سَکَتُوْا یعنی وقت نزول مصیبت وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ بلکہ فرمایا ہے "قَالُوْا" یعنی کہتے ہیں اور بولتے ہیں۔ ہاں اسکی تعیین فرمائی ہے۔ کہ کیا کہتے ہیں "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" یعنی ہم خدا ہی کیواسطے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنیوالے ہیں۔ ہم خدا پر اعتراض نہیں کرتے ان ابتلاآتِ میں رضائے خدا پر راضی ہیں۔ اور اُسکی قضا و قدر پر خوش۔ علاوہ ازیں گریۂ حضرت یعقوبؑ اس پر دال ہے کہ باواز بلند بطور ندبہ تھا پس کلام کیسی ہے آواز بھی۔ اور پھر صبر جمیل بھی کہلاتا ہے۔ نیز جب برادران حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوب پر یہی اعتراض کیا

کہ تم اس قدر فراق یوسفؑ میں کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں اپنے حزن وملال کو اپنے پروردگار ہی سے بیان کرتا ہوں۔ اور میں منجانب اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جن کا تمہیں علم نہیں۔ یعنی ابتلاآت و مصائب و شدائد میں خدا کی طرف رجوع اور اپنے حزن وملال کو بیان کرنا بے صبری نہیں بلکہ عین صبر اور اصل عبودیت ہے بلکہ حکم ہے کہ مصائب و شدائد میں ہم خدا ہی کو یاد کریں۔ اور اپنی تکالیف کو اسی سے عرض کریں "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ" بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا یا خدا کی شکایت دوسرے سے کرنا اور راضی برضا نہ رہنا ہے۔ نہ کہ رونا اور اپنا حزن وملال اپنے پروردگار کے سامنے بیان کرنا۔ (کما ذکرناہ سابقاً)

صبر حضرت یونسؑ

سابقاً عرض کیا گیا۔ کہ بے صبری دلیل بے خبری ہے۔ اور صبر نتیجۂ علم جس کا علم وسیع ہے۔ اُس کا صبر وسیع۔ اور جس کا علم کم ہے اُس کا صبر بھی ناقص۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام علم میں درجات مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں اسی واسطے اُنکا صبر بھی افضل ہے۔ اور انہیں کی تاسّی کا حکم پیغمبرؐ کو ہوا۔ کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو۔ نہ کہ غیر اولوالعزم کا سا اور مثل صاحبِ حوت یعنی یونس بن متی نہ ہو۔ قصہ حضرت یونسؑ یہ ہے۔ کہ حضرت نے اپنی قوم سے تنگ آکر اُن کے لئے بد دعا کی کہ خداوند ان پر عذاب نازل کر دعائے حضرتؑ مستجاب ہوئی۔ اور قوم یونسؑ کو صرف تین روز کی مہلت دیگئی حضرت کی قوم میں ایک عالم تھا۔ روبیل نام اور ایک عابد تھا تنوخا۔ تنوخا چونکہ عابد تھا۔ اور علم و معرفت کم رکھتا تھا۔ عذاب کا وعدہ سُن کر قریہ سے باہر چلا گیا کہ مبادا اُس پر بھی عذاب نازل ہو۔ روبیل چونکہ عالم تھا۔ وہیں رہا۔ تین روز

کے بعد عذاب نازل ہونا شروع ہؤا۔ اول روز اُنکے رنگ زرد پڑ گئے۔ دوسرے روز سیاہ ہو گئے اور تیسرے روز ایک ابر سیاہ اُن پر اُترنا شروع ہؤا۔ یہ لوگ گھبرائے اور روبیل کے پاس گئے۔ کہ عذاب شروع ہو گیا۔ کوئی نجات کی تدبیر بتلاؤ۔ ورنہ ہم تم کو بھی باہر نہ جانے دینگے۔ روبیل مجبور ہوئے۔ اور حکم دیا۔ کہ تم توبہ کرو۔ جو کسی پر مظلمہ ہے وہ ادا کردے۔ اور بچے عورتوں سے الگ کئے جائیں۔ جوان علیحدہ ہوں اور بوڑھے علیحدہ۔ حیوانات سے اُنکے بچے علیحدہ کئے جائیں۔ وادی کوہ میں دربار الہی میں استغاثہ کرو ممکن ہے۔ کہ وہ رحم فرمائے غرض اس طرح سے باہر گئے۔ درانحالیکہ عذاب اُنکے کندھوں تک آچکا تھا۔ روبیل نے سر برہنہ قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر دعا شروع کی۔ اور فرمایا۔ کہو "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَکَذَّبْنَا نَبِیَّکَ وَتُبْنَا اِلَیْکَ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ الْمُعَذَّبِیْنَ فَاقْبَلْ تَوْبَتَنَا وَارْحَمْنَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ" یہانتک کہ رحمت خداوند غفار جوش میں آئی اور عذاب اُن سے مرتفع ہونے لگا بعد رفع عذاب وہ سب خوش وخرم اپنے گھروں کو واپس آئے حضرت یونس تین دن کے بعد واپس تشریف لائے۔ کہ قوم کا حال دیکھیں فنا ہو گئے ہونگے لیکن آنکر دیکھا۔ سب کے سب صحیح وسالم خوش و خرم پھر رہے ہیں حضرت بہت ملول و غضبناک ہوئے۔ کہ اُن سے عذاب کیوں رفع ہؤا؟ یہ اب میرا استہزا کرینگے اسی کی طرف اشارہ فرما کر خداوند عالم بیان فرماتا ہے "اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ" یہ تھی بےصبری بمقابلہ صبر انبیاء اولوالعزم جو حضرت یونسؑ سے ظاہر ہوئی۔ اور یہ دلیل کم علمی ہے بمقابلہ انبیاء اولوالعزم۔ "وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ"!

صبر حسینی	صبر کامل صفت انبیاے اولوالعزم ہے لیکن اُنہوں نے بھی وقت شدتِ مصائب وابتلاآت آخرِ کار خدا سے خواہش

کی ہے کہ ان سے مصائب و شدائد رفع کئے جائیں حضرت موسٰے نے ایسا ہی کیا حضرت عیسٰے نے ایسا کیا۔ ایلی ایلی لما سبقتنی حضرت ایوب کا صبر مشہور ہے مگر آخر کار انہوں نے بھی ربّ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین کہا جس وقت نوبت ناموس تک پہنچی ہے۔ اُس وقت حضرت ایوب سے صبر نہیں ہوسکا یہ پیغمبر ہیں۔ مگر جب معاملہ ناموس تک پہنچتا ہے۔ تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور رفع تکلیف کی دعا کرتے ہیں۔ مگر صبر ایوب کربلا کو دیکھئے۔ اور انبیاء اولوالعزم کے صبر سے اُسکا موازنہ کیجئے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جب انسان آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مصائب و شدائد وارد ہوتے ہیں تو وہ عادی ہوجاتا ہے۔ اور پھر اُس پر زیادہ گراں نہیں گذرتا۔ مگر جب تمام مصائب یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ تو انسان تنگ آکر مرنا گوارا کرتا ہے۔ اور اُنکا تحمل نہیں کرسکتا۔ جو شخص رات کو بادشاہ ہو۔ مالک و مختار ہو۔ اور صبح کو ہر ایک شے اُس سے جدا ہوجائے۔ فقیر و مفلس بے یار و مددگار رہجائے اُسکے صدمہ و ملال کا اندازہ ممکن نہیں حسینؑ مظلوم رات کو بادشاہ ہے تمام یار و انصار عزیز و اقربا پاس ہیں۔ اہل حرم محفوظ و مصئون۔ صبح ہوتے ہی احباب و اصحاب جدا ہونے لگے ہیں۔ اور ظہر تک سوائے بنی ہاشم کوئی باقی نہیں رہتا۔ مگر وقت عصر جب نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ نہ عزیز ہیں نہ قریب سب خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ کثرت الناسے ✤ نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

مشاہد و محسوس ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ نرم دل اور ضعیف ہوتی ہیں اور جلد مضطرب ہوجاتی ہیں۔ روز عاشورا تین مرتبہ حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عورتوں کا ہجوم ہوا۔ ایک مرتبہ بوقت صبح۔ دوم بوقت نماز ظہر۔ سوم بوقت عصر۔ مخدرات کرب و بلا حرم پیغمبر تھیں جو کبھی گھر سے نہ نکلی

تھیں اسی واسطے آجتک اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی کے بیٹیاں تھیں بعض کہتے ہیں دو تھیں بعض کہتے ہیں ایک ہی تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس وقت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے شہادت پائی ہے تو ایک لڑکی برقع اوڑھے ہوئے دروازہ مسجد نبوی پر آئی اور رو کر بآواز بلند چلائی ”یا جداہ قد ماتت اُمنا“۔ اے جد بزرگوار ہماری والدہ نے انتقال فرمایا پس وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین کی دو بیٹیاں ہوتیں۔ تو دونوں اُس وقت گھر سے نکل پڑتیں اور مسجد نبوی میں آتیں ÷

غرض یہ مخدرات عصمت و طہارت کبھی لشکر کے مقابل نہ ہوئی تھیں کبھی نہ میدان جنگ دیکھا تھا گھر سے باہر نہ نکلی تھیں۔ روز عاشورا پہلا دن ہے کہ میدان جنگ میں ماں نے بیٹے کو اور بہن نے بھائی کو پھوپھی نے بھتیجے کو ذبح ہوتے دیکھا ÷

جس وقت امام مظلوم نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس وقت حضرت کیساتھ معدود آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک دستہ فوج مخالف خیمہ گاہ اہل حرم کی طرف چلا تمام عورتیں باہر نکل پڑیں۔ کہ کہیں پناہ لیں۔ مگر اُس وقت اُنکا فریادرس کون تھا۔ بآواز بلند چلانے لگیں ”یا جداہ یا محمداہ“ اتنے میں حضرت کی نماز ختم ہو گئی خیمہ عصمت کی طرف تشریف لائے تمام عورتیں حضرت کے گرد جمع ہو گئیں اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیا۔ اور کہنے لگیں حضرت ہم کو ہمارے جد بزرگوار کے روضہ پر پہنچا دیجئے چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے مگر ایسے موقع پر بھی حسینؑ نے کبھی شکایت نہیں کی۔ اور رفع تکالیف کی دعا نہیں فرمائی۔ بلکہ جب مصائب کی نہایت شدت ہوتی۔ تو حضرت خیمہ عبادتگاہ کی پشت پر تشریف لیجاتے اور ریش مبارک ہاتھ میں لے کر فرماتے ”رضاً بقضاءِ اللہِ وتسلیماً لامرہ“

یعنی خداوندا تیری رضا پر راضی ہوں۔ اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔

امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اے جد بزرگوار آپنے وہ صبر دکھایا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ آپ کی بیکسی اس درجہ پر پہنچگئی کہ کوئی باقی نہ تھا۔ کہ آپ کی خبر شہادت خیمہ گاہ تک پہنچا دے۔ آپ کے ذوالجناح نے اس فرض کو ادا کیا۔ "الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین"۔

موعظۂ ہفتم

۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ سنہ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ!

شہید و رویت اعمال

بیانات سابقہ سے ثابت ہے۔ کہ دیانت اسلامیہ ایک امام کو مقتضی ہے۔ جو حاوی ہو تمام امور دینی و دنیاوی پر اور اسکو قرآن میں لفظ شہید سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی ہمیشہ شہید کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ وہ سلسلۂ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اولاد پیغمبرؐ سے ہے۔ نیز اجمالاً شہید کے معنے بھی بیان کر دئے گئے ہیں۔ اگر شہید دوسرے مقامات پر اور معنوں میں استعمال ہو۔ تو بطور حمل مجاز ہوگا۔ اول شہید خدا ہے۔ پھر اس کا رسولؐ پھر امام۔ اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے۔ چونکہ بعض آیات قرآنی بعض دوسری آیات کی مفسر ہیں۔ معنے شہید کے آیۂ ذیل تفسیر کرتی ہے۔ "قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ

وَرَسُولُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
یعنی عمل کرو پس تحقیق کہ خدا اور اُس کا رسول اور مومنون تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں
پھر تم عنقریب عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال
کی خبر دیگا۔ اس آیت میں رویت خدا اور رسول اور مومنون کو سلسلہ وار ایک جگہ
ذکر کیا گیا ہے لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں۔ نحویین کہتے ہیں۔
یہاں ”س“ استقبال کیواسطے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا اور رسول
اور مومنون اعمال کو دیکھیں گے لیکن نہیں سمجھتے۔ کہ اگر (س) استقبال کے
معنوں میں لیا جائے تو کفر محض ہے کیونکہ نفی رویتِ باریتعالیٰ لازم آتی ہے کہ
اس وقت خدا ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا۔ اور ان سے بیخبر ہے اور یہ مطلقاً محال
ہے اور کفر حق یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنے نہیں دیتے۔ بلکہ
کلام خدا میں اکثر اس قسم کے الفاظ نیز الفاظ ترجی و تمنی وغیرہ تاکید کیواسطے
استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ بات قرآن سے معلوم ہوتی ہے یہ صحیح ہے۔ کہ سین
سوف استقبال کے لئے بھی آتے ہیں جیسا کہ اسی آیت کے دوسرے جز یعنی
سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ میں ہے جس سے مراد قیامت ہے اور اسی سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ آیت کے جزو اول ”فَسَیَرَی اللّٰہُ“ میں سین استقبال کے لئے نہیں
ہے۔ اور یہ غلط ہے کہ اس رویت سے مراد رویت قیامت ہے کیونکہ رویت قیامت
کا ذکر آیت کے دوسرے جزو ”وَسَتُرَدُّوْنَ“ میں موجود ہے پس ضرور اس رویت سے
مراد رویت دنیا ہی ہے کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا اور رسول خدا اور مومنون دیکھتے
ہیں اور مومنون سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں۔

(شبہ) کلام حمید مجید میں لفظ شہید جہاں خدا کیواسطے استعمال ہوتا ہے۔
تنہا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔ بہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے رسول کا وہاں

ذکر نہیں ہے اور دوسری جگہ جہاں رسول اور ائمہ کیواسطے استعمال ہوا ہے۔ وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شہادتِ خدا غیر شہادتِ رسول و امام ہے اور اس آیت میں رویتِ خدا و رسول و ائمہ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں رویت میں یکساں ہیں۔ اور یہ اطلاق کہ رویتِ رسول بعینہٖ مثل رویتِ خدا ہے۔ یا خدا اور رسول و امام آپس میں یکساں ہیں شرک ہے۔ اور منافی آیاتِ دیگر۔

جواب شبہ یہ ہے کہ اگر آیہ مذکورہ میں متعلق رویت یعنی عَمَلَکُمْ تمام موضوعات کے آخر میں مذکور ہوتا۔ تو بیشک سب کی رویت یکساں ہو سکتی لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ عَمَلَکُمْ بعدِ لفظِ "اللہ" مذکور ہوا ہے۔ جو متعلق ہے اور مطلب یہ ہے۔ کہ عمل سے بالذات صرف رویتِ خدا کو تعلق ہے اور اُسی کی رویت حقیقی و اصلی ہے اور رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کی بالعرض و بالتبع من جانب اللہ۔ لہٰذا رویت یکساں نہیں۔

قاعدۂ کلیہ جب کسی قضیہ میں موضوع متعدد ہوں۔ اور محمول ایک۔ جیسا کہ اس آیت میں موضوع تین ہیں۔ خدا۔ رسول۔ امام۔ اور محمول ایک یعنی رویتِ اعمال پس اگر محمول بعد موضوعِ اوّل مذکور ہو۔ تو موضوعِ اوّل پر حمل حقیقی ہوگا۔ اور باقیوں پر حمل بالعرض۔ اور یہاں ایسا ہی ہے۔ کہ عَمَلَکُمْ بعد لفظِ اللہ مذکور ہوا ہے۔ اور باقی موضوعات بعد میں۔ لہٰذا حمل

(نوٹ) سرکار علامہ نے اس مقام پر فرقہ شیخی و بابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مقابلہ میں اُن کے رئیس اور بانیوں کو کفشِ پا اور فُضلہ کے برابر بھی شمار نہیں کرتا۔ سوائے حسد اور بُغض اور کوئی وجہ نہیں۔ جو مجھ پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے۔

(مؤلف عفی اللہ عنہٗ)

روئیتِ اعمال اللہ پر حقیقی ہے اور پیغمبر و امام پر عرضی لہٰذا سب روئیت میں یکساں نہیں

ایراد بغرض جواب

آیۂ ذیل میں چار موضوع ہیں۔ اور ایک محمول
اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی شراب۔ جوا۔ انصاب اور ازلام (طریقِ جوا) پلید شیطانی عمل
ہیں (چونکہ رجس کو چاروں موضوع کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا چاہیئے۔ کہ چار
چیزیں شراب۔ جوا۔ انصاب۔ ازلام نجس و پلید ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے صرف شراب
نجس ہے نہ کہ جوا وغیرہ۔ ہاں حرام سب ہیں علماء اسی آیت سے شراب کی نجاست
پر استدلال لاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس آیت کو دلیل قرار دیا جائے تو چاہیئے کہ چاروں
کا حکم یکساں ہو۔ صرف شراب ہی کیوں نجس سمجھی جائے۔ مدعیانِ اجتہاد اس
جواب مدلل دیں ❊

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ
وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو
کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تم کو برائی اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے۔ اور یہ
کہ خدا پر افترا کرو۔ اور وہ باتیں کہو۔ جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت سے ثابت
ہے۔ کہ بدی فحش اور اپنی رائے سے حکم کرنا اور خلافِ حکمِ خدا حکم لگانا عمل
شیطان ہے اور ایسا شخص در باطن نجس و پلید ❊

قاعدہ کلیہ

معانیٔ الفاظ میں نسبت و اضافت بالوضع ملحوظ ہے
کسی لفظ کے معنے کرتے ہوئے اُسکے منسوب و مضاف الیہ
کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے اُس مضاف الیہ کے اعتبار سے لفظ کے معنے لئے
مثلاً لفظ علم خدا کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور پیغمبر کے لئے بھی اور عام لوگوں کیلئے
بھی جیسے اَللّٰهُ عَالِمٌ۔ اَلنَّبِیُّ عَالِمٌ۔ زَیْدٌ عَالِمٌ۔ پس کیا ہر جگہ لفظ علم آجانے پر مطلب

ہوگا۔ کہ علم کے معنے تینوں جگہ یکساں ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ علم خدا اور چیز ہے اُسکا علم حقیقی ذاتی ہے بخلاف پیغمبر کے وقس علیٰ ذالک آیہ شریفہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" میں لفظ صلوٰۃ خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ملائکہ کی طرف بھی۔ اور ہم کو بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے تو کیا صلوٰۃ کے معنے تینوں جگہ یکساں لئے جائینگے؟ اور کیا خدا بھی ہماری طرح سے درود بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ اس عبادت میں شریک ہے؟ اور کہتا ہے "اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد" اگر ایسا ہے تو پھر خدا بھی کسی دوسرے خدا سے دعا کرتا ہے "تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا" لہذا صلوٰۃ کے معنے تینوں جگہ یکساں نہیں۔ صلوٰۃِ خدا سے نزولِ رحمت مراد ہے۔ اور صلوٰۃِ ملائکہ استغفار اور صلوٰۃِ انسان بمعنے طلبِ رحمت غرض نسبت و اضافت کو معانی الفاظ میں ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جیسی ذات کی طرف لفظ منسوب ہو اُسی کی شان کے موافق معنے لئے جائیں پس اسی طرح سے آیہ مذکورہ "فسیری اللہ عملکم الخ" میں رویتِ خدا و رویتِ رسول اور رویتِ ائمہ یکساں نہیں ہیں۔ خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ رویتِ خدا ذاتی و حقیقی ہے اور رویتِ رسول و ائمہ بالتبع و بالعرض من جانب اللہ عطیۂ خدا ہے کیونکہ تمام کمالات و صفاتِ پیغمبری عطیات للنبیہ و منجانب اللہ ہیں نہ کہ حقیقی و بالذات پس اعمالِ عباد کے دیکھنے کی روحانی قوت بھی خدا نے اُنکو عطا کی ہے +

حقیقت و فضیلتِ صلوات

خداوند عالم واجب الوجود غنی بالذات و کریم بالذات ہے۔ جو چاہے دیدے۔ جس قدر چاہے دیدے اُسکے خزانۂ جود و سخا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ عطا و کرم موافقِ مراتب درجاتِ شخصیہ ہوتا ہے جس درجے کا جو شخص ہوتا ہے اُسی درجہ اُسکے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اگر کوئی ایک ادنےٰ درجے کے

آدمی مثلاً خاکروب پر مہربان ہو۔ اور اُسکو کچھ عطا کرے۔ تو اُسکی حیثیت کے موافق کچھ رقم اُسے دیدیگا۔ اور اگر ایک عالم کامل مدبر و دانا شخص پر اُسکا لطف و کرم ہو تو اُسکو حکومت و عہدہ جاگیر و منصب عطا کریگا۔ کیونکہ اُسکے لیئے وہی شایان ہے اگر ایک جاہل ادنے شخص پر ایسا کرے لوگ اُسکو سفیہ و احمق کہینگے کیونکہ اس نے اُسکو وہ چیز دی ہے جس کی اُسمیں قابلیت نہیں پس معلوم ہوا کہ قابلیت و استعداد عطا و کرم میں شرط ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہم ناقص و کم ظرف و کم استعداد جواد مطلق و غنی مطلق و کریم بالذات کے جود و سخا کی قابلیت و استعداد بالذات نہیں رکھتے ہم اُسکی رحمت واسعہ کے بلاواسطہ قابل نہیں اُسکے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ہماری مثال ایک ادنے کوزے کی ہے ؎ گنجائش بحر در سبو ممکن نیست۔ ہمارے ظرف کہاں اتنی قابلیت رکھتے ہیں کہ جنمیں رحمتِ الٰہیہ کی گنجائش ہو۔ لہذا رحمت واسعہ الٰہیہ کے لیئے ایک محلِ قابل کی ضرورت ہے تاکہ اولاً و بالذات اُس پر نزولِ رحمت الٰہی ہو۔ اور اس سے بالواسطہ ہم تک پہنچے۔ اور وہ محل قابل و مستعد اول ما صدر از مصدر ہے جسکی شان میں آیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ پس محلِ نزولِ رحمت الٰہیہ اولاً و بالذات وجودِ پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے اور چونکہ وہ بھی کریم و منظہر جواد مطلق مبدء فیاض ہے وہاں بھی بخل نہیں اسلیئے وہ ہم لئیموں اور بدبختوں کو پہنچاتا ہے پس ہم لئیم و بدبخت اُس ذات کریم کے لیئے مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں اور چونکہ وہ بخیل نہیں وہاں سے ہم پر تقسیم ہوتی ہے ✣

مثال حسّی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بڑے شہروں میں پانی کے نل لگائے جاتے ہیں۔ تو ایک مقام خاص پر پانی کے لیئے ایک خزانہ بنایا جاتا ہے۔ (واٹر ورکس) کہ اول حکام و منتظم وہاں پانی پہنچاتے ہیں۔ اور وہاں سے پھر بقدر ضرورت و خواہش اہل شہر کو تقسیم ہوتا ہے۔ اور جب اہل شہر کو زیادہ پانی کی

ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ حکام وافسران سے درخواست کرتے ہیں۔ تو وہ اُس خزانے
میں پانی کی مقدار بڑھا دیتے ہیں اور پھر وہیں سے اہل شہر کو پہنچتا ہے پس بلاشبہ
اسی طرح سے رحمتِ الٰہیہ کا خزانہ وجودِ اقدس نبویؐ ہے ہم جب محتاج رحمتِ خدا
ہوتے ہیں۔ تو مبدءِ فیاض سے طلبِ رحمت کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے خزانۂ معمور پر نزولِ
رحمت زیادہ کرے تاکہ وہاں سے ہم کو تقسیم ہو اور کہتے ہیں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ"
یعنی محمدؐ وآل محمدؐ پر نزول رحمت کو مزید فرما پس پیغمبرؐ وآل پیغمبرؐ خزانۂ رحمت آلٰہی
ہیں "قَالَ الْمَجْلِسِیُّ اِنَّھُمْ وَسَائِطُ فَیْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ ھٰذِہِ النَّشْاَۃِ وَالنَّشْاَۃِ
الْاُخْرٰی اِذْھُمُ الْقَابِلُوْنَ لِفُیُوْضَاتِ الرَّبَّانِیَّۃِ وَالرَّحْمَانِیَّۃِ لِقُدْسِیَّتِہِمْ وَبِتَوَسُّطِہِمْ
تَفِیْضُ الرَّحْمَۃُ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ وَھٰذِہِ الْحِکْمَۃُ فِیْ لُزُوْمِ الصَّلٰوۃِ عَلَیْھِمْ وَالتَّوَسُّلِ
بِھِمْ فِیْ کُلِّ حَاجَۃٍ لِاَنَّہٗ اِذَا صَلّٰی عَلَیْھِمْ لَا یُرَدُّ لِاَنَّ الْمَبْدَءَ فَیَّاضٌ وَالْمَحَلُّ قَابِلٌ وَبِبَرَکَتِہِمْ
تَفِیْضُ عَلَی الدَّاعِیْ بَلْ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ" یعنی علامہ فرماتے ہیں کہ اہلبیتؑ ہی
فیوض خدا کے وسائط ہیں کیونکہ فیوضاتِ الٰہیہ ورحماتِ قدسیہ کی وہی قابلیت رکھتے
ہیں اور انہیں کیواسطے سے تمام موجودات پر فیضانِ رحمت ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے
اُن پر درود لازم ہونے اور ہر ایک حاجت میں انہیں سے متوسل ہونے میں کیونکہ جب
ان پر درود بھیجا جائیگا۔ تو رد نہ ہوگا۔ اسلئے کہ مبدءِ فیاض ہے اور محل قابل اور اُنکی
برکت دعا کرنیوالے۔ بلکہ تمام مخلوقات پر فائض ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں "کُلُّ فَیْضِ وُجُوْدٍ
یَبْتَدِأُ بِھِمْ صَلَوٰتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ ثُمَّ یَنْقَسِمُ عَلٰی سَائِرِ الْمَوْجُوْدَاتِ" ہر ایک فیضِ وجود کی اول انہیں سے
ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر تمام موجودات پر منقسم ہوتا ہے۔ "فَفِی الصَّلٰوۃِ عَلَیْھِمْ اِسْتِجْلَابٌ
لِلرَّحْمَۃِ اِلٰی مَعَادِنِھَا وَلِلْفُیُوْضِ اِلٰی مُقَسِّمِھَا لِیَنْقَسِمَ عَلٰی سَائِرِ الْبَرَایَا" پس ان پر
درود بھیجنے میں رحمت کو معادنِ رحمت اور فیوض کو مقسم فیوض کی طرف کھینچنا ہے۔
کہ وہاں سے تمام مخلوقات پر تقسیم ہو پس چاہیئے کہ ہم ہمیشہ خزانۂ رحمت میں طلبِ رحمت کریں +

شہید کی مزید تشریح

خدا بالذات شہید ہے۔ اور پیغمبرؐ بالعرض لیکن اُسکے لیئے بھی شہید ہونے کے لئے وجودِ عینی وحضورِ جسمانی ضروری نہیں بلکہ اُسمیں از طرف خدا ایک قوت نورانی ایسی ہوتی ہے جس سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نور ہے کیونکہ روح نبوتی نفس نور ہے۔ اور فوق جمیع انوار بلکہ مبدا انوار ہے "ولکن جعلناہ نورًا" اور جسم بھی آپ کا نورانی "قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین" پس وہ جسم نور بلکہ نور علیٰ نور ہے۔ اور وہ قوتِ نورانی جس سے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اُسکے سارے جسم میں موجود ہے۔ اور اُسکا سارا جسم حسِ جلیدیہ ہے۔ تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے جو آنکھ کے اندر پردہ جلیدیہ میں ہے وہ تمام جسم سے جلیدیہ کا کام لیتا ہے بلکہ حسِ نورانی نبوتی ہمارے پردہ جلیدیہ سے کہیں افضل واکمل ہے کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شے حائل ہو جائے تو وہ نہیں دیکھ سکتی بخلاف پیغمبرؐ کے کہ اُسکو کوئی شے حائل و حاجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث بخاری و دیگر کتب احادیث وصحاح میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا "سووا صفوفکم ولا تسبقونی بالرکوع فانی اریکم من خلفی کما اریکم من قدامی" یعنی رکوع کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ لوہے کو جب خوب صاف وشفاف کر لیتے ہیں۔ تو اُسمیں صورت نظر آنے لگتی ہے پس اُس جسم اقدس کی کیا حالت ہوگی جس کو خدا نور کہتا ہے۔ "لقد جاءکم من اللہ نور" تمہارے پاس یہ خدا کی طرف سے ایک نور آیا ہے۔ اور جو خزانہ قوتِ برقیہ الٰہیہ ہو۔ اُسکو کوئی چیز حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ لباس اُسکے لیے مانع وحاجب نہیں۔ بلکہ لباس حکم جسم میں ہو جاتا ہے بلکہ کفشِ پا بھی۔ جس طرح آگ جب ایک سو بیس درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس وقت اُسمیں جو چیز ڈالو آگ بن جاتی ہے۔ اور مشتعل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے نورانیتِ وجودِ اقدس نبوی ہر شے پر غالب ہو جاتی ہے۔ لوہے کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے۔ تو اُس

طرف سے اُس طرف کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کیونکہ ہر جسم میں تخلخل و مسامات موجود ہیں پس جسم پیغمبر جو نور خدا ہے۔ وہ کیوں نہ ہر شے کو دیکھ سکیگا۔ اور کیوں اُس کا جسم مثل حس جلیدیہ نہ ہوگا جس کو خود خدا اپنے نور سے تشبیہ دیتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

ذکر کتاب ہندی ایک کتاب دیکھی گئی اسمیں لکھا ہے کہ شہادت میں امام بھی مثل پیغمبر ہے وہ بھی پیچھے سے اسیطرح دیکھتا ہے جسطرح آگے سے اور اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید پیغمبر امام کے سر کے پیچھے بھی ایک ایسی قوت ہولی جیسی آنکھ میں پردۂ جلیدیہ میں ہوتی ہے اُس قوت کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ گویا پیغمبر و امام کی تین آنکھیں ہوتی ہیں۔ (معاذ اللہ) واقعاً جو شخص اپنے کو اولی الامر کہے وہ پیغمبر و امام کی ویسی ہی تعریف کریگا۔ اور اپنا جیسا شخص جانیگا۔ وہ نورانیت پیغمبر و امام کو کیا سمجھ سکتا ہے اولی الامر کے بیان میں اصول کافی میں ایک باب مخصوص ہے۔ اور ایک سو سولہ آیہ قرآنی اس پر دال ہیں پس جو شخص اپنے آپ کو اولی الامر کہے وہ مذہب شیعہ سے خارج ہے پس اگر ایسا آدمی اُس شخص کو جو اسکے خلاف حقیقی درجۂ امامت و نبوت کو ثابت کرتا ہے۔ اور شبہات و اعتراضات کو رد کرتا ہے شیخی و بابی نہ کہے تو اور کیا کہیگا۔ کیونکہ وہ تو امام کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وہ کیا جانے کہ امام وہ ہے جو اندھوں کو بینائی بخشتا ہے۔ بصیرت باطنی ہی نہیں۔ بلکہ چشم ظاہری عطا کرتا ہے۔ دیکھو قصہ ابو بصیر یہ اندھے تھے۔ صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نابینائی کی شکایت کی فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ بینا

ہو جائے عرض کیا ہاں۔ حضرت نے اُسکی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ بینا ہو گیا۔ اور اُس کی روشنی اس قدر بڑھ گئی۔ کہ اطرافِ عالم و آسمان و ملائکہ کو دیکھنے لگا۔ اور عرض کیا۔ تمام عالم کو نورانی دیکھتا ہوں۔ (اسی وجہ سے اُسکو ابوبصیر کہتے ہیں) پھر امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا۔ تو چاہتا ہے کہ تجھ کو درجاتِ عالیہ حاصل ہوں۔ ؟ یا چاہتا ہے کہ اسی حالت پر رہے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ حضرت نے پھر اُسکی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ اور وہ ویسا ہی ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔

نہ صرف ہاتھ پھیرنا بلکہ امام وہ ہے۔ کہ ایک قطرۂ خون سے یہودی کو چشم بصیرت بخشتا ہے۔ مشہور روایت ہے کہ بعد قتلِ امام مظلوم ایک یہودی کہیں جا رہا تھا۔ ہمراہ اُسکے نابینا لڑکی تھی۔ ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ ایک کبوتر خون میں تر درخت پر آنکر بیٹھا۔ اُس کا قطرہ ٹپک کر اُس لڑکی کی آنکھ میں گرا۔ وہ فوراً بینا ہو گئی الخ۔ بہرحال امام مثل پیغمبر دیت اعمال میں مساوی ہے اور اُس کا دیکھنا کسی عضو خاص سے مخصوص نہیں۔ اور مومنون سے اس آیت میں ائمہ ہدیٰ مراد ہیں کیونکہ وہ ہی شہید علے الناس ہیں۔ خدا اپنے کو کریم کہتا ہے اپنے پیغمبر کو بھی کریم کہتا ہے اپنے کو رحیم فرماتا ہے پیغمبر کو بھی رحیم بیان کرتا ہے۔ اپنے کو رؤف کہتا ہے پیغمبر کو بھی رؤف سے خطاب کرتا ہے۔ اور امام ان تمام صفات میں شریک پیغمبر ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ یعنی جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا۔ اور وہ مرگیا۔ وہ موت جاہلیت مشرک۔ کافر یا منافق مرا۔

حدیث میں "لم یعرف" ہے "لم یعلم" نہیں ہے یعنی صرف جاننا کافی نہیں بلکہ معرفت (پہچاننا) ضروری ہے کہ وہ کون ہے۔ اور اُسکی صفات کیا ہیں ؟ کیونکہ معرفت امام ہی سے معرفت پیغمبر حاصل ہوتی ہے اور معرفتِ پیغمبر موجب معرفتِ خدا

پس جس نے امام کو نہ پہچانا وہ کافر ہے۔

فرقِ علم و معرفت

علم اور معرفت میں فرق ہے "فان المعرفۃ ادراک الشئی بتفکر و تدبر لاثرہ وھو اخص من العلم" یعنی کسی شے کے آثار میں تدبر و تفکر کر کے اُس کو ادراک کرنا معرفت ہے۔ اور وہ علم سے اخص ہے۔ اور علم اُس سے اعم اور ضدِ معرفت انکار ہے اور ضدِ علم جہل پس یہ کہنا تو صحیح ہے۔ کہ فلان یعرفُ اللہ فلاں شخص خدا کو پہچانتا ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلانٌ یعلمُ اللہ فلاں شخص خدا کو جانتا ہے اور معرفت مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان خدا کو اُس کے آثار ہی سے پہچانتا ہے۔ نہ بذریعہ ذاتِ خدا۔ کیونکہ تصورِ ذات باری تعالےٰ محال ہے۔ اور کہا جاتا ہے اللہ یَعلمُ خدا جانتا ہے۔ اور یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللہ یعرف کذا خدا پہچانتا ہے "فان المعرفۃ تستعمل فی العلم القاصر المتوصل بہ بتفکر" یعنی معرفت اس علم قاصر کے معنے میں استعمال ہوتی ہے۔ جو بذریعہ "تفکر فی الاثر" حاصل ہوتا ہے۔ پس صرف یہ جاننا کہ لوگوں کے لئے ایک امام ہوتا ہے یا امام ہے۔ کافی نہیں بلکہ اُسکے اوصاف و آثار کی معرفت ضروری ہے "لان ادراک ذات امر غیر مقدور والعلم ادراک الشئی بحقیقتہٖ فافہم" امام صفاتِ پیغمبر میں شریک ہے وہ بھی مثل پیغمبر شہید ہے۔ خواب و بیداری اُسکے لئے مساوی ہے پیغمبر تمام عوالم پر مبعوث ہے۔ اور سب کیلئے نذیر ہے۔ اور مقامِ پیغمبر آیاتِ ذیل سے ظاہر ہے "اذ راٰہُ نزلۃً اُخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشیٰ السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصرُ وما طغیٰ" سدرۃ المنتھیٰ انتہائے محل ترقی موجودات ہے علماً و عملاً۔ اُس سے اوپر محض نورِ جلال و جمالِ آلہی ہے پیغمبر اُس مقام سے بھی اوپر گیا۔ کہ جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں۔ کہ خود جبرئیلؑ فرماتے ہیں۔ "لَو دَنَوتُ اُنمُلَۃً لَاحتَرَقتُ" کہ اگر ایک اُنگلی برابر اوپر کا قصد کروں۔ تو انوارِ جلال سے جل جاؤں۔ نور سے جلنا فرمایا ہے نہ کہ نار سے۔ مقامِ تدبر ہے

انوارالٰہیہ سدرۃ المنتہیٰ کو احاطہ کئے ہوئے تھے پیغمبر نے تمام اشیا کو وہاں پر علماً و عملاً حقیقتہً چشمِ جسمانی سے دیکھا۔ اور آپ کی بصارت نے ذرا خیرگی نہ کی۔

آفتاب باوجودیکہ اس قدر بڑا ہے کہ زمین سے دوسو اٹھائیس (۲۲۸) گنا زیادہ ہے پھر بھی تمام زمین کو روشن نہیں کر سکتا۔ زمین کا سایہ پڑتا ہے اور رات ہو جاتی ہے بلکہ ایک انڈے کو بھی چاروں طرف سے روشن نہیں کر سکتا۔ مگر نورِ محمدی تمام اشیا پر محیط ہے۔ یہ ہے وہ قوت جس سے سول (۴) اعمال کو دیکھتا ہے اور اسی طرح سے امام جو اسکا قائم مقام ہے اور نورِ محمدی کی بابت خدا فرماتا ہے "وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" نورِ محمدی کو خدا ایک دن بالفعل کامل کریگا۔ اور وہ اُس وقت ہوگا جسکی بابت فرماتا ہے "اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" نورِ رب الارض سے زمین روشن ہو جائیگی اور وہ زمانۂ ظہورِ مہدیؑ ہے اُس سے نورِ آفتاب و مہتاب بیکار ہو جائینگے کیونکہ اُن کے نور بھی اسی نور سے ہیں پس جب وہ خود جلوہ گر ہوگا اُنکی ضرورت نہ رہیگی "وَاشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" غرض امام مثل پیغمبر احاطۂ نورانیہ رکھتا ہے اور کوئی شئے اُسکو حائل و حاجب نہیں اور تمام ائمہ اس وصف میں یکساں ہیں جس طرح سے بے تار کی تار برقی تمام آوازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ائمہؑ ہر آواز کو سنتے ہیں اور ہر شئے کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ مخزن قوتِ برقی الٰہی ہیں۔ اگر وہاں کچھ یا خلل واقع ہو۔ تو تمام عالم مختل ہو جائے۔ جیسا کہ خزانہ قوتِ برقی میں اگر خلل پڑ جائے۔ تو سب جگہ انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس وقت پشتِ زین سے زمین پر گرے عالم متزلزل ہو گیا زمین و آسمان میں زلزلہ آگیا۔ اس موقع پر بیان نہیں کر سکتا۔ کہ امام زمان جو شہید ہے اور تمام حالات کو دیکھتا ہے اُس کی کیا حالت ہوتی ہوگی نہ معلوم سید الساجدینؑ پر کیا گزری ہوگی۔ جو خود کربلا میں موجود تھے۔ خود حضرت زینب خاتون صلوات اللہ علیہا جو تالی امام ہیں۔ فرماتی ہیں۔ کہ بعد غارتِ خیامِ اہلِ حرم شتروں پر سوار کر کے قتل گاہ میں لائے گئے۔ جب قریب

لاشہائے شہدا پہنچے۔ ہر ایک نے خواہ مرد تھا یا عورت۔ بچہ تھا یا بڑا لونڈی تھی یا غلام اپنے
کو اونٹوں پر سے گرا دیا۔ مگر سید الساجدین نہ اُتر سکے۔ یہ مقام غور ہے کہ امام کیوں پیادہ
نہ ہوئے۔ کیا اُنکو باپ سے محبت نہ تھی؟ کیا وہ نامہربان تھے؟ نہیں نہیں بلکہ وجہ یہ
تھی۔ کہ آپکے پائے مبارک زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے میں خود نہیں کہتا۔ بلکہ امام
زمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آہ آہ اس وقت سے کہ جس وقت آپ کے اہل حرم
اسیر تھے۔ اور اُنکے پیر زنجیروں سے شکم شتر سے باندھے ہوئے تھے۔ غرض جس وقت
اہلِ حرم قتل گاہ پہنچے۔ اور ہر ایک نے بے اختیار اپنے کو اونٹ پر سے گرا دیا۔ سب
لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ایک دوسرے کو تسلی و تعزیت کرتے اور پرسہ دیتے تھے
کہ اتنے میں حضرت زینبؑ نے دیکھا حضرت زین العابدینؑ موجود نہیں۔ نظر کی تو دیکھا
اونٹ ہی پر سوار ہیں۔ "وَھُوَ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ" قریب بہ ہلاکت ہیں۔ جان پر کھیل رہے
ہیں۔ مگر اُتر نہیں سکتے۔ حضرت زینبؑ نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔ اے برادر زادے
تم تو حجتِ خدا ہو یہ کیا کر رہے ہو کیوں جان پر کھیلتے ہو؟ فرمایا۔ پھوپھی اماں۔ کیا تم
نہیں دیکھتیں کہ حجتِ خدا وہ ہے جو خاک و خون میں غلطاں بے سر زمین پر
پڑا ہوا ہے۔ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ"

موعظۂ ہشتم

۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِھِمْ ؕ
اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا

عَلَیہِ مِنۡہُ اِنَّمَا اُعۡمَلُ عَلَیۡکُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ترجمہ چاہتا ہوں کہ مطالب پہنچاؤں
مگر نہیں ہو سکتا۔ ایک امر بزرگ میرے قلب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو کچھ آج تک
بیان کیا گیا ہے وہ صرف مقدمات تھے نتیجہ و مطلب آج اور کل ظاہر ہوگا لیکن
جب نتیجہ کی نوبت آتی ہے۔ تو تم لوگ اسکو نہیں لیتے ضائع کر دیتے ہو۔ یعنی تم
لوگ روز عاشورا صورت عزاداری کو دوسری شکل میں تبدیل کر دیتے ہو جس کا ایک حصہ
اصل و حقیقت ہوتا ہے۔ اور باقی نو حصے بے اصل و مخالف۔ غرض اس وجہ سے
تم نتیجے کو اخذ نہیں کر سکتے۔ ہمیں شبہ نہیں کہ بعض باتیں ایسی ہیں۔ جو بلحاظ تذکر جائز
ہیں نہ بطور تعبد۔ اور یہ امور ایام عشرہ محرم الحرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ یہی قاعدہ
دوسری جگہ بھی جاری و ساری ہے لیکن لوگ ان باتوں کو جو بغرض تذکر (یاد)
جائز رکھی گئی ہیں بطور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بہت سی بدعت کی باتیں ان
میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ اسکی صورت تماشے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ
امور محض تماشہ بنجاتے ہیں جیسا کہ مشاہد و محسوس ہے +

بہترین شے اعمال روز عاشورا میں ذوالجناح کا نکالنا ہے نفس عمل اگر اغراض
شخصیہ و دیگر مفاسد و مناکر سے خالی ہو۔ موجب تذکر ہے۔ کیونکہ اسکی ایک صورت اصلیہ
واقعیہ روز عاشورا موجود ہے۔ کہ خالی ذوالجناح خبر لیکر خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا۔
مگر جب اس کو بطور اسباب تماشہ نکالا جائے۔ مقصود اصلی سے خارج ہے۔ دیکھا
جاتا ہے کہ بعض حضرات لباس فاخرہ پہنکر ذوالجناح کے ہمراہ جاتے ہیں۔ سگار
سگریٹ منہ سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ فاحشہ عورتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ اور اور
اغراض شخصیہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ باتیں بہت بری ہیں اور مخل و مضر غرض اصلی ہیں
یہ عزا و سوگواری کا دن ہے نہ تماشے اور زینت کا۔ روز عاشورا تماشہ نہ تھا۔ قیامت
صغرا پیا تھی کیا یہ تماشہ تھا۔ کہ باپ بیٹوں کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہا تھا ماں اپنے

جگر کے ٹکڑے پاش پاش دیکھ رہی تھیں بہنیں بھائیوں کے ذبح ہونے کا نظارہ کر رہی تھیں +

اگر ہم ذوالجناح لے کر غرض اصلی کے حاصل کرنے کے لئے جائیں تو بہتر ہے ورنہ اگر سیر و تماشہ کی غرض سے جاتا ہے تو بہت بُرا ہے۔ ہم کو ذوالجناح اس طرح نکالنا چاہئے اور ہماری صورت ایسی ہونی چاہئے کہ جو بے خبر لوگ سیر و تماشے ہی کی غرض سے آتے ہیں وہ بھی ہم کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوں۔ کہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں +

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

ذوالجناح وغیرہ کے بنانے اور نکالنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ اور آیۂ ذیل اس پر دال "یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ الرّٰسِیٰتٍ (سبا ع ۲) یعنی بنی جان حضرت سلیمانؑ کو محراب ہائے عبادت انبیائے سابقین اور اُنکی تمثالیں بنا کر دیا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمانؑ بغرض تذکرہ بنوایا کرتے تھے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تذکرہ (یادو) کی غرض سے تمثالیں وغیرہ بنوانا جائز ہے اور فعلِ پیغمبر۔ لہٰذا ذوالجناح بنانا یا شبیہ روضہ امام حسینؑ وغیرہ بنانا جائز ہے۔ مگر غرض وہی ہونی چاہئے۔ جو پیغمبر یعنی حضرت سلیمانؑ کی تھی یعنی محض تذکرہ کی غرض سے بنائے جائیں۔ نہ کہ عبادت کے واسطے۔ مطلب صرف یہ ہو۔ کہ ہماری یاد تازہ ہو۔ اور ہماری ساری توجہ کربلا کی طرف منعطف۔ اور اُس خونی منظر کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ ان تمثالوں کو اگر کوئی صاحبِ اثر سمجھے۔ کہ یہ بنا تھا ہمارے واسطے کچھ کر سکتی ہیں یا اثر رکھتی ہیں۔ تو وہ مرتکبِ فعل حرام ہے اور گنہگار یہی وجہ بت پرستوں کی مذمت کی ہے کہ وہ نفس تماثیل و تصاویر کو صاحبِ اثر جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اوّل اوّل حضرت ادریسؑ کے شاگردوں نے بغرضِ تذکرِ انبیاء علیہم السلام کی تمثالیں بنائیں

ایک مدت کے بعد لوگوں نے اُنکو عبادت میں داخل کرلیا۔ اور اُنکی پرستش کرنے لگے حضرت ابراہیم کے زمانے تک اُس کا رواج ہوگیا تھا۔ اسی واسطے حضرت ابراہیم اپنی قوم سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں "مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ" یعنی یہ تماثیل کیا چیز ہیں کہ تم جن کے گرد ہو رہے ہو۔ تمام بت پرستان بتوں کو خدا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ نفس تماثیل کو عند اللہ شفیع جانتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ "هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" یعنی یہ بُت خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں لیکن چونکہ خود ساختہ پتھر قابلِ شفاعت نہیں ہوسکتے۔ اسلئے اُن کو مشرک کہا گیا۔ کہ وہ اُن کو مظاہر صفاتِ خدا جانتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ اُنکو معبود بھی کہنے لگ گئے۔ اور لفظ "اللہ" اُن پر بولا جانے لگا۔ غرض ان تماثیل کی دو صورتیں ہیں ایک جائز یعنی جبکہ محض تذکر کے واسطے ہوں۔ دوسری ناجائز۔ جبکہ اُن کو صاحبِ اثر حقیقی شفیع سمجھا جائے۔

مسئلۂ تعظیم

اب رہا یہ امر کہ جن چیزوں کو بغرض تذکر بنایا جاتا ہے۔ اُن کی تعظیم بھی جائز ہے یا نہیں؟ ہاں صاحب خیر و برکت اشیاء کی تعظیم جائز ہے۔ اور قرآن اس پر شاہد ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" بیشک کوہ صفا و مروہ شعائر الٰہیہ سے ہیں "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" قربانی کے اونٹ کو ہم نے شعائر سے قرار دیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ "وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔ تو یہ بات اُسکے دلی تقوے کی نشانی ہے لیکن تعظیم کے یہ معنے نہیں جو ہندوستان میں عام طور پر خیال کیے جاتے ہیں یعنی سامنے جھکنا۔ سرنگوں ہونا۔ سجدہ کرنا۔ جن شعائر کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اُس کا یہ مطلب نہیں کہ اُنکو سجدہ کیا جائے۔ یا اُنکے سامنے سرنگوں

ہوں اور نہ ایسا کیا جاتا ہے۔ بلکہ اسی شتر قربانی پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ جنکو شعائر اللہ سے تبلایا گیا ہے۔ لہٰذا تعظیم کے یہ معنے نہیں۔ بلکہ تعظیم کے یہ معنے ہیں۔ کہ اُنہیں دیکھ کر خدا کو یاد اور اُس کا ذکر کریں۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے "فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا" یعنی اُس پر اسم خدا کا ذکر کرو۔ شعائر کے معنے علامات و نشانیاں ہیں۔ پس شعائر اللہ وہ خاص نشانیاں ہیں۔ جہاں ذکر الٰہی کا حکم ہے اور جہاں اور جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی۔ اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شے کی تعظیم اُس کی شان کے موافق ہوتی ہے۔ مسجد کی تعظیم یہ ہے۔ کہ وہاں عبادتِ خدا بجالائی جائے۔ اور لغو و مہمل باتوں اور کاموں سے اجتناب کیا جائے۔ اُس کو پاک و صاف رکھا جائے۔

مس کرنا و بوسہ دینا

جس طرح اشیاء متبرکہ کی تعظیم جائز ہے۔ اُسی طرح اُنکو مس کرنا۔ بوسہ دینا بھی نامشروع نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علے الصباح صطبل میں تشریف لیجاتے تھے اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے "اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" یعنی گھوڑوں کی پیشانی سے تا قیامت خیر وابستہ ہے۔ پس جسمیں خیر و برکت ہو۔ اُسکی تقبیل اور اُس پر ذکر خدا کرنا منع نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے۔ تو اُنکی گردنوں اور ٹانگوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مس کرتے تھے۔ "اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوْهَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ" ایک ایک گھوڑا حضرت سلیمان پر پیش کیا جاتا تھا۔ اور حضرت اُنکی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ غرض با خیر و برکت اشیاء کو مس کرنا درست و مباح ہے۔ اور فعل انبیاء علیہم السلام و علے ہذا القیاس

بوسہ دینا۔ بوسہ دینا یا تو بوجہ محبت ہوتا ہے جیسا کہ ماں باپ بیٹے کا مُنہ چومتے ہیں۔
اُسکی تعظیم کے لئے ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ بوجہ محبت۔ اور کبھی بوسہ تبرکاً وتیمناً دیا جاتا
ہے جس طرح کہ قرآن اور جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں۔ جلد قرآن معمولی چمڑہ ہوتا ہے
مگر قرآن کی جلد کہلانے اور قرآن کے ساتھ ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہوگیا
کہ اسکو چومتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح غلاف خانہ کعبہ سے ملحق ہونے سے
بابرکت ہوگیا۔ اور اسکو بوسہ دینا مس کرنا مستحب ہے کیونکہ خانہ کعبہ محل خاص
نزولِ رحمتِ پروردگار ہے۔ بلکہ اشیاء متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں۔ اور ایسے ہی انکو
مس کرنا و بوسہ دینا۔ دیکھو قصہ سامری ۔+

سامری قوم فرعون سے تھا۔ جب قوم کے غرق ہونے کا حکم ہوا۔ اور بنی اسرائیل
کو حکم ہوا۔ کہ وہ دریا سے گزر جائیں اور دریا شق ہوگیا۔ ایک سوار بنی اسرائیل کے
کے آگے آگے چلنے لگا۔ تاکہ خائف نہ ہوں۔ سامری نے دیکھا۔ اُس سوار
کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک ہے۔ اور ایک کیفیت خاص
رکھتی ہے۔ سمجھا۔ کہ اس میں کچھ اسرار ہے۔ اور اُس سوار کے گھوڑے کے
سموں کے نیچے کی کچھ خاک اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ اور بنی اسرائیل دریا سے
گزر گئے۔ پھر جب اُس کے نفس نے بہکایا۔ اور حضرت موسےٰ کی غیبت میں
اُس نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا۔ اور اُسمیں وہی خاک ڈالی تو اُس سے ایک آواز
پیدا ہوگئی۔ " عِجلاً جسداً له خوار " اور جب اُس سے دریافت کیا گیا۔ کہ یہ
گوسالہ متحرک کیوں ہے؟ اور بولتا کیوں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا " قَبَضْتُ
قَبْضَةً مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ " کہ میں نے رسول (قاصد مراد جبرئیل) کے نشان قدم
کی خاک ایک مٹھی بھر کر اٹھالی تھی۔ اُس کو میں نے اسمیں ڈالدیا۔ تو یہ بولنے لگا۔
یعنی وہ سوار جو بنی اسرائیل کے آگے آگے تھا۔ حضرت جبرئیل تھے۔ اور اُن کے

گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک تھی۔ اور اُس کا یہ اثر ہوا۔ کہ دھات کا جسم بولنے لگا گویا یہ اثر تھا برکتِ قدم حضرتِ جبرئیلؑ کا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت شے سے منسوب یا ملصق ہوتی ہیں وہ بھی باعثِ خیر و برکت و صاحبِ اثر ہو جاتی ہیں لہٰذا وہ چیزیں جو پیغمبر خاتم النبیینؐ و افضل المرسلینؐ اور اُن کی اولاد طاہرین مخدوم جبرئیلِ امینؑ کی طرف منسوب اور اُن سے ملصق ہیں وہ کیوں باعثِ خیر و برکت و صاحبِ اثر نہ ہونگی۔ جب جبرئیلؑ کے گھوڑے کے پیر کی خاک میں اثر ہے تو قدمِ ذوالجناح میں کیوں نہ ہوگا۔ حضرت رسولؐ کا گھوڑا جسے ذوالجناح کہتے ہیں۔ اُس کا اصلی نام مرتجز تھا۔ حضرت ہمیشہ اُسی پر سوار ہوتے تھے۔ روزِ عاشورا امام مظلومؑ اول ناقۂ قصویٰ پر سوار رہے۔ اور جس وقت حضرتؑ کا چاروں طرف سے دشمن نے احاطہ کر لیا ہے اُس وقت حضرتؑ نے اس مرتجز یعنی ذوالجناح کو طلب کیا۔ اور اُس پر سوار ہوئے۔ اور یہ وہی مرتجز ہے۔ جس نے حضرتؑ کی سُنائی خیمہ اہلِ حرم میں پہنچائی ہے۔ اسی طرح علم و نشان جو اُن علموں کی شبیہ ہیں۔ خود ایک اصلیت رکھتے ہیں۔ اور جب علمِ نبویؐ کی طرف منسوب ہوں تو بہت ہی متبرک ہو جاتے ہیں اسلیئے اُنکو مس کرنا او بوسہ دینا ناروا نہیں ہے +

بہر حال کل کی عزاداری گذشتہ نو روز کا نتیجہ ہے چاہیئے۔ کہ کل تمہاری حالت ایسی ہو۔ کہ گویا ابھی میدانِ کربلا سے آئے ہو۔ اور دیکھنے والے تمہاری حالت سے متذکر ہوں اور عبرت پکڑیں۔ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ صبر خصائص امامت سے ہے۔ کل وہ دن ہے۔ کہ امام مظلومؑ نے تمام اوصافِ نبوی و جملہ فرائض و احکام کو بجا لا کر اور کر کے دکھلا دیا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ امامت و خلافت خاندانِ نبوی ہی سے مخصوص ہے +

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو اس قدر
قتل کئے یہ امر خلافِ صبر ہے اور منافی رضا بقضاء الٰہی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ جب
حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے ہیں۔ اُسوقت حضرت نے فرمایا۔ کہ میں دشمنوں کے ستر آدمی
حمزہؓ کے عوض قتل کرونگا حکم خدا پہنچا تم کو اُن پر اتنی ہی زیادتی کرنی چاہیئے جتنی کہ
اُنہوں نے کی ہے! اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے پس معلوم ہوا کہ بطور انتقام دشمنوں کو قتل
کرنا خلاف صبر ہے! اور اس اعتراض کا جواب یہ ہی ہے۔ کہ یہ قتل بطور انتقام نہ تھا اور
اگر از روئے انتقام ہوتا۔ تو بیشک خلاف صبر ہوتا۔ امام زمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ
جد بزرگوار تم نے ایسا صبر کیا ہے کہ ملائکہ متعجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو
امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاف صبر نہ تھا۔ اور قتل دشمنان از روئے انتقام نہ
بلکہ یہ محض دفاع اور اتمام حجت کے لئے تھا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ میں تم
مغلوب و عاجز ہو کر شہید نہیں ہوتا ہوں بلکہ حفاظتِ دین کے لئے شہادت قبول کی
ہے۔ ورنہ اگر میں چاہوں۔ تو ایک دم میں تمہیں فنا کر دوں لیکن کیونکر یہ اتمام حجت
ہوا۔ کیا شجاعت۔ اور لوگوں کو قتل کرنا کوئی حجت ہو سکتا ہے؟ دنیا میں بہت سے
شجاع و بہادر گزرے ہیں۔ تو کیا اُنکی شجاعت اُنکی سچائی اور حقیّت کی دلیل ہے؟
ہاں بیشک جب شجاعت اس درجے پر پہنچ جائے۔ کہ طاقتِ بشری سے باہر ہو۔ تو وہ
ضرور حجت و علامتِ کرامت ہے +

اُس روز اسلام کامل اور کفر کامل کا مقابلہ تھا مسلم مطلق باسلام نبوتی کفار کے
مقابل تھا چنانچہ خدا فرماتا ہے " وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

پس وہ اس اُمت مسلمہ سے ہے جس کا حضرت ابراہیمؑ نے ذکر کیا ہے اُس نے اپنی اُس قوتِ روحانی سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ امام ذریت ابراہیمؑ و اولادِ رسولؐ ہی سے ہیں ۔

حیرت انگیز حسینی شجاعت

بعد ظہر جب تمام احباب و اصحاب و عزیز و اقربا یار و انصار شہید ہو چکے۔ یہانتک کہ شش ماہہ شیر خوار بھی گلے پر تیر ستم کھا کر باپ کی گود ہی میں باپ پر قربان ہو گیا۔ اور حسینؑ یکہ و تنہا رہ گئے۔ میدان جنگ میں تشریف لائے اور لشکرِ مخالف کے متقابل کھڑے ہو کر عمر سعد لعین سے مخاطب ہوئے اور اس طرح سے اتمام حجت فرمانے لگے اے لشکرِ جفا کار تین باتوں میں سے میری ایک بات قبول کر دیا تو مجھ کو چھوڑ دو۔ کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں ہو سکتا۔ تو مجھے پانی پلا دو۔ ملاعین نے کہا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اگر یہ بھی نہیں کرتے۔ تو پہلے مجھ سے ایک ایک شخص لڑنے کو آئے۔ کہا یہ منظور ہے۔ اول یزید ابطحی حضرتؑ کے مقابلہ کیلئے آیا۔ اور سامنے آنکر حضرتؑ کو سخت و سست کہنے لگا حضرتؑ نے بکمال وقار و صبر نبوتی ایک شمشیر اُس کے سر پر لگائی۔ جو زین تک کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ اور وہ دو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بعد ازاں دو شخص اور آئے حضرتؑ نے انکو بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ بعد ازاں تین آئے۔ اُن کو بھی حضرتؑ نے اسی طرح فی النار کیا۔ اسکے بعد چار شخص اور آئے اُنہیں بھی ایک ہی وار میں فی النار کیا۔ یہانتک کہ دس دس آنے شروع ہو گئے اور حضرتؑ نے اُسی مقام پر کھڑے کھڑے علاوہ مجروحین کے نو سو پچاس (۹۵۰) آدمی قتل کئے۔ یہ حال دیکھ کر پھر کسی نے جرأت نہ کی اور کوئی حضرتؑ کے مقابلہ پر نہ آیا شمر ملعون نے دیکھا۔ کہ لوگوں میں شور و غوغا مچ گیا ہے۔ گھبرایا۔ عمر سعد سے کہنے لگا۔ تو نہیں جانتا کہ یہ انزع البطین "علیؑ" کا بیٹا ہے کون اس کے مقابلہ میں

آسکتا ہے۔ چاہئے کہ چاروں طرف سے حملہ کیا جائے حضرتؑ کے پیچھے کی طرف خیام تھے
اور سامنے لشکر آخرکار چاروں طرف سے آکر احاطہ کر لیا۔

اس وقت حضرتؑ نے اُن پر حملہ کیا تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے فَشَدَّ عَلَیْہِمْ
(یعنی نہایت سخت حملہ کیا) فَکَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ مثل ٹڈیوں کے منتشر ہو گئے۔ اور
بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے تھے وَکَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ۔ اور اسطرح بھاگتے تھے
جسطرح شیر ببر سے وحشی جانور اور گدھے بھاگتے ہیں یعنی پیادوں کا وہ حال تھا۔ اور سواروں
کا یہ۔ فوج کے فرار کی یہ کیفیت تھی۔ کہ حضرتؑ اس حملہ میں اُنکو شکست دیتے ہوئے
نہر ایک قول کے ذوالکفل تک پہنچ گئے۔ جو اس مقام سے ۱۲ میل کے فاصلے
پر ہے۔ جہاں حضرتؑ نے اپنا علم نصب کیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر حضرتؑ اپنے
نیزہ کے پاس آئے اور فرمایا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تاکہ لوگ جان لیں کہ میں خدا نہیں
ہوں اور درجۂ امامت اُن پر ظاہر ہو۔ اس عرصے میں حضرتؑ نے جتنے لوگ قتل کئے
اُنکی تعداد مورخین بہت کچھ لکھتے ہیں۔ بعض تو دس ہزار تک لکھتے ہیں۔ مگر کم سے
کم شمار مقتولین (۱۹۵۰) ہے۔ اور ان حملوں کو صرف (۵۳) منٹ کا عرصہ لگا یعنی
۵۳ منٹ میں ایک ہزار نوسو پچاس آدمی قتل کئے۔ یہ شجاعت فوق طاقت بشری
دلیلِ امامت ہے پس حضرتؑ نے یہ حملات اثبات امامت کے لئے کئے تھے۔ نہ
ازراہِ انتقام۔ اور باوجود اس قدر قتل وخون کے اس عرصے میں حضرتؑ کے جسمِ
اقدس پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا جس وقت تک کہ حضرتؑ نے ایک آواز آسمان سے نہ
سنی۔ کوئی زخم جسمِ اقدس پر نہ کھایا۔

پس وجود امام میں ایک قوت ہوتی ہے۔ جو تمام قوتوں سے زیادہ ہے۔ گویا ایک
قوتِ برقی ہے۔ فوقِ تمام قویٰ۔ بلکہ وجود امام مخزن قوتِ برقی ہے کہ دوسروں کو
اس سے تقسیم ہوتی ہے۔ وہ قوت ہے کہ اگر یہ مامور ہوتے۔ تو یہ وجود عنصری بھی

عرش پر پہنچ جاتا لیکن چونکہ معراج خصائصِ نبوت سے ہے۔ لہذا ایسا نہ ہُوا۔ ورنہ ان سب کے بدن ایک ہیں۔ حدیث اسکی تصریح کرتی ہے۔ کہ پیغمبر و امام ایک جسم و ایک جان ہیں مشہور ہے۔ حدیث خرمائے صدقہ۔ کہ ایک مرتبہ پیغمبر کے سامنے صدقے کے چھوہارے رکھے ہوئے تھے امام حسنؑ جو نہایت کم سن تھے۔ انہوں نے ایک چھوہارا اُٹھا کر مُنہ کے قریب لے جانے لگے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا۔ کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا محرم یعنی فرمایا۔ ہیں کیا کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے۔ کہ صدقہ ہم پر حرام ہے یہاں پر حضرت نے لفظ علینا فرمایا ہے یعنی حضرت حسنؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا ہے اور بصیغہ جمع فرمایا کہ ہم پر صدقہ حرام ہے۔ ہم سب ایک ہیں۔ گویا اتحاد جسمانی و روحانی رکھتے ہیں اور سب کے سب تمام حالات میں یکساں ہیں نیز آیہ مباہلہ بالصراحت دال ہے۔ کہ یہ سب آپس میں ایک نفس ہیں کہ بصیغہ جمع فرمایا ہے۔ "انفسنا و انفسکم" ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر پر یہ اعتراض نہ کرے کہ پیغمبر نے ایک کم سن بچے سے اس قسم کا استفہام کیوں کیا۔ جو ایک باخبر جاننے والے شخص سے کیا جاتا ہے یعنی جناب امام حسنؑ سے فرمایا۔ کہ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ گویا مقصود یہ ہے۔ کہ تم جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ حسنؑ کا حال عوام الناس کا سا حال نہیں حسنؑ وہ ہیں۔ جو اُس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور تمام حلال و حرام سے واقف تھے۔ اس واسطے پیغمبر نے ایسا فرمایا تھا۔ "فان الحسن فی ذٰلک الوقت یلاحظہ اللوح المحفوظ"

چوبیس چیزیں خصائصِ نبوت سے شمار کیگئی ہیں جنمیں سے چند خصائص مشترکہ ہیں۔ نبی و امام میں۔ اور اٹھارہ مخصوص ہیں جناب ختمی مرتبت سے منجملہ انکے ایک آپ کے جسمِ اقدس کا بے سایہ ہونا ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئیگی۔ لیکن جب یہ نور فعلاً درجۂ کمال پر پہنچیگا "واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون"۔

اُس وقت یہ تمام صفات خصائص مع اشیاء زائدہ ظاہر ہونگی۔ اور اکمال واتمام اس نور کا وقت ظہور امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ ہوگا جس کا آئندہ ذکر آئیگا اور یہ صحیح ہے۔ اور آیات اس پر شاہد ہیں "فاستبقوا الخیرات اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا" خیرات کی طرف جلدی و سبقت کرو جہاں کہیں تم ہو گے خدا تم کو جمع کر لائیگا۔ اس سے مراد قیامت نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ قیامت میں اشرار کو جمع نہ کریگا۔ حالانکہ اس وقت حشر مطلق ہے۔ بلکہ مراد اس سے زمانہ مہدی عجل اللہ ظہورہٗ ہے۔ بارہ شخص ایک جگہ جمع ہو کر معراج کو جائیں گے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام +

نبی کی قوت اور معراجِ جسمانی

مخالفینِ اسلام جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ مدرک اُنکا کتب اہل اسلام ہیں۔ جیسا کہ پیغمبرؐ کی معراج جسمانی کے متعلق حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ شبِ معراج جسمِ پیغمبرؐ بستر پر سے غائب نہیں ہؤا تھا۔ بلکہ معراج معراج روحانی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح معاویہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اُس نے آیہ مجید "وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس الخ" کی تفسیر میں بیان کیا کہ معراجِ حضرتؐ محض روحانی خواب تھا۔ لیکن یہ حضرت عائشہؓ پر محض افترا ہے۔ انہوں نے ہرگز نہیں فرمایا۔ کیونکہ معراج بنابر ایک قول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں واقع ہوئی ہے اور حضرت عائشہؓ آخر سن ہجرت میں عقد پیغمبرؐ میں آئیں۔ اور بعد ہجرت آٹھ ماہ بعد مدینہ میں حضرتؐ کے گھر آئیں۔ پھر حضرت عائشہؓ کو بستر پیغمبرؐ کی کیا خبر۔ یہ محض تہمت ہے اگر حضرت عائشہؓ اس طرح فرماتیں۔ تو اُس وقت سب تکذیب کرتے۔ کہ تمہیں کیا خبر۔ تم شبِ ہجرت خانہ پیغمبرؐ میں کب تھیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُنہوں نے پیغمبرؐ سے سن کر روایت

کی ہوگی۔ تو چاہیے تھا کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فرماتیں۔ نہ کہ اپنا قول۔ البتہ یہ صحیح ہے
کہ معاویہ نے ایسا کہا لیکن اُس کا قول سند نہیں وہ اعلیٰ عدو پیغمبر تھا۔ اور
وہ اُس وقت مسلمان بھی نہ تھا۔ بعد فتح مکہ مؤلفۃ القلوب لوگوں میں داخل ہوا
ہے۔ بعدازاں مسلمانوں نے جو فلاسفہ کے قول سننے کے عادی ہوگئے تھے۔ کہ کوئی
جسم کرۂ ہوائی سے باہر نہیں جا سکتا تو انہوں نے بھی اعتقاد یہی کر لیا۔ کہ معراج
حضرتؐ روحانی تھی۔ نہ جسمانی اور ان روایات کی بھی تصدیق کر لی۔ منکرین نبوت
ہمیشہ اسی طرح کی حدیثیں بناتے رہتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام پر افترا کرتے ہیں۔ رہے
فلاسفہ سو اُنکے اقوال خود متضاد ہیں سند نہیں ہو سکتے۔ اولاً مقدمات میں بیان
کرتے ہیں کہ ہوا دو قسم کی ہے ایک اندرونی دوسری بیرونی اور ہر ایک جسم ان دونو
ہواؤں کے دباؤ سے قائم ہے۔ اور بیرونی ہوا کا اندرونی ہوا پر دباؤ پڑتا ہے
اور اندرونی ہوا اپنی کشش سے بیرونی ہوا کو اندر کھینچتی ہے۔ اور اس طرح سے
اندرونی ہوا باہر نکل آتی ہے اگر بیرونی ہوا کا دباؤ اور بیرونی ہوا نہ ہو۔ تو اندرونی
ہوا کے زور سے کھال پھٹ جائے اور جسم پاش پاش ہو جائے اور حسی ثبوت بھی
دیتے ہیں کہ سینگی لگانے میں سینگی کو ہوا سے خالی کر لیا جاتا ہے۔ اور جہاں سینگی
لگائی ہوتی ہے اُس مقام کی ہوا بھی چوس کر خالی کر دیجاتی ہے۔ اور سینگی کو چھبا
دیا جاتا ہے۔ تو اُس مقام سے جسم پھٹ جاتا ہے اور خون نکل آتا ہے۔ جو مشاہدہ
محسوس ہے غرض جب جسم پر بیرونی ہوا کا دباؤ نہ رہے یا جسم ایسی جگہ ہو۔ جہاں
یہ ہوا نہیں ہے۔ تو اندرونی گیس جسم کو پاش پاش کر دیتی ہے اور جسم سے خون
جاری ہو جاتا ہے اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں کب ممکن ہے۔ کہ کوئی
جسم اس کرۂ ہوا سے باہر چلا جائے یا آسمان پر پہنچ جائے لیکن انکا یہ استدلال
خود ہی اُن کے اصول کی رو سے باطل ہے کیونکہ ہوا بھی خود جسم ہے اور بہ تناقل

وانجذاب (دباؤ و کشش) اسمیں بھی موجود ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز بارش نہ برستی۔
اسی طرح اگر ہوا کے اوپر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ ہو اور مانع اٹھ جائے تو وہ منتشر
ہوجائے اور پھیل جائے۔ اور دباؤ سے خارج ہوجائے۔ اور اپنے مقام سے باہر
ہوجائے۔ اور اسی طرح زمین بھی فنا و متلاشی ہوجائے یعنی وہ قائل ہیں کہ کرۂ
ہوائی جو ایک جسم ہے۔ زمین کو چاروں طرف سے محیط ہے اور اپنے گرد کی ہوا کو
کشش دو زمین اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے پس ہم کہتے ہیں۔ کہ جب ہوا بھی ایک جسم ہے
اور تثاقل و تجاذب اسمیں موجود ہے۔ اور فلاسفہ اس کے قائل ہیں۔ کہ مثلاً ١٠٠
میل سے اوپر ہوا نہیں ہے۔ خلاء (اتومسفر) ہے تو اس کرۂ ہوائی پر کسی دوسری
چیز کا دباؤ نہ رہا۔ لہذا انکے اس قاعدۂ اولیہ کے موافق چاہیئے۔ کہ جسم ہوا بھی
منتشر ہوجائے۔ اور اس کا حجم خلاء کی طرف کو پھیلتا جائے۔ اور اسی طرح جب
زمین پر اس ہوا کا دباؤ نہ رہا۔ تو چاہیئے کہ وہ بھی فنا و متلاشی ہوجائے۔ حالانکہ
ایسا نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ اسکے قائل ہیں پس یا تو وہ اپنے اقوال میں تناقض صریح
کو تسلیم کریں یا اپنے قاعدے کی غلطی مانیں۔ علاوہ ازیں وہ قائل ہیں۔ کہ
آفتاب اول مخلوق ہے جو اجزاء فردیہ مادیہ کی حرکت و کشش دائمی طبعی سے
پیدا ہوا ہے۔ اور باقی تمام کرات و اجسام اسی کی کشش سے قائم ہیں اور یہی
مرکز عالم ہے پس اس بنا پر چاہیئے۔ کہ آفتاب اپنی کشش دائمی سے زمین کے
گرد کے کرۂ ہوائی کو اپنی طرف کھینچ لے۔ ورنہ یہ اصول باطل ہے۔ اور انکو قائل
ہونا چاہیئے۔ کہ ان تمام چیزوں کے سلسلۂ نظام کو قائم رکھنے والی اور ہی کوئی
قوت خارجی ہے۔ جو اس مادے سے بالا اور اس سے علیحدہ ہے۔ یہ جو قائل ہیں
کہ مادے میں حرکت دائمی ہے بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ حرکت کا مفہوم ہی حدوث
پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا حرکت بعد سکون ہے

یا حرکت بعد حرکت۔ اگر بعد سکون ہے۔ تو بھی قدیم نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے سکون موجود ہے اور اگر بعد حرکت ہے۔ تو بھی قدیم نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے حرکت موجود ہے۔ اور اسی طرح اوپر کو لیتے جاؤ کہ حرکت سے پہلے حرکت اور اُس حرکت سے پہلے حرکت الی غیر النہایت تو ضرور آخر میں منتہی بسکون ہوگی۔ لہذا حرکت کسی طرح قدیم نہیں ہوسکتی۔ حکماء نے دراصل جاذب و دافع ہی کو نہیں سمجھا۔ اور آخر کار انہیں سکونت اختیار کرنا پڑا ہے۔ تمام قوائے جاذبہ و دافعہ علۃ العلل و مسبب الاسباب کے دستِ قدرت میں ہیں۔ اور وہی موثر حقیقی ہے۔ تمام موجودات میں آور خزانہ ان تمام قوائے برقیہ و ابروقیہ کا وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اول صادر از مصدر ہے۔ ہر شے کو وہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی شئے اُس سے مافوق نہیں۔ الا خداوند عالم پس پیغمبرؐ کا معراج پر تشریف لیجانا اُسی قوت کے ذریعہ سے تھا جاذب بھی اُس کے اختیار میں ہے دافع بھی اُسکے ماتحت جب مشیت الٰہی ہو۔ جہاں چاہیے وہ جاسکتا ہے کوئی شئے اُسے مانع و حاجب نہیں ہوسکتی۔ قرآن ان تمام امور کو بیان کرتا ہے۔ "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ الخ" یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خالقِ عالم جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اول مسجد اقصےٰ تک لے گیا جس کے اطراف و جوانب بابرکت ہیں پس اصل لیجانیوالا خدا ہے جو قادر مطلق و خلاقِ عالم ہے۔

یہی قوت وجودِ امام میں بھی موجود ہے اور اسی قوت سے ہر شئے پر غالب آتا ہے۔ حسینؑ مظلوم نے لشکرِ مقابل سے تین درخواستیں کی ہیں۔ کہ ایک اُن میں سے پانی کی خواہش تھی۔ اور چند مرتبہ پیاسا گیا اور متعدد طرق سے اُسکو ظاہر کیا۔ اور پھر دریا پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا۔ حالانکہ شدت تشنگی کا یہ حال تھا کہ تقریباً ۹ بجے صبح کے حرؑ بن یزید ریاحی لشکر مخالف کے مقابل تشریف لے گئے۔ اور اُن سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے

اے لوگو تم نے اس عبدِ صالح کو بلایا۔ اور اب تم اس کے ساتھ مکر و حیلہ سے پیش آئے
وہ جانے کی اجازت مانگتا ہے مگر تم نہیں چھوڑتے اور پانی کو اس پر بند کر دیا ہے جس
کفار و مشرکین سگ و خوک پیتے ہیں اور تشنگی کی یہ شدت ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچے
شدت تشنگی سے اٹھ نہیں سکتے۔ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور گر پڑتے ہیں انتہے الیس جب
صبح کے وقت پیاس کی یہ شدت تھی۔ تو عصر کے وقت کیا حال ہوگا؟ مگر معلوم نہیں
کیا سبب تھا۔ کہ کنارہ فرات پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا؟ سبب اس کا یہ تھا۔ کہ خدا
فرماتا ہے۔ "استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ" اور یہ روزان تمام باتوں کے عمل کرنے
کا ہے۔ حسینؑ نے فرات میں داخل ہو کر دکھایا۔ کہ ہم دریا لے سکتے ہیں لیکن داخل ہو کر
بھی پانی نہ پیا۔ تاکہ عمل کی مثال قائم کریں۔ اور دنیا سے پیاسے اور روزہ دار اٹھیں
کہ باوجود قدرت کے اس طرح کا صبر کیا کرتے ہیں جو صبر کے اصلی معنے ہیں۔ اور صبر
امام یہ ہے۔ جو دلیل امامت ہے اور یہ اثر اسی قوت کا ہے۔ جو نبی و امام کیلئے
مختص ہے ۔

دومرتبہ اس کلمہ کا اظہار فرمایا۔ سات حملے لشکر پر کئے۔ تیسرے حملہ میں نہایت
غضبناک ہوئے۔ نہ معلوم کیا وجہ تھی بعض مورخین کہتے ہیں۔ کہ نہر علقمہ پر لاش برادر
دیکھ کر غضب میں آئے تھے ابن تمیم نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کسی دل شکستہ کو
مثل حسینؑ جری و پردل نہیں دیکھا۔ کہ جس کے بھائی بھانجے۔ بھتیجے۔ بیٹے سب قتل
ہو چکے تھے مگر اس حالت میں اس نے مثل شیر غضبناک حملہ کیا۔ اور نہر علقمہ میں
داخل ہو گئے۔ اس وقت ایک آواز سنی۔ کہ کوئی کہہ رہا ہے لا علے قول) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ "اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یعنی وقت شجاعت
ختم ہوا۔ یہ وقت شہادت ہے " فَکَفَّ عَنِ الْقِتَالِ وَوَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی یَدِہٖ
وَقَالَ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے

ہو گئے اور فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یعنی ہم ہر حال میں راضی برضا ہیں جب لشکر مخالفین نے دیکھا۔ کہ حسینؑ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ چاروں طرف سے گھیر لیا میں بیان نہیں کہہ سکتا کہ کیا کیا۔ اس وقت امیر المومنینؑ کی تاریخی یعنی دیکھا گیا۔ کہ عمامہ دو ٹکڑے ہے آپ نے نہ چاہا۔ کہ بہنیں آپ کو اس حال سے دیکھیں دامنِ قبا پھاڑ کر سر کے زخم پر باندھ لیا۔ قربان بیکسی مظلوم پر۔ کہ کوئی اتنا بھی نہ تھا۔ کہ زخموں پر پٹی باندھے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظۂ نہم

۱۰۔ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

انقلاب و اضطراب عالمِ امکان

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ الخ۔ آج کے دن دنیا میں ایسا عجیب و ہولناک واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے جس سے ماسوائے اللہ عرش سے فرش تک جمیع موجودات خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس متاثر ہوئے ہیں قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب چاند زمین و آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کو گہن لگتا ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ بوجہ کمی حرارت و سوزش آفتاب کو گہن لگا ہے کہ خود حرارت کو لے لیتا ہے اور معلوم ہے کہ جب تک اس میں تاثیر ہو اور کسی حادثے سے متاثر نہ ہو حرارت

کم نہیں بجز تی پس معلوم ہوا۔ کہ اس واقعہ ہائلہ سے اجرام فلکی بھی مثل آفتاب بے متاثر ہوئے نہ رہ سکے۔ لااس دن آفتاب کو گہن لگنا اس پر دال ہے۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ غرض اس روز کے خونی منظر نے تمام موجودات میں اثر کیا۔ مگر ذات واجب الوجود کہ وہ محل عوارض و حوادث نہیں ہے اُس کو رنج والم نہیں پہنچتا۔ البتہ آثار ملال اُس سے بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ملا محتشم نے باحسن طریق اسکو ظاہر کیا ہے کہ جس وقت قطرۂ خون حسینی زمین پر گرا عرش ذوالجلال متزلزل ہو گیا ہے

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ملا مرحوم نے اول ایک مصرعہ کہا اور چھ ماہ تک متفکر و حیران رہے۔ مگر دوسرا مصرعہ نہ ہوا آخر کار ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ کہ یہ مصرعہ لکھو اور مصرعہ ثانی بتلایا۔ اس شعر میں ملّا نے بطور تعمیہ غضب و قہر الٰہی کو بیان کیا ہے یعنی غضب و قہر ذات الٰہی پر عارض نہیں تا اُلم سے اسکی ذات منزہ ہے لیکن اُس کا اثر یعنی انتقام و تعذیب وغیرہ اس سے ظاہر ہوتا ہے پس اس واقعۂ ہائلہ سے خداوند عالم اہل دنیا پر غضبناک ہوا۔ اور آثار قہاریت اُس سے ظاہر ہوئے ۔!۔

حسینی شہادت کا دردناک منظر

اُس روز شروع جنگ سے حضرتؑ پر تین حالتیں گذری ہیں۔ ایک وہ حالت ہے جبکہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسری وہ حالت ہے۔ کہ جب حضرت پشت زین سے زمین پر تشریف لائے اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت بیٹھنے سے بھی معذور ہیں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حالت اول میں تمام ذرات عوالم کی توجہ حضرت کی طرف مائل رہے۔ اور اُس کے آخر وقت میں یعنی جب گھوڑے سے گرنے لگے ہیں عقول قادسہ میدان کربلا میں حاضر ہو گئے اور جس وقت گھوڑے سے گرے ہیں۔

اس وقت ذوات علویہ و موجوداتِ سماویہ سے کوئی باقی نہ تھا۔ جو کربلا نہ پہنچ گیا ہو۔ یہ ملائکہ اس وقت کیوں کربلا میں آئے تھے؟ وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام نے نعرہ نصرت بلند کیا۔ اور فرمایا " ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا " (کیا ہمارا کوئی ناصر و مددگار ہے۔ جو ہماری نصرت و یاری کرے) یہ آوازِ امام و ولی زمان آوازِ ابراہیمی تھی۔ تمام موجودات و ذراتِ عالم امکان میں پہنچی۔ عالم امکان میں زلزلہ پڑ گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب حکم ہوا کہ " اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ الخ " لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ اور ندا دو حضرت ابراہیم نے آواز دی۔ تمام موجوداتِ محسوس اور غیر محسوس کو پہنچی جس نے لبیک کہا وہ حج کو جاتا ہے اور مشرف ہوتا ہے جس نے لبیک نہیں کہا وہ ہرگز حج نہیں کر سکتا اسی طرح سے یہ آوازِ امام آوازِ مطلق تھی جمیع ذراتِ عالم کو پہنچی۔ کہ امام زمان فرماتے ہیں " فضجت الملائکۃ " یعنی ملائکہ میں شور و غوغا برپا ہو گیا۔ اور انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ کہ عترتِ رسولؐ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ کہ عالم امکان مع عرش اعظم متزلزل ہے اور اجازت چاہی کہ نصرت حسینؑ کو میدان کربلا میں پہنچیں حسینؑ مظلوم کے اس استغاثہ میں خداوند عالم بھی شامل ہے۔ کہ استغاثہ مطلق ہے۔ کہ کون میرا ناصر و مددگار ہے۔ لہذا اس استغاثہ کا جواب اول باری تعالےٰ سے ملا۔ اور ایک کاغذ سفید حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر گرا۔ اس میں لکھا ہوا تھا اے حسینؑ! ہم نے تمہارے اوپر شہادت کو واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ مختار ہو چاہے اختیار کرو۔ چاہے نہ کرو۔ تمہارے درجات و مراتب میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی۔ حضرتؑ نے شہادت کو اختیار کیا۔ بعد ازاں ملائکہ آئے۔ کہ حضرتؑ کی نصرت کریں حضرتؑ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بار الٰہا میں انکی مدد نہیں چاہتا۔ تیری لقاء کا خواستگار ہوں کیوں حضرتؑ نے نصرت نہ چاہی فعل امام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا حکمت ظاہر ہے۔ جب حضرتؑ تنہا رہ گئے ہیں۔ نہ بھائی ہیں

نہ بیٹے نہ بھانجے نہ بھتیجے نہ احباب نہ اصحاب اس وقت حضرت زندہ رہ کر کیا کرتے اس کے بعد منظر ہولناک شروع ہوا حتےٰ کہ وہ حالت ہوئی۔ کہ ملائکہ مقربین مثل حاملان عرش بھی زمین پر آگئے اور یہ حالت یعنی حالت سواری ختم ہوئی۔ اور دوسری حالت یعنی پیادگی کا وقت آیا۔ لیکن یہ امر کہ حالتِ سوار و پیادگی میں کتنا فاصلہ تھا۔ اور کس طرح سے زمین پر تشریف لائے۔ اور کہاں؟ میں بیان نہیں کر سکتا گرنے کی کیفیت کو مورخین نے نہیں لکھا۔ کہ حضرتؑ کس طرح سے زمین پر گرے مگر بقول امام زمان عجل اللہ فرجہٗ وہ حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ کیونکہ حضرت کا فقرہ یہ ہے: "هَوَيْتَ اِلَى الْاَرْضِ جَرِيْحًا" اور ہوی کے معنے سر کے بل گرنے کے ہیں یعنی مقصود امام زمان عجل اللہ ظہورہ کا یہ ہے کہ اے جد بزرگوار جب تیغ و سنان۔ نیزہ و تیر کے زخموں سے آپکا جسمِ اقدس گھائل ہو گیا۔ اور پشتِ زین پر نہ سنبھل سکے تو مُنہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ داہنے رخسار کے بل زمین پر گرے اس وقت زمین کانپ اُٹھی۔ اور زلزلہ پیدا ہوا۔ ملائکہ موکلین کو حکم ہوا۔ کہ تھام لو۔ جو لوگ زیارت روضہ اقدس سے مشرف ہوئے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہو گا۔ کہ وہاں نہر حسینیہ کیطرف ایک مقام بنا ہوا ہے۔ جو مقام حضرت حجت عجل اللہ کے نام سے موسوم ہے اور مقام حضرت صادق علیہ السلام نہر علقمہ کیجانب ہے کہ جہاں حضرتؑ قیام فرماتے اور رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے میرے چچا حضرت عباسؑ دخل فوات ہوئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام حضرت حجت عجل اللہ فرجہ وہ مقام ہے۔ جہاں امام مظلوم گھوڑے سے گرے وہ جگہ اس مقام سے جہاں اب ضریح حضرت ہے بہت فاصلہ پر ہے نہ معلوم کس طرح امام مظلومؑ یہانتک پہنچے۔ اور کتنی جگہ قیام فرما کر یہاں آئے حضرت کے یہاں پہنچنے کی حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ تواریخ میں لکھا ہے: "تَارَةً يَنُوْءُ وَتَارَةً يَكْبُوْا وَيَقُوْمُ مَرَّةً وَتَكْبُ اُخْرٰى"

کبھی تو آپ کھڑے ہو کر چند قدم چلتے تھے اور کبھی منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔
کیوں حضرات کیا وجہ تھی۔ کہ امام مظلوم گر گر پڑتے تھے؟ آپ سمجھتے ہونگے۔ کہ ضعف
کی وجہ سے۔ ضعف نہ تھا بلکہ جب حضرت اُٹھ کر چند قدم چلتے۔ کوئی شقی نیزہ مارتا
اور کوئی تلوار اور حضرتؑ گر پڑتے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آیا اُس وقت
حضرتؑ کے ساتھ ہتھیار تھے یا نہیں؟ اُس وقت کوئی ہتھیار حضرتؑ کے پاس نہ
تھا۔ کیونکہ جب گھوڑے سے گرے ہیں حضرتؑ نے ذوالفقار زرہ۔ ذوالفصول عمامہ
سحاب اور تمام تبرکات گھوڑے سے باندھ دئے کہ لیجائے۔ اور وہ ایک تلوار جو
گھوڑے سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ کمر سے باندھ لی کیونکہ حضرت عازم الی اللہ تھے
تبرکات نبوی کو جدا کر دیا کہ اُس کے مستحق کو پہنچا دئے جائیں۔

غرض جس وقت زمین متزلزل ہوئی اہل بیتؑ نبوی سمجھ گئے کہ کیا ماجرا ہے۔
خیموں سے نکل کر تل زینبیہ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور میدان کی طرف دیکھنے لگے
دیکھا کہ فوجوں کے گروہ گروہ ایک طرف کو جاتے ہیں اور پھر واپس آ جاتے ہیں۔
آخر کار یہ معرکہ آہستہ آہستہ خیمہ گاہ کے مقابل آ گیا۔ اُس وقت اہل حرم نے معلوم
کیا۔ کہ حسینؑ مظلوم اسی جماعت میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ لوگ اُن پر حملے کر رہے
ہیں۔ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں۔ کہ اُس وقت تیس ہزار آدمی حضرتؑ کو گھیرے
ہوئے تھے۔ اور اُن کے قتل کو ثواب جانکر بڑی بے رحمی سے قتل کر رہے تھے اُس
وقت ایک دستہ فوج جو اہل حرم کے سامنے تھا دوسری طرف ہٹ گیا۔ تب اُنہوں نے
دیکھا۔ کہ حسینؑ مظلوم تلوار ٹیکے بیٹھے ہوئے ہیں اسی اثنا میں ایک بچے کی نظر حضرتؑ پر
پڑی عورتوں کی صف سے جدا ہو کر امامؑ مظلوم کی طرف دوڑا۔

شہادت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ

اس لیٹے ہوئے قافلہ کی سالار حضرت زینبؑ
خاتون نے جو دیکھا۔ دوڑ کر پکڑ لیا۔ اور

فرمایا ابنِ قُرّۃُ عَینِی "اے نورچشم کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا پھوپھی اماں میرے چچا جان کو دیکھتی ہو کہ کس حالت میں ہیں اِس حالت کو امام مظلوم ملاحظہ فرما رہے تھے آواز دی اے بہن اس بچے کو نہ چھوڑنا۔ مگر مظلومیت حسینی کی کششِ مقناطیسی کب چھوڑتی۔ بچے کا دامن پھٹ گیا۔ اور وہ میدان کی طرف چلدیا صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا۔ اور اپنے آپ کو حضرتؑ پر گرا دیا جب اشقیا نے حملہ کیا۔ تو اُس نے دونو ہاتھ حضرتؑ کی گردن میں ڈال دئے حضرتؑ نے اُس سے فرمایا۔ اے نورِ دیدہ تو یہاں کیوں آیا ہو؟ عرض کیا۔ کہ حضرتؑ کو اس حال میں دیکھوں۔ اور حاضر نہ ہوں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے حضرتؑ اسکی طرف متوجہ تھے۔ کہ پیچھے سے ایک ہاتھ اٹھا چاہتا تھا۔ کہ حضرتؑ پر وار کرے بچے نے حضرتؑ کی گردن سے ہاتھ نکال کر حضرتؑ کے سامنے بلند کر دئے۔ اس ملعون شقی کی تلوار لگی۔ اور ایک ہاتھ اُسکا قطع ہو گیا حضرتؑ نے اُسکو گود میں لے لیا اُس وقت تین شخصوں نے حضرتؑ پر حملہ کیا اور ابن شریک ملعون نے ایک تلوار حضرتؑ کے شانے پر ماری جس سے حضرتؑ کا بازو سست ہو گیا۔ اور ان ملاعین نے اُس بچے کو حضرتؑ کی گود سے کھینچ لیا۔ اور حضرتؑ کے سامنے ذبح کر دیا۔ اس کشاکش میں ارکانِ عالم مضطرب ہو گئے۔

اب تیسری حالت شروع ہوئی اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی حضرتؑ دونو ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اُس وقت تمام ملائکہ و تمام انبیا و اوصیاء اولیا وہاں موجود تھے سابقا بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرتؑ روزہ دار تھے۔ اور دنیا سے روزہ دار ہی اُٹھے۔ جناب رسولِ خدا بار روزہ نہیں سدھارے۔ اور نہ حضرت امیر المومنین روزہ دار گئے۔ اور نہ امام حسنؑ۔ یہ امر سید الشہدا ہی سے مخصوص تھا۔ کہ دنیا سے با روزہ تشریف لیگئے۔ کیونکہ یہ حقیقتِ دین کے اظہار کا دن تھا۔ اور عمل کرکے دکھلانے کا روز تھا۔ تینتیس زخم شمشیر کے لگے ہوئے تھے۔ اور نیزوں کا تو شمار ہی نہ تھا۔ اور زخمی کو بہت شدت کی

پیاس معلوم ہوا کرتی ہے لیکن باوجودیکہ فرات پر پہنچے۔ مگر پیاسے رہے۔ پانی نہ پیا تاکہ حقیقتِ صوم کو عملاً ثابت کریں۔ صرف سیبِ بہشتی کو سونگھ لیتے تھے جو حضرت رسول خدا کے وقت سے چلا آرہا تھا۔ اس وقت جب جسمِ اقدس سے خون بہت ہی نکل گیا۔ اور پیاس کی شدت ہوئی تو حضرت نے وہی سیب نکالا۔ اور اُس کو دندانِ مبارک سے کاٹا تو اُس سے خون جاری ہوگیا یہ خون امامؑ تھا جس نے سیب میں اثر کیا ہوا تھا۔ اور اسی خون کا اثر ہے۔ جو آج بھی ماتمیوں کے شانوں سے جاری ہے۔ غرض حضرتؑ نے وہ سیب آسمان کی طرف پھینکدیا حضرت جبرئیلؑ جو حاضر رکاب تھے اُنہوں نے لے کر اس کو بہشت میں ڈالدیا خون حسینؑ کی بو سے تمام بہشت ماتم سرا بن گیا۔

آیا پیغمبر خدا و علیؑ مرتضےٰ و فاطمہ زہرا و حسنؑ مجتبےٰ بھی میدان کربلا میں موجود تھے یا نہیں؟ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مومنین تصور فرمائیں کہ جب حضرت زہراؑ کربلا میں موجود تھیں اور اپنے لختِ جگر کی یہ حالت دیکھ رہی تھیں تو اُن کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ایک شخص سفید پوش کو دیکھا گیا۔ کہ حضرت حسینؑ مظلوم کے نیزے کے نیچے پھر رہا ہے۔ اور فریاد کرتا ہے کسی نے دریافت کیا اور کہا۔ اے شخص تو دیوانہ ہوگیا ہے۔ کہا میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں پیغمبر خداؐ کو دیکھتا ہوں کہ بالباس خون آلودہ نوحہ و فریاد کر رہے ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

موعظۂ دہم

۱۲۔ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

علتِ غیبتِ امام | یوم ندعوا کل اناس بامامھم

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝

ان دس روز یعنی ایام عشرہ محرم میں عنوانات مختلفہ وعبارات متفاوتہ میں قرآن سے ثابت کیا گیا کہ ہر زمانے میں ایک وجود حقیقی باطنی یعنی امامؑ موجود ہے امام کے معنے "یؤتم بہ وما یقصد بہ" ہیں یعنی وہ شخص یا وجود جس کی طرف جمیع موجودات رجوع ومیل کریں اور تمام انسان قلباً وباطناً اُس سے وابستہ ہیں جس طرح سے بے تار کی برقی ہر ایک ہوا کو جس میں وہ آواز ہوتی ہے اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے اسی طرح سے امامؑ تمام ذرات عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام موجودات اُس کی طرف متوجہ اور اُس سے وابستہ ہوتی ہیں لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس قوت جاذبہ کے لوگ بظاہر اُس سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ اور کیوں وہ اپنی قوت قہریہ جاذبہ سے اُن کو اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا؟ اور کیوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ حالانکہ اُس کو کسی کا خوف نہیں ؁

جواب اس کا ظاہر ہے کہ کیوں لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں کیونکہ اُس کا وجود وجود خدا سے ظاہر تر نہیں ہے اور نہ اُس کی قوت قوت خدا سے زیادہ ہے پس لوگ کیوں خدا سے اعراض کرتے ہیں یہانتک کہ بہت سے لوگ قطعاً وجود خدا ہی کے منکر ہیں علےٰ ہذا القیاس پیغمبرؐ سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ کیوں سب اُس کی تصدیق نہیں کرتے؟ کیوں اُس کی فرمائش پر پورا پورا عمل نہیں کرتے؟ پس جو جواب یہاں دیا جاتا ہے وہی وہاں بھی ہو سکتا ہے ؁

علاوہ ازیں اس اعراض کے لئے ایک اصل بھی ہے وہ یہ کہ صفت امام کی جسے خدا بیان فرماتا ہے "وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" یعنی اسی طرح سے تمہیں ایک امت وسط بنایا گیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور وسط (اعتدال) سے یہ مراد نہیں۔ کہ اُس کے ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک۔ کان۔ قد معتدل و متوسط ہوں۔ اگر ایسا ہو تو چاہیے۔ کہ ہر مستوی القامت و مستوی الخلقت آدمی امام ہو جائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ امام میں درجۂ اعتدال ضرور ہے لیکن اعتدال کو سمجھنا چاہیے۔ کہ کونسا اعتدال مراد ہے اعتدال کے چند درجے ہیں۔ ایک اعتدال وہ ہے جو ذات احدیت و ذات واجب الوجود کے لئے ہے۔ کہ وہ عادل ہے۔ بلکہ عین عدل ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" اور اُس کا عدل عدلِ ذاتی ہے پس جو شخص خلیفہ و جانشین خدا ہو۔ چاہیے کہ وہ عادل ہو۔ اور عدل ذاتی رکھتا ہو۔ اور وہ ممکن و واجب کے درمیان واسطہ ہو۔ ممکن بالذات و واجب بالغیر ہو یعنی واجب الوجود سے کم اور ممکن (یعنی موجودات) سے بالاتر ہو خدا سے لے اور مخلوقات کو پہنچا دے۔

مثال۔ آفتاب کے لئے ایک مقام مقرر ہے اُس سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو تمام موجودات کو روشن اور منور کرتی ہیں اور یہ شعاعیں آفتاب سے کبھی جدا نہیں ہوتیں مگر عین آفتاب بھی نہیں آفتاب دوسری چیز ہے اور اُسکی شعاعیں اور۔ دونوں کی ذات ایک نہیں آفتاب کی شعاعیں ہیں نہ کہ عین آفتاب اور آفتاب انہیں شعاعوں کے ذریعے سے باعثِ روشنی اور تربیتِ عالم ہے اور جب تک آفتاب ہے وہ شعاعیں بھی ہیں۔ یہ شعاعیں دلیل آفتاب ہیں پس بلا تشبیہ اسی طرح سے اس اُمتِ وسط کا وجود واسطۂ فیضان ہے درمیان خدا اور اُسکی مخلوق کے اُس سے لیتے ہیں۔ اور مخلوق کو دیتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے خدا تربیتِ عالم کرتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کو پہچانتے اور اُسکے وجود کا علم ہوتا ہے اسی طرح اُمتِ وسط کے ذریعہ سے خدا کو پہچانتے ہیں۔ اور وہ دلیل ہیں وجودِ حق کی۔ لیکن ذات

واجب الوجود (خدا) کے لئے مثل آفتاب ذہاب ایاب آمد و رفت حرکت و جریان نہیں
وہ غروب و افول سے مبرا و منزہ ہے قائم و دائم ہے لہٰذا اُسکی شعاعیں جو باعثِ
تربیتِ عوالم ہیں یعنی آفتاب امامت کے لئے بھی غروب افول نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ
موجود و درخشاں ہے اور اُس کا فیض جاری ہے البتہ کبھی ابر عارضی و حجاب خارجی
کے حائل ہونے سے اُسکی شعاعیں ہم سے منقطع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آفتاب کی
شعاعیں بادل سے رک جاتی ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابر نہیں ہوتا اور
آفتاب موجود و درخشاں ہوتا ہے لیکن ہم خود سایہ میں چھت وغیرہ کے نیچے
آجاتے ہیں اور اس صورت میں شعاع آفتاب ہم سے منقطع ہو جاتی ہے کہ ہمیں
شعاع آفتاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ گو ہم کو
روشنی کی ضرورت ہے لیکن بوجہ کسی خواہش و غرض نفسانی کے ہم روشنی سے گریز
کرتے ہیں اور سایہ میں مکان وغیرہ کے اندر ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی
ہم تک نہیں پہنچتی پس اس صورت میں آفتاب کی روشنی سے منتفع نہ ہونا ہمارا قصور
ہے۔ نہ کہ آفتاب کا۔ پس معلوم ہوا کہ لوگ آفتاب امامت سے بوجہ غلبۂ شہوات
نفسانیہ استفادہ نہیں کرتے اور روشنی نہیں لیتے اُسکی طرف سے قصور نہیں ہے
ہم خود اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اور علت بھی معلوم ہوتی ہے وہ
کہ ابر (بادل) بخارات کے مجتمع و متراکم ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمارے
اور آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ یہاں وجود امام کیلئے کونسا ابر حائل ہوا
ہے؟ وہ اوہام باطلہ اور معاصی کے بخارات ہیں۔ جو آفتاب امامت کے لئے حائل
و حاجب ہیں۔ کہ اُسکا فیض بظاہر ہمیں نہیں پہنچتا پس ظاہری غیبت امام کا
سبب ہم خود ہیں اور زیادہ تر برے علما کی جہالت کا اثر ہے یعنی جیسا کہ چاہئے
اُنہوں نے امام کی معرفی نہیں کی اور اُس کی اُن صفات کے ساتھ تعریف نہیں

کی جس سے کہ چاہیئے۔ بلکہ بسا اوقات دوسروں کو صفات میں امام پر ترجیح دیدیتے ہیں دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیئے۔ کہ خود اپنی طرف سے ایک امام مصنوعی بناکر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اُس کو امام سے افضل جانتے ہیں۔ اور یہی وہ ابر ہے۔ جو آفتاب امامت پر حائل و حاجب ہوتا ہے اور یہی علت غیبت امام ہے۔ کہ امام حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے مصنوعی اماموں کے پیچھے ہولئے ہیں۔ یہ غیبت صرف ہماری نظروں سے ہے۔ کہ وہ موجود ہے اور ہم نہیں دیکھتے نہ پہچانتے ہیں۔ اور بعد ظہور پہچانیں گے اس وقت کہینگے۔ کہ اس شخص کو تو ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ پس یہ ابرِ جہالت مانع ہے بصیرت باطنی جاتی رہی ہے جس وقت وہ خود چاہیگا۔ اُس وقت پہچان لینگے۔

امام کی معرفت

یہ امر خصائصِ انبیاء و ائمہ سے ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں۔ اُنہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔ قصۂ حضرت یوسفؑ کو پڑھیئے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ جب اُن کے بھائی مصر میں آئے۔ تو حضرت یوسفؑ نے فوراً اُن کو پہچان لیا۔ مگر اُنہوں نے حضرت یوسفؑ کو نہیں پہچانا۔ "فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ" حالانکہ ساتھ پرورش پائی تھی۔ ساتھ کھیلے تھے۔ ساتھ کھاتے پیتے تھے لیکن جب حضرت یوسفؑ نے چاہا۔ کہ راز کھلے اور وہ اُنہیں پہچان لیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ" یعنی کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ تم نے یوسفؑ اور اُسکے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے۔ جو اُس وقت اُنہوں نے جواب میں کہا "أَءِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ" کیا تم یوسف ہو؟ کیونکہ برادران یوسفؑ نے جو کچھ اُن سے کہا تھا۔ وہ سوائے اُنکے اور کسی کو معلوم نہ تھا پس جب حضرت یوسفؑ نے اپنے قصے کیطرف اشارہ کرکے یاددہانی کی تو وہ پہچان گئے کہ یہ یوسفؑ ہے۔

پس یہی حال ولی زمان اور امام علیہ السلام کا ہے کہ جو شخص حقیقتِ نبوت و امامت سے واقف نہیں انکی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ انہیں دیکھتا ہے مگر نہیں پہچانتا اور جو لوگ معرفت رکھتے ہیں وہ نبی و امام کو بے دیکھے پہچان لیتے ہیں +

قصۂ اویسؓ قرنی اسکی بیّن مثال ہے جس کے حق میں حضرت ختمی مرتبت فرماتے ہیں۔ کہ "یمن کی طرف سے بوے رحمان سونگھتا ہوں" اویس قرنی دور سے ایمان لائے تھے اور حضرتؐ کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے تھے مگر معرفت کا یہ حال تھا کہ جب حضرتؐ کے دندان مبارک جنگ احد میں شکستہ ہوئے۔ تو اویسؓ قرنی نے (یمن) میں پتھر سے اپنے دانت توڑ لیے۔ اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حبیبؐ کے دندان مبارک شکستہ ہوں۔ اور میں صحیح و سالم بیٹھا رہوں۔ یہ معرفت باطنی و قلبی رکھتے تھے دل کی آنکھ نبی اور امام کو پہچانتی ہے نہ کہ چشم ظاہری۔ جو صرف رنگ و خط و خال دیکھتی ہے +

پس اُمت وسط (ائمہ) جب اعتدال حقیقی رکھتے ہیں۔ اور مظہر عدل ذاتی واجب الوجود ہیں تو واجب بالغیر اور ممکن بالذات ہوئے۔ بہ نسبت واجب (خدا) کے ممکن ہیں۔ اور بہ نسبت ممکن (مخلوق) کے واجب۔ لہذا انہیں موت طبعی نہیں +

موت و حیاتِ انبیا علیہم السلام

حکماء کہتے ہیں۔ کہ موت عدم وجود کا نام ہے۔ مگر غلط ہے بلکہ موت امر وجودی ہے نہ عدمی اور موت مقدم ہے۔ حیات سے کہ خدا فرماتا ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ یعنی خدا نے موت و حیات کو خلق کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل نیک کرتا ہے انسان رحم مادر میں اول مردہ ہوتا ہے۔ بعد ازاں زندہ ہوتا ہے۔ اور موت امر وجودی ہے

اور وجود امام میں موت نہیں کیونکہ مرگ عالمِ زمانیات و عالمِ خلق سے ہے یعنی یہ
اجزائے مادیہ وعناصر جن سے جسم مرکب ہوتا ہے نفسِ موت ہیں۔ جب ایک عنصر
دوسرے عنصر پر غالب آجاتا ہے۔ موت واقع ہوجاتی ہے۔ اور وجود نبی و امام
اس مادیہ فانیہ سے جو نفس موت ہے بری ہے یعنی وجود امام اور اُس کا جسمِ
اطہر دوسرے لوگوں کے جسم کی طرح نہیں ہے تاکہ اخلاط اربعہ میں سے کسی خلط
کے غالب ہوجانے سے موت عارض ہوجائے اور جسم فنا اور اجزائے جسم متفرق
ہوکر اپنے عناصر سے ملحق ہوجائیں۔ بلکہ جسم اطہر امام ان عوارض سے معرّا اور
اور فناء و تفرقِ اجزا سے مبرا ہے۔ اور موت امام کسی سبب عارضی کی وجہ سے
ایک عالم اور ایک نشأ سے دوسرے نشأ کی طرف عیناً منتقل ہوتا ہے
جو حکم و مصالح مختلفہ پر مبنی ہے۔ مادہ نبی و امام غیر مادہ سائر ناس ہے۔ تمام لوگ
عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور امام عالم امر سے ہے۔ چنانچہ آیۂ ذیل سے ظاہر
ہے۔ "اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ" (آل عمران ع ۵) ترجمہ۔ جب ملائکہ
نے آکر حضرت مریمؑ سے کہا۔ اے مریمؑ اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک
کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسےٰ ابن مریم ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ذی وجاہت
اور مقربین میں ہے۔ "ایضاً اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا
اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ الخ" یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ عیسےٰ ابن مریم
خدا کا رسول اور اُس کا کلمہ ہے۔ جو حضرت مریم کو پہنچا ہے۔ اور اُسکی روح پس
اس سے معلوم ہوا کہ وجود انبیا کلمۂ وجود الٰہیہ ہے۔ مادہ فانیہ وہاں موجود نہیں
کلمۂ الٰہیہ ابتدا ہی سے صاحب حیات ہے اور نیز روح الٰہی یعنی روح انبیا مردہ
نہیں نفسِ حیات ہے۔ بلکہ حیات بخش۔ لہٰذا موت اُسکے وجود میں نہیں۔ پس

انبیا و ائمہ کے لئے موت طبعی نہیں جب تک صدمہ خارجی اُن کو نہ پہنچے۔ جو حیات
کو مضمحل کر ڈے۔ مثل قتل و زہر کے اور قتل و زہر بھی بلا اُس کے ارادے کے اثر
نہیں کر سکتے۔ زہر شہد بن جاتا ہے۔ "اِذْ اَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ ......
...... فِیْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ الخ"۔ شہد کی مکھی زہریلی گھاسیں و بوٹیاں
کھاتی ہے اُسکے پیٹ میں شہد بنجاتی ہے اور یہ تمام اثرات تحت حکم ولی الامر ہیں۔
پس جب تک اُسکا ارادہ متعلق نہ ہو زہر اثر نہیں کر سکتا۔ حضرت ختمی مرتبت کو بائیس
مرتبہ زہر دیا گیا۔ جنگ خیبر میں جب حضرتؐ کو پارچۂ گوشت میں زہر دیا گیا۔ تو حضرت
نے فرمایا۔ یہ گوشت کا ٹکڑا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اُس میں زہر ہے حضرت امیرالمومنین
اپنے قاتل ابن ملجم ملعون کو فرماتے ہیں۔ "اُرِیْدُ حَیَاتَهٗ وَیُرِیْدُ قَتْلِیْ" میں تو اسکی
حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت حسن علیہ السلام کو بارہا
زہر کھلایا گیا۔ مگر جب تک ارادہ نہ ہؤا۔ زہر نے اثر نہ کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے
جب تک موت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک تیر حضرتؑ کے جسم اقدس پر نہ لگا۔ تیر آتے
تھے اور دریافت کرتے تھے۔ کہ کہاں لگیں فرماتے تھے خاک ہیں۔ خاک میں جا کر تیر
گڑ جاتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے زخموں سے گیارہ معجزے ظاہر ہوئے۔ کوئی
پیغمبر سوائے پیغمبر خدا کے ائمہ کے درجے میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جناب پیغمبر خدا
ائمہ سے افضل ہیں۔ ملک الموت کی کیا طاقت ہے۔ جو باختیار خود نبی یا امام کی
روح قبض کر سکے۔ کیونکہ اُسکی قوت ملک الموت کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔
صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ کہ ملک الموت حضرت موسےٰؑ کی روح قبض کرنے
کے واسطے آیا۔ تو حضرتؑ نے اُس کے مُنہ پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا۔ کہ
اُسکی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ جب ملک الموت آئے
تو حضرت موسےٰ نے دریافت کیا کہ کیوں آئے ہو؟ کہا قبضِ روح کے واسطے

فرمایا۔ کہاں سے قبض کرو گے۔ کہا مُنہ سے فرمایا جس مُنہ سے میں نے آیاتِ توریت کی تلاوت کی ہے اُس سے کیونکر میری رُوح قبض کر سکو گے۔ کہا دماغ سے فرمایا جس پر کوہ طور پر انوار الٰہیہ کی تجلی ہوئی ہے وہاں سے کیونکر قبض کرو گے۔ کہا آنکھوں سے۔ فرمایا جن آنکھوں نے نورِ پروردگار کا جلوہ دیکھا ہے۔ اُن سے کس طرح روح قبض کرو گے کہا پیشانی سے۔ فرمایا۔ جو سجدۂ خدا میں رہی ہو۔ اُس سے کیسے روح قبض کر سکو گے۔ کہا سینے سے۔ فرمایا۔ جو سینہ آیاتِ الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ وہاں سے قبض رُوح کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہا ہاتھوں سے۔ فرمایا جن ہاتھوں سے الواحِ توریت کو اُٹھا کر لایا ہوں۔ اُن سے قبضِ رُوح کیونکر کر سکو گے۔ کہا پاؤں سے۔ فرمایا جن پاؤں سے چل کر کوہ طور پر گیا۔ اور الواح اُٹھا کر لایا۔ اُن سے میری رُوح کیونکر قبض کر سکتے ہو؟

(مطلب حضرتؑ کا یہ تھا۔ کہ تم کو کیا اختیار ہے۔ کہ نبی کی روح قبض کر سکو) ملک الموت یہ سنکر دربارِ الٰہی میں حاضر ہوئے! ور قصہ بیان کیا۔ حکم ہؤا باز رہو۔ موسےؑ ابھی موت کی طرف مائل نہیں۔ آخر کار ایک روز حضرت موسےٰؑ نے دیکھا۔ کہ ایک شخص قبر کھود رہا ہے حضرتؑ نے دریافت کیا کس کے واسطے کھودتا ہے کہا خدا کے ایک مخلص بندے کے واسطے۔ فرمایا میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ قبر کھودنے اور مُردے کو خاک میں دفن کرنے کا بہت ثواب ہے +

جب قبر درست ہو گئی۔ تو وہ شخص کھڑا ہو کر دیکھنے لگا حضرت موسےٰؑ نے دریافت کیا۔ کیا دیکھتے ہو؟ کہا یہ دیکھتا ہوں کہ جس شخص کے لئے کھودی ہے۔ آیا اُس کے واسطے ٹھیک ہے یا نہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا۔ کہ اُس کا قد میری برابر ہوگا کہا ہاں اتنا ہی ہوگا۔ فرمایا اچھا میں اس میں لیٹ کر دیکھتا ہوں۔ کہ آیا ٹھیک ہے یا نہیں جس وقت حضرت موسےٰؑ قبر میں لیٹے خدا نے اُن کے مقامات

دکھلائے حضرتؑ نے عرض کیا۔ خدایا مجھے اپنے پاس بلالے۔ ملک الموت حاضر تھے عرض کیا حاضر ہوں۔ (قبر کھودنے والے ملک الموت ہی تھے) اور حضرت موسےؑ کو اُسی قبر میں دفن کر دیا۔

پس معلوم ہوا۔ کہ موت اُنکے تابع ہے۔ بلکہ روز قیامت نفخ صور انہی کے حکم سے ہوگا۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین ایک معمولی کرتہ پہنکر لڑائیوں میں شریک ہوتے اور لڑتے تھے۔ ایک مرتبہ اصحاب نے عرض کیا۔ تو فرمایا میں وہ ہوں جو موت کو بھی مارنے والا ہے۔ مجھے کیا خوف ہے؟ در قیامت میرے حکم سے برپا ہوگی۔ فقرات خطبہ امیرالمومنین مقالات طویلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں: "اِنْ نَطَقْتُ تَقُوْلُوْنَ حَسَدَهٗ وَاِنْ سَکَتُّ تَقُوْلُوْنَ جَزَعَ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ مِنَ الْمَوْتِ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ یُقَالُ لِیْ هٰذَا اَنَا السَّاعَةُ اَنَا الْمَوْتُ الْمُمِیْتُ خَوَّاضُ الْمَنِیَّاتِ جَوْنَ لَیْلٍ خَامِدٍ حَامِلُ السَّیْفَیْنِ الثَّقِیْلَیْنِ وَالرُّمْحَیْنِ الطَّوِیْلَیْنِ وَمُکَسِّرُ الرَّایَاتِ فِیْ غَطَامِطِ الْغَمَرَاتِ وَمُفَرِّجُ الْکَرَبَاتِ عَنْ وَجْهِ خَیْرَةِ الْبَرِیَّاتِ الخ"۔

یعنی فرماتے ہیں اگر بولتا ہوں تو کہتے ہو کہ حاسد ہوں۔ اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہو۔ کہ علیؑ ابن ابی طالب موت سے ڈر گیا۔ ہیہات ہیہات۔ میرے واسطے یہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ میں خود قیامت ہوں اور میں ہلاک کرنے والی موت۔ اور شب تاریک میں موتوں میں گھسنے والا دو بھاری تلواروں سے لڑنے والا۔ اور دو لمبے نیزوں سے نیزہ زنی کرنے والا۔ اور سخت معرکہ ہائے جنگ میں دشمنوں کے نیزوں اور اسلحوں کو توڑنے والا اور حضرت خیرالانام سے کرب و بلا کو دور کرنے والا (کیا میں موت سے ڈر سکتا ہوں؟) الخ۔

حضرت موسیٰؑ کی طرح سے ملک الموت روز عاشور ابھی آئے اور اسی طرح سے سوال دجواب ہوئے لیکن دربار الٰہی میں ملک الموت کا جواب یہاں کچھ اور تھا۔ یعنی عرض کیا بار الٰہا تیرے اس عاشق زار کا کوئی عضو صحیح نہیں۔ تمام بدن چور چور ہے میں کہاں سے روح قبض کروں خطاب الٰہی پہنچا "یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ" +

آج شہدا علیہم السلام کے دفن کا دن ہے کیونکہ روز سوم ہے ابھی لاشہائے شہدا بے گور وکفن پڑی ہیں یہ مسلّم ہے کہ شہید کے لئے غسل وکفن نہیں ہے۔ بلکہ اُس کیلئے حکم ہے اُسی لباس میں بلا غسل وکفن دفن کر دیا جائے۔ روز جنگ اُحد تمام شہدا اسی لباس میں دفن کئے گئے۔ مگر معلوم نہیں کہ مثل کیوں مشہور ہو گئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید بے غسل وکفن کہا جاتا ہے حالانکہ تمام شہدا بے غسل وکفن ہی دفن ہؤا کرتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ حسینؑ مظلوم ایسے شہید ہیں کہ بعد شہادت آپ کے جسم اقدس پر لباس بھی نہ رہا تھا محقق ہے کہ تمام کپڑوں کے نیچے آپ نے ایک پیراہن نہایت بوسیدہ اور پرانا پہنا تھا مگر بعد قتل ملاعین نے وہ بھی تن اطہر پر نہیں چھوڑا۔ امام جواد علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَی الشَّهِیْدِ الَّذِیْ غُسْلُهٗ مِنْ دَمِهٖ یعنی سلام ہو اُس شہید مظلوم پر جس کا غسل اس کے خون سے ہؤا۔ اور جس کا کفن ریگ بیابان تھی۔ جو ہوا سے اُڑ اُڑ کر جمع ہو گئی تھی قربان ہوں ہماری جانیں سید الساجدین پر کہ ایسے جنازہ پر تشریف لائے۔ اور ایسی حالت میں کہ غسل آپ کا خون سے تھا اور کفن ریگِ صحرا اور آپ کو دفن کیا " لاحول ولا قوۃ الا باللہ " +

موعظۂ یازدہم

۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ

مزید بیان صبر

مجالس سابقہ میں اجمالاً صبر کو عنوان کیا گیا تھا۔ خدا سورۂ عصر میں فرماتا ہے:۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی قسم ہے عصر کی انسان خسارے اور زیانکاری میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے اور حق و صبر کی وصیت کی اہل منطق کے نزدیک۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ "قضیۂ مہملہ ہے۔ اور قضیۂ مہملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر منطقیین کا یہ قول صحیح مانا جائے۔ تو آیت بے معنی ہوئی جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں استثنا صحیح نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اگر قضیۂ مہملہ مانا جائے۔ جو حکم جزئیہ میں ہوتا ہے۔ تو معنے آیت کے یہ ہونگے۔ کہ بعض انسان خسارے میں ہیں اور بعض نہیں تو پھر مومنین صالحین کو مستثنےٰ کرنا لغو ہوگا کیونکہ وہ تو خود ہی مستثنےٰ ہیں۔ اور بعض میں داخل +

غرض یہ قضیۂ مہملہ نہیں ہے۔ بلکہ کلیہ محصورہ ہے۔ اور ال سور ہے اور معنے یہی ہیں۔ کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے جو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ لیکن یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ تمام انسان کس طرح نقصان اور خسارے میں ہیں۔ حالانکہ نوعِ انسان قابل ترقی ہے۔ بلکہ ترقی میں ملائکہ سے بھی

زیادہ ہے۔ اور یہ ترقی تمام افراد انسانی کے لئے ممکن ہے۔ خواہ گنہگار ہی کیوں نہ وہ بھی مدارج ترقی میں ملائکہ سے افضل ہے (اس کا بیان کسی اور موقع پر آئیگا) الغرض اہل ایمان صالحین و صابرین خسارے و نقصان میں نہیں ہیں۔ اور نبوت و امامت کا مدار صبر ہے۔ "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ - وَكُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِيْنَ" اس پر دال ہیں۔ صبر دراصل تمام صفات کمالیہ انسانیہ کو شامل ہے ایمان۔ اعمال صالحہ۔ وصیت بحق یہ سب اس کے تحت میں ہیں اور صبر محض ابتلاآت ہی کے مقام میں ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ جو ابتلاآت میں ثابت قدم رہے۔ وہ صابر ہے بلکہ اس کی چند قسمیں ہیں (جیسا کہ بیان ہونگی) شجاعت بھی صبر کے تحت میں داخل ہے بلکہ شجاعت عین صبر ہے۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے میں مغایرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَنَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ" یعنی ہم تمہاری آزمائش کرینگے۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے اور کون جہاد میں ثابت قدم اور صابر رہتا ہے (سورہ قتال) "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى يَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ"۔ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے قبل اس کے کہ خدا ممیز کر دے۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون اس پر صابر رہتا ہے۔ ان آیات میں بھی جہاد کرنے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے شجاعت جو کرائم اخلاق سے ہے۔ اُس کا قرآن میں کہیں ذکر ہی نہیں۔ وجہ اسکی یہی ہے کہ شجاعت عین صبر ہے جس نے جہاد کیا اور اُس پر صبر کیا۔ گریز نہ کی۔ تو وہ صابر ہے۔ اور شجاع۔ اور جو ثابت قدم نہ رہا بھاگ گیا۔ وہ جبان و نامرد و بے صبر +

چنانچہ ایک اور آیت اسکی تصریح کرتی ہے۔ "فِي الْبَاْسَاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ

وَحِینَ الْبَاسِ۔ یعنی صفت مومنین کی یہ ہے کہ وہ مصائب ابتلاآت اور لڑائی
میں ثابت قدم و صابر رہتے ہیں۔ بہر حال شجاعت عین صبر ہے مشقتوں کا برداشت
کرنا صبر ہے۔ بارہائے سنگین کا متحمل ہونا صبر ہے کسی امر کے انتظام میں مستقل و
ثابت قدم رہنا صبر ہے جرأت و حوصلہ صبر ہے۔ "مَا اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ"
خدا گنہگاروں کے حق میں فرماتا ہے کہ وہ آتش جہنم پر کس قدر صابر و ثابت قدم
ہیں کہ ڈرتے ہی نہیں پس جملہ صفات حمیدہ واخلاق کریمہ تحت صبر ہیں اور صبر بلاء
و مصائب ہی سے مخصوص نہیں۔ اور چونکہ مدار امامت صبر ہے اس لئے امام میں وہ
صبر و شجاعت ہوگی۔ کہ کوئی شخص اس صفت میں اُس سے فضیلت نہ رکھتا ہوگا۔ امام
کسی وقت کسی حالت میں لڑائی سے نہ بھاگیگا یہی وجہ ہے کہ بہشت میں جانے کی میزان
و معیار روزہ و نماز۔ زکواۃ وغیرہ کو نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ جہاد و استقامت
فی الجہاد کو معیار دخول جنّت فرمایا ہے لیکن اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔
کہ جو لڑائی سے بھاگے ہیں۔ سب دوزخ میں جائینگے اور اگر ایسا ہے تو اصحاب
پیغمبر میں سے صرف بارہ شخص بہشتی نکلتے ہیں باقی سب جہنمی +

جواب شبہ ایک صاحب نے دریافت کیا۔ حدیث شریف "اَلْفِرَارُ فِی وَقْتِہٖ ظَفَرٌ" کا کیا مطلب ہے جس میں بھاگنے کو فتح فرمایا گیا
ہے۔ جواب یہ ہے کہ (فی وقتہ) خود اسکا جواب ہے کہ کس وقت بھاگنا درست
ہے۔ آیات ذیل سے حدیث مستنبط ہے کہ خدا فرماتا ہے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا
اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ
دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (انفال ع۲)
یعنی اے ایمان والو جب تمہارا لڑائی میں کفار سے مقابلہ ہو۔ تو

تم اُن سے پشت مت پھیرو۔ جو شخص اُس دن کافروں سے پشت پھیر کر بھاگیگا
وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔ اور اُسکی جگہ جہنم ہے اور بہت بری بازگشت ہے
سوائے اُن لوگوں کے جو لڑنے کے لئے کسی اچھے مورچے کی طرف بھاگ کر جائیں
یا اپنی کسی جماعت سے ملنا چاہیں کہ ایسی صورت میں ظفر یہی ہے کیونکہ ممکن ہے
کہ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں۔ تو دشمن بہتر مورچہ لے۔ یا یہ تھوڑے ہوں اور اپنی جماعت
کثیر سے نہ ملیں تو دشمن اُن پر غالب آجائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اُن مقامات کی
طرف بھاگنا ہی ظفر ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے +

غرض سب سے اعلےٰ اور اول دلیلِ صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے
کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے اور جس نے جان سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور ایسے موقع
پر ثابت قدم رہا۔ وہ پھر کسی دوسرے مواقع مصائب و ابتلاآت میں بے دل نہ ہوگا
ہر مقام میں ثابت و صابر رہیگا +

صبرِ جمیل

اقسام صبر میں سے ایک صبر صبرِ جمیل ہے۔ اور صبرِ جمیل محلِ
ابتلاآت میں ظاہر ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ کی نسبت خدا حکایت
بیان فرماتا ہے: "فصبر جمیل" ابتلاآت میں استقامت صبرِ جمیل ہے
اور ابتلاآت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ صرف شجاعت صبرِ جمیل نہیں ہے۔ شجاعت
بمقابلہ مخالفین و کفار ظاہر ہوتی ہے۔ جو ایک طرف محمود ہے اور دوسری طرف (کفار
کی طرف) مذموم۔ خدا فرماتا ہے "صفاً کانھم بنیان مرصوص" یعنی مومنین کی شجاعت
کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ وہ اس طرح صف باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں جس طرح
کہ آہنی دیوار کھڑی ہوتی ہے پس محبوبِ خدا صرف ایک طرف ہے یعنی صفوفِ مومنین
نہ دوسری طرف۔ صبرِ جمیل وہاں ہوتا ہے۔ جہاں دونوں طرف محبوبِ خدا ہوں اور
دونوں طرف تعلق الٰہی ہو۔ جیسا کہ صبر حضرتِ یعقوبؑ مقابل فراقِ حضرت یوسفؑ

کہ دونوں برگزیدہ محبوبِ خدا ہیں پس ایک محبوبِ خدا سے دوسرے محبوبِ خدا کے حق میں صبر و استقامت ظاہر ہوئی ہے وہ صبرِ جمیل ہے +

صبرِ حسن

ایک قسم صبر کی صبرِ حسن ہے۔ جو صبرِ جمیل سے بھی بالاتر ہے اگرچہ جمیل و حسن دونوں صفت مشبہ ہیں۔ جو قیام و ثبوت صفت پر دلالت کرتی ہیں لیکن حسن ذوات سے متعلق ہوتا ہے اور جمال صفات سے۔ اور ذوات فوق صفات ہیں کیونکہ صفات عوارض ہیں لہٰذا صبرِ حسن افضل ہے صبرِ جمیل سے اور صبرِ حسن صبرِ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو بائیس آیاتِ قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے لیکن بطور اجمال مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت یہ ہے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ اَیضًا قَالَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ +

یہ صبر مقام شجاعت ہے یعنی شجاعت پیغمبرؐ میں تمہیں اچھی پیروی کرنی چاہئے اگر صبرِ پیغمبری کا صبرِ یعقوبؑ سے مقابلہ کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ صبر حضرت صبرِ حسن ہے حضرت یعقوبؑ کو معلوم تھا۔ کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور یہ بھی جانتے تھے۔ کہ وہ ملینگے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے۔ کہ مجھے منجانب اللہ وہ باتیں معلوم ہیں۔ جو تم نہیں جانتے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا۔ عنقریب خدا ان سب کو مجھ سے ملائیگا۔ بخلاف اس کے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقیناً معلوم تھا کہ حسینؑ میدانِ کربلا میں بھوکا پیاسا مع عزیز و اقربا و دوست احباب ظلم و ستم سے قتل کیا جائیگا مگر بکمال خوشی سے شہادت قبول فرماتے ہیں۔ نہ انکار کیا نہ اعتراض پس یہ صبر صبرِ حسن ہے بلکہ حضرت ختمی مرتبتؐ منبعِ صبرِ حسن ہیں

اور مظہر اس صبرِ حسن کا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ سید الشہداء روحی وارواح العالمین لہ الفدا تمام مصائب و ابتلاآت تلفِ جان و مال قتلِ اصحاب۔ قتلِ اولاد۔ اسیریٔ ذریتِ رسولؐ میں مستقل و ثابت قدم رہے۔ جو صبر و استقامت روزِ عاشورا امام مظلومؑ سے ظاہر ہوئی تمام صبروں سے بالاتر ہے۔ جملہ مورخین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم شجاعت حسینیہ کے معترف و مقر ہیں۔

اور اسی طرح صبر کامل بکمال فعلیت حضرت سید الساجدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوا ہے۔ جو لوگ کتب تواریخ پر احاطہ رکھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں۔ کہ صبر سجادؑ کا کیا مرتبہ ہے حضرت یعقوبؑ کا ایک بیٹا گم ہوا تھا مگر یہاں سید الساجدین فخر آلِ طٰہٰ و یٰسین کا ایک یوسفؑ گم نہیں ہوا۔ اٹھارہ بنی فاطمہ فخرِ یوسفؑ تین پہر میں اٹھ گئے۔ اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ حضرتؑ کے حزن و ملال کی یہ حالت تھی۔ کہ ان ایام میں کسی سے بات نہ کر سکتے تھے مگر جب کوئی سوال کیا گیا ہے۔ ان ایام میں صرف ایک دو مرتبہ تکلم فرمایا ہے جب آپ کوفے کے قریب پہنچے ہیں لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ کیوں روتے ہو؟ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا۔ یعقوبؑ کا ایک بیٹا گم ہوا تھا۔ اور میرے سامنے اٹھارہ یوسف جو مثل و نظیر نہ رکھتے تھے قتل ہو گئے میں کس طرح گریہ نہ کروں لیکن جب حضرتؑ درِ کوفہ پر پہنچے۔ تو کسی نے سوال نہیں کیا۔ خود بولنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی جس وقت حضرت زینب خاتون علیہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبے کو ختم کیا۔ اور ان فقرات پر پہنچیں۔ کہ اے قوم تم نے وہ کام کیا ہے جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ تمام مورخین متفق ہیں۔ کہ امام حسینؑ نے حضرت زینبؑ کو وصیت کی تھی۔ کہ اے بہن میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا۔ بال نہ کھولنا منہ پر طمانچے نہ مارنا نالہ و فریاد نہ کرنا۔ مگر حضرت زینبؑ نے یہ تمام کام کیے۔ خصوصاً جب اس فقرۂ بالا پر پہنچی ہیں۔ تو سر محمل سے باہر نکالا۔ اور چوبِ محمل سے

دے مارا۔ کہ خون جاری ہوگیا۔ امام زین العابدین علیہ الصلوۃ والسلام نے جب دیکھا اور علم امامت سے معلوم کیا کہ زینبؑ خاتون کی کیا حالت ہے اس گریہ وبکا و نالہ سے عالم امکان درہم برہم ہوجائیگا۔ فرمایا۔ اے پھوپھی جان خاموش ہوجاؤ تمہارے نوحہ وبکا سے تمہارے بھائی واپس نہیں آئینگے "اَنْتِ بِحَمْدِاللّٰہِ عَالِمَۃٌ غَیْرُ مُعَلَّمَۃٍ وَفَاہِمَۃٌ غَیْرُ مُفَہَّمَۃٍ" یعنی اے پھوپھی اماں تم خدا کے فضل سے بلا سکھائے جانتی ہو۔ اور عالم ہو اور بلا سمجھائے سب کچھ سمجھتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے نالے عالم امکان میں کیا اثر کرینگے۔ فرمایا یہ غم جانکاہ وہ ہے کہ اس سے آسمان پارہ پارہ ہوجائیں۔ زینبؑ کا سر کس طرح سلامت رہے میں دیکھتی ہوں رسولؐ خدا و علیؑ مرتضٰے و میری والدۂ ماجدہ فاطمۃ الزہراؑ سر برہنہ نوحہ وبکا میں مشغول ہیں۔ اور سر پر خاک اُڑا رہے ہیں میں کس طرح فریاد نہ کروں +

غرض شہید و امام کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ صابر ہو اور صبر کے چار مرحلے ہیں۔ اول اُن میں سے وقتِ نزولِ بلا ہے اگر اُس وقت صاحب بلیّہ نے خدا پر اعتراض نہ کیا۔ اور غیر خدا سے شکایت نہ کی۔ تو وہ صابر ہے لیکن بلیات و ابتلاآت سے کوئی شخص خالی نہیں۔ اور بقدرِ استطاعت سب تحمل کرتے ہیں۔ موردِ صبر معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ کس درجے پر پہنچکر انسان صابر کہلا سکتا ہے۔ موردِ صبر اس آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔ "وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْہُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ" یعنی ہم تمہارا امتحان کرینگے۔ کچھ خوف سے۔ کچھ بھوک سے اور جانوں اور مالوں اور پھلوں کے نقصان سے پس بشارت "

اُن صابر مبتلاؤں کو کہ جب اُن پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم
خدا ہی کے لئے ہیں جو چاہے سو کرے۔ اور ہم اُسی کی طرف رجوع کرنے والے
ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی صلوات و رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ
ہیں ٭

پس اول درجہ صبر یہ ہے کہ ان ابتلاآت میں انسان صابر و ثابت قدم
رہے۔ اس آیت کے فقرۂ اخیر سے لوگوں نے استدلال کیا ہے۔ کہ چونکہ سوائے
پیغمبرؐ و امامؑ کسی دوسرے کے لئے صلوات شایاں نہیں ہے اس لئے یہ آیت
حضرت امام حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مگر یہ صحیح
نہیں ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے:۔ "هُوَ الَّذِی يُصَلِّی عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ الخ" خداوند عالم وہ ذات پاک ہے۔ جو تم پر صلوات
بھیجتا ہے اور نیز اُسکے ملائکہ۔ تاکہ تم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس اس
سے معلوم ہوا۔ کہ صلواتِ خدا و ملائکہ غیر نبی و امام کے لئے بھی ہے۔ اس آیت
میں عام مومنین شامل ہیں۔ اور سلام کے متعلق فرماتا ہے:۔ "فَقُلْ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (انعام)
یعنی کہدو کہ سلام ہو تم پر۔ اللہ نے تمہارے لئے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا
ہے۔ کہ تم میں سے جو بہ سبب جہالت و نادانی کے برائی کر لے اور پھر اُس کے بعد
توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے۔ تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے یہاں
سلام گنہگاروں کے واسطے بھی آیا ہے پس معلوم ہوا۔ کہ صلوٰۃ و رحمت و سلام
خدا نبی و امام ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ عام مومنین کو بھی شامل ہے بلکہ گنہگاروں
کو بھی نہیں بلکہ قبل از توبہ بھی۔ اور صلوات جو مخصوص پیغمبر و امام سے ہے وہ چیز دیگر

ہے لہذا یہ آیت یعنی "ولنبلونکم" تمام اُمت کو شامل ہے البتہ ضمیر "کم" سے
معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اس میں داخل نہیں ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ آیت امام
حسینؑ کے واسطے ہے اسکی خود الفاظ آیت سے نفی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ
"بشیءٍ" مذکور ہے یعنی کچھ تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک و نقصان جان و مال سے
تمہارا امتحان کرینگے اور امام حسین علیہ الصلواۃ والسلام کے مصائب خفیف و
قلیل نہ تھے "شیءٍ من الخوف" کا اطلاق اُن پر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ہر ایک شے کامل
بلکہ اکمل تھی۔ آدمؑ سے اس وقت تک کسی نے ان مصائب کو نہیں دیکھا خوف بھی
کامل۔ بھوک بھی کامل۔ بلکہ اُس کے ساتھ پیاس بھی تھی۔ نقصان اموال کا حال
معلوم ہی ہے۔ کہ کوئی شے اہل بیت کے پاس باقی نہ رہی تھی۔ ناظرینِ تاریخ
جانتے ہیں کہ اِن ایام میں اسیرانِ اہل بیت کی کیا حالت تھی۔ جانوں کا نقصان
معلوم ہی ہے۔ کہ بجز سید الساجدین اور چند لڑکوں کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا۔
کہ خود جناب سید الساجدین کا شعر اس کو ظاہر کرتا ہے کہ جب حضرت قریب مدینہ
پہنچے ہیں۔ تو مدینہ کو دیکھ کر فرمانے لگے ؎

مَدِیْنَۃُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا + فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْکَ بِالْاَھْلِیْنَ طُرًّا + رَجَعْنَا بِلَا بَنَاتٍ وَّلَا بَنِیْنَا

اے ہمارے جد بزرگوارؐ کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر اور ہمیں اپنے اندر جگہ نہ دے
کیونکہ جب ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے۔ تو ہمارا سارا گھر بھرا ہوا تھا۔ سارا کنبہ موجود
تھا۔ اور اب ہم تجھ میں اس حال سے لوٹ کر آئے ہیں کہ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں۔ نہ
بیٹے۔ حضرتؑ کے اس بیان میں ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرتؑ فرماتے
ہیں۔ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں نہ بیٹے۔ اطفالِ خورد سال اہل بیتؑ کی شہادت
کا حال تو آپ لوگوں نے سنا ہے۔ مگر دخترانِ اہل بیتؑ کیا ہوئیں؟ جو امام فرماتے

ہیں۔ نہ بیٹیاں ہیں نہ بیٹے۔ روز عاشورا بعد شہادت امام حسینؑ جب تمام اہل حرم خیمہ سے نکل پڑے۔ تو اطفال خورد سال گریہ وزاری نوحہ و فریاد کرتے ہوئے لشکر کے سامنے چاروں طرف پریشان دوڑنے لگے۔ اور ایک حشر برپا ہو گیا۔ عمر سعد لعین نے جو یہ حالت دیکھی۔ گھبرایا اور سنگ اندازوں کو حکم دیا۔ کہ بچوں پر پتھر برسائیں پس اُن ملاعین کے پتھروں سے بہت سے بچے شہید ہو گئے۔ اور اُن میں چار لڑکیاں اُس وقت درجۂ شہادت پر فائز ہوئیں +

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

حصّۂ دوم

موعظۂ اوّل

۳ - محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ

"ھٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِھِمُ الْحَمِیْمُ ؕ

طُرقِ تحصیلِ سعادت و علمِ حقیقی

مسلم ہے۔ کہ طریق سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے اور سعادتِ دارین حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک علم۔ دوسرا تقلید یعنی یا تو خود عالم ہو اُس کا یا عالم کا پیرو و مقلد۔ بلا ان دو صورتوں کے حصولِ سعادت ناممکن ہے لیکن وہ علم کونسا علم ہے؟ یہی علم جو ہم رکھتے ہیں یا کوئی اور علم؟ اگر ہمارے علوم اکتسابیہ کو حقائق واقعیہ سے مطابق کیا جائے۔ تو دس حصوں میں سے نو حصے بالکل خلافِ واقع اور غلطِ محض و باطلِ مطلق ثابت ہونگے۔ اور ایک حصہ مشابہ باصل حقیقت نہ کہ علم حقیقی ہمارے علوم دراصل مثل صنعتوں اور حرفتوں کے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ اپنے بچوں کو کوئی صنعت و حرفت مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھاتے ہیں اور وہ اُس کو یاد کر لیتے ہیں۔ اسی طرح طلبہ قواعد و اصول صرف و نحو۔ معانی و

بیان۔ عروض و قافیہ۔ اعراب و اشتقاق کو سیکھتے اور یاد کر لیتے ہیں پس یہ مثل دیگر صنائع و حرف کسب و اکتسابات ہیں نہ کہ علم واقعی علوم اکتسابیہ ہرگز علوم حقیقیہ واقعیہ نہیں ہو سکتے البتہ بعض اوقات حصول علم کے ذریعہ و مقدمہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ماہرین فن و کاملین علوم کی غلطیاں خود انکے شاگردوں نے پکڑی ہیں۔ اور اُن پر اعتراض کئے ہیں۔ اگر یہ علوم علومِ واقعیہ ہوتے تو کبھی غلط و باطل و زائل نہ ہوتے۔ کیونکہ علم کیفیت نفس ہے۔

تعریفات علوم ناقص ہیں

یہ علوم (مثل صرف و نحو معانی و بیان منطق و فلسفہ وغیرہ) کیونکر علوم واقعیہ ہو سکتے ہیں اور کیونکر مدار تحقیق حقائق و تحصیل سعادت ٹھیر سکتے ہیں جبکہ آج تک اُن کی حدود و تعریفات بھی صحیح و مکمل نہیں ہوئیں مثلاً علم نحو کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ "اَلنَّحْوُ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِہٖ اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْکَلِمِ الثَّلٰثِ اِعْرَابًا وَّ بِنَاءً" یعنی نحو وہ علم ہے جس کے ذریعے سے کلمات ثلٰثہ کے آخر کا حال باعتبار اعراب و بنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کونسا معرب ہے اور کونسا مبنی۔ اور کیا اعراب لیکن محققین پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بہت سے الفاظ کلامِ عرب میں ابھی ایسے ہیں جن کا حال نہیں معلوم کہ وہ معرب ہیں یا مبنی آجتک برابر اختلاف بڑا ہوا ہے۔ اسی طرح علم منطق کی یہ تعریف کیگئی ہے۔ "اَلْمَنْطِقُ اٰلَةٌ قَانُوْنِیَّةٌ تَعْصِمُ مُرَاعَاتُهَا الذِّهْنَ عَنِ الْخَطَاءِ فِی الْفِکْرِ" یعنی منطق ایک آلہ قانونیہ ہے کہ اگر اُس کا لحاظ رکھا جائے۔ تو انسان کا ذہن فکر میں خطا کرنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے ماہرینِ فنِ منطق نے مقدمات سے نتائج نکالنے میں بے انتہا غلطیاں کی ہیں۔ بلکہ نفسِ ترتیبِ مقدمات میں حتےٰ کہ ملا صدرالدین شیرازی جیسے کامل شخص نے بیسیوں جگہ ایسی فاحش غلطیاں کی ہیں پس یہ علوم ہرگز علوم حقیقیہ واقعیہ نہیں کہلا سکتے۔ اور یہ کسی طرح تحصیل سعادت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔

علم حقیقی کی تعریف

پس وہ علم جو طریق سعادت ہے وہ علم ہے جو فطرتاً منجانب اللہ عطا ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ علم جو طریقِ سعادت وموجب حصول سعادات اور علم واقعی ہے وہ ہے جو عنداللہ علم ہے۔ اور جس کو خدا علم کہتا ہے۔ خداوند عالم نے دو علموں کا قرآن میں ذکر کیا ہے:۔

علم جزئی

ایک علم علمِ جزئی ہے اور دوسرا علم علمِ کلی۔ اول کی نسبت فرماتا ہے:۔ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی نہیں دیا گیا ہے تم کو علم میں سے مگر تھوڑا سا حصہ۔ یہ آیت عام ہے اور عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس میں مَا اُوْتِیْتُمْ "(جو کچھ تم کو دیا گیا ہے) فرمایا ہے نہ کہ مَا کَسَبْتُمْ یعنی جو کچھ تم تحصیل وکسب کرتے ہو جس سے ثابت ہے کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو ہر شخص کو فطرتاً دیا گیا ہے اور اُنکے وجود کے ساتھ عطا ہوا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ امور بدیہیہ ضروریہ کو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے اور دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں اور دس دو سے بڑا ہے وغیرذالک جنکو مستقلاتِ عقلیہ کہتے ہیں اگر انسان کو فطرتاً کچھ علم عطا نہ ہوتا۔ تو ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا کبھی مکلف نہ کہا جاتا یہ امرشانِ خداوندی سے بعید ہے کہ انسان کو مکلف بنائے اور اس کو فی الجملہ علم عطا نہ فرمائے۔ علاوہ ازیں اگر انسان میں کچھ علم فطرۃً موجود نہ ہوتا تو خارج سے علم کو تحصیل واکتساب کر سکتا۔ کیونکہ جب تک قابلیتِ تاثر نہ ہو خارج سے بھی اثر قبول نہیں کر سکتا پس اسی علم فطری کے ذریعے سے معلم واستاد سے جو باتیں سنتا ہے اُن کو سمجھتا اور قبول کرتا ہے اور اسی علم کے ذریعے سے علم معلم سے اکتساب کرتا ہے۔ بہرحال اس علم سے مراد علم فطری ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور اسی کو علم کہا جاتا ہے جو عنداللہ علم ہے اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ علم جزدی ہے چنانچہ

(مِنْ) سے جو تبعیض و جزئیت پر دلالت کرتا ہے ثابت ہے اور پھر لفظ قلیل سے اُس کی تاکید مزید دلالت کرتی ہے کہ یہ علم علم جزئی ہے۔ اور بہت ہی تھوڑا سا ہے یعنی عام لوگوں کو جو علم فطرۃً عطا کیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے ✦

رفع شبہ ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص یہاں یہ شبہ کرے کہ آیۂ مبارکہ ما اوتیتم الخ اس طرح ہے "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" ترجمہ۔ اے پیغمبر یہ لوگ تجھ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ اُن سے کہدو کہ روح امرِ رب سے ہے اور تم کو نہیں علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق علم کی کمی کا ذکر نہیں ہے بلکہ خاص علم روح کا ذکر ہے کہ وہ تم کو تھوڑا سا دیا گیا ہے اور اس علم جزئی سے حقیقت روح کا ادراک ناممکن ہے مگر اس آیت کے الفاظ ظاہر یہ ہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ جواب دیا گیا ہے "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" (کہدو کہ روح امرِ رب سے ہے) یعنی روح خداوند عالم کے عالمِ امری سے ہے نہ کہ عالمِ خلقی سے یعنی خلقِ مادیات عالمِ خلقی سے ہے اور غیر مادیات عالم امری سے عالم امری میں صرف ارادۂ باری تعالےٰ کا تعلق کافی ہے جہاں ارادۂ الٰہی کسی شے سے متعلق ہوا۔ فوراً وہ شے موجود ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ و درجہ بدرجہ پیدا نہیں ہوتی اشیائے عالم خلقی حسب اسباب درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہیں دونوں عالموں کیطرف کلام حمید مجید میں اشارہ فرمایا ہے "اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" یعنی امر الٰہی یہ ہے۔ کہ جب اُس نے کسی شے کا ارادہ کیا۔ اور (کُن) کہا فوراً موجود ہو گئی یہ لفظ (کُن) جو فصیح ترین و مختصر ترین الفاظ سے ہے تفہیم و تفہم سمجھانے اور سمجھنے کیواسطے بیان فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا ورنہ درصل یہ کوئی آواز نہیں ہوتی ہے جو خدا بولتا ہے اور شے موجود ہو جاتی ہے۔ بلکہ اُسکا کلام نفس ایجاد ہے۔ جیسا کہ سر اللہ فی العالمین

جناب امیرالمومنین نے فرمایا ہے۔ "لَابِصَوتٍ یُقرَعُ وَلَابِنِدَاءٍ یُسمَعُ بَل کَلَامُہٗ
سُبحَانَہٗ اِیجَادُہٗ" یعنی نہ تو کوئی آواز ہوتی ہے جس کا کھٹکا یا دھماکا ہو
اور نہ کوئی ندا ہے جو سنائی دے بلکہ حق سبحانہ تعالےٰ کا کلام نفسِ ایجاد ہے یعنی جس وقت
ارادۂ الٰہی عالم امری کی کسی چیز سے متعلق ہوا۔ فوراً موجود ہوگئی۔ اور عالم خلق کی نسبت
فرماتا ہے: "وَلَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ مِن سُلٰلَۃٍ مِن طِینٍ ثُمَّ جَعَلنٰہُ نُطفَۃً
فِی قَرَارٍ مَکِینٍ ثُمَّ خَلَقنَا النُّطفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقنَا العَلَقَۃَ مُضغَۃً فَخَلَقنَا
المُضغَۃَ عِظَامًا فَکَسَونَا العِظَامَ لَحمًا ثُمَّ اَنشَانٰہُ خَلقًا
اٰخَرَ فَتَبَارَکَ اللہُ اَحسَنُ الخَالِقِینَ" (سورۂ مومنون ع۱) البتہ ہم نے انسان کو
خلاصۂ طین سے پیدا کیا پھر ہم نے اُسکو ایک محفوظ قرارگاہ میں نطفہ رکھا۔ اور پھر
نطفے کو علقہ (خون منجمد) بنایا اور علقے کو مضغہ (لوتھڑا) اور پھر اُس کو ہڈیاں دیں
اور پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اُسکو ایک دوسری خلقت عطا
کی پس بزرگ صاحب برکت ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے یہ خلقت خلقِ عالم
خلقی ہے کہ انسان شکم مادر میں چھ درجے رفتہ رفتہ طے کرکے عالم انسانی میں داخل
ہوتا ہے پس آیۂ مبارکہ میں سائلین کے جواب میں جو علماء یہود و نصاریٰ سے
تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے ساتھ ایک روح اعظم ہوتی ہے اور "نَفَختُ
فِیہِ مِن رُّوحِی" حضرت آدمؑ کے باب میں سن چکے تھے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا
ہے۔ کہ یہ روح جسکی بابت تم دریافت کرتے ہو۔ یہ ہمارے عالم امری سے ایک
مخلوق عظیم ہے اور تم عالم مادی جسمانی سے ہو۔ تم عالم امری کی اشیاء کا ادراک کر
ہی نہیں سکتے اور تمہارا علم وہاں تک احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور تم کو جو علم دیا گیا
ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ لہٰذا آیہ مبارکہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"
اُنکی نافہمی کی علت کو بیان کرتی ہے۔ اور اُن کے علم کے محدود و جزئی ہونے پر

دال ہے نہ کہ صرف علم روح کی نادانستگی پر (فافہم) +

بعض جہال اس آیہ مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں جواب میں مسامحہ کیا گیا ہے۔ اور سائلین کو روح کی حقیقت کی بابت کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ استکشافات جدیدہ سے اس اعتراض کی رکاکت و بطلان ثابت ہے کیونکہ سائلین یہود جزیرۂ عرب کے جہال تھے اور دارائے علوم نہ تھے! اور تحقیقات جدیدہ میں ثابت ہے کہ علوم مرتب بترتیب خاص ہیں! اور جب تک علم متقدم حاصل نہ ہو تحصیل علم متاخر ممکن نہیں۔ اور ترتیب علوم اس طرح ہے اول علوم ریاضی۔ دوم علوم فلکیہ سوم علوم طبیعیہ چہارم علم کیمیا۔ پنجم علم وظائفِ اعضا و تشریح ششم علم نفس و منطق ہفتم علم اقتصادِ سیاسی ہشتم علم تکوین شعوب نہم علم تمیز جمال۔ دہم علم ماوراء طبیعت اور اسی میں علم روح داخل ہے نیز علم عقائد و معارف الٰہیہ۔ یازدہم علم اخلاق۔ دوازدہم علم حقوق سیزدہم علوم سیاسیہ اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ علم معرفت روح مرتبہ دہم میں ہے پس کس طرح سے جہال یہودیوں کے لئے معرفتِ حقیقتِ روح ممکن ہے۔ تاکہ حقیقتِ روح سے جواب دیا جائے۔ (فافہم) +

علم کلی

دوسرے علم یعنی علم کلی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے "یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" یعنی اللہ تم میں سے اہل ایمان اور ان لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جنکو علم دیا گیا ہے۔ یہاں من العلم یا قلیل نہیں فرمایا جس سے جزوی علم مراد ہوتا۔ بلکہ العلم فرمایا ہے جس سے مراد وہ گروہ خاص ہے جو مطلق علم اپنے وجود میں رکھتا ہے! اور یہ علم علمِ اکتسابی نہیں ہے۔ بلکہ وہی علم ہے جو اس کا مرتبہ علم باری تعالےٰ سے منتزع و متنزل ہوا ہے۔ غرض ان آیات میں دو علموں کا ذکر کیا گیا ہے ایک علم محدود و جزوی ہے! اور وہ اعم ہے اور سب کو شامل ہے اور دوسرا علم مطلق کلی۔ اور وہ مخصوص ہے ایک

جماعت خاص سے اور طریق سعادت یہی علم ہے اور سعید نیک بخت دو ہی قسم کے لوگ ہیں۔ یا وہ لوگ جو دارائے مطلق علم ہیں۔ یا وہ لوگ جو اُن سے لیتے ہیں اور اُن کے مقلد ہیں ؎

بیان علم ذاتی و رفع اشتباہ

کوئی شبہ نہ کرے کہ اوتو العلم میں لفظ اوتو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم اُن کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ بعد خلقت ذات اُنکو عطا کیا گیا ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انسان علاوہ اجزائے مادیہ جسمانیہ ایک روح یا قوت ملکوتی رکھتا ہے۔ جو مجرد اور فوق اجزائے مادیہ اور کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں۔ اور تجرد دلیل علم ہے۔ بلکہ وہ قوت ملکوتیہ نفس قوت علمیہ ہے۔ جو انسان کو ملکیتی ہے اور انسان اُسی قوت سے انسان کہلاتا ہے۔ نہ کہ اجزائے مادیہ سے پس وہ علم ذاتی رکھتا ہے اور علم کا مادہ اُسکی فطرت میں داخل ہے اور اسی کی وجہ سے مکلف قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ البتہ علم اس کا بہت کم ہے اور محدود و ناقص اسی کی طرف اشارہ ہے آیہ مجیدہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم ع) " میں (یعنی اپنی توجہ کو خالصاً لوجہ اللہ اقامۂ دین کے لئے منعطف کر۔ یہ دین فطرت الٰہی ہے جس پر خدا نے لوگوں کو مخلوق و مفطور کیا ہے اور خلق الٰہی کے لئے تبدیلی ممکن نہیں یہی دین قائم و ثابت ہے ولیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے) اگر دین فطرت انسانی میں داخل نہ ہوتا۔ اور بالفطرت لوگ عالم نہ ہوتے۔ تو ہرگز مکلف نہ ہوتے۔ اسی دین فطری کی تکمیل کیواسطے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں اور اسی علم فطری کی تتمیم کے لئے آئے ہیں۔ پس یہ علم علم فطری ذاتی ہے لیکن بالذات نہیں ہے علت موجدہ اور ہے اور علم ذاتی اور علم بالذات میں فرق ہے (فافہم) ؎

فرق عالم و علیم

ایک عالم ہے اور ایک علیم۔ اول خداوند عالم نے اپنی ذات کو لفظ علیم سے متصف فرمایا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیٍٔ عَلِیْمٌ۔" "ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔" اور علم اُس کا علم ذاتی ہے اور بالذات بعد ازاں اپنے پیغمبروں کو علیم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ عزیز مصر سے فرماتے ہیں: "وَاجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔" اور حضرت اسحٰقؑ کے باب میں فرمایا ہے: "وَبَشَّرْنَاہُ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ۔" پس بعد خدا اُس کے انبیاء علیہم السلام علیم ہیں اور علم ذاتی رکھتے ہیں لیکن نہ بالذات۔ بلکہ باعطاءِ الٰہی۔ اور اُن کے تحت میں عالم ہیں۔ جو اُن سے علم لیتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں خدا فرماتا ہے: "وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔" یعنی ہر ایک ذی علم (عالم) کے اوپر علیم ہے پس ذی علم عالم ہیں۔ اور اُن کے اوپر علیم پیغمبر ہے اور فوقِ پیغمبر خداوند عالم۔ کہ علیم ازلی و ابدی ہے اور علم اُس کا بالذات و عینِ ذات ہے ✦

علّتِ خلقتِ انبیاء

خدا نے جو انبیاء کو خلق فرمایا ہے۔ اُنکی خلقت کی اصلی غرض کیا ہے؟ آیا خاص ہمارے واسطے اور ہماری ہی ہدایت کے لئے خلق کیا ہے یا اور کسی غرض سے؟ اگر انبیاء کو خاص ہمارے ہی واسطے اور ہماری ہدایت ہی کے لئے خلق فرمایا ہے اور اُن کے وجود اور خلقت کی غرض و غایت اصلی ہم ہی ہیں تو لازم آتا ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہوں۔ کیونکہ مسلم ہے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہوتی ہے۔ جو چیز جس کی غرض سے اور جس کے واسطے بنائی جاتی ہے۔ وہ افضل ہے اُس چیز سے جو اُس کے لئے بنائی گئی ہے لہٰذا اگر انبیاء خاص ہمارے ہی لئے بنائے گئے ہیں۔ تو ہم یقیناً اُن سے افضل ٹھیرتے ہیں کیونکہ اُن کی غرض و غایت ہم ہیں۔ اور یہ باطل ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہیں۔ اور نہ کسی کا اعتقاد ہے پس معلوم ہوا۔ کہ غرض و غایت خلقت

ہم اور ہماری ہدایت نہیں بلکہ خداوند عالم نے اُن نفوس مقدسہ کو بغرض اظہار کمال وقدرت کاملہ ومحبت شاملہ خلق کیا ہے کہ اُن کے وجود کو دوست ومحبوب رکھتا ہے کیونکہ وہ اُس کے کمالات کا نمونہ اور اُسکی صفات کمالیہ۔ جلالیہ وجمالیہ کا مظہر ہیں اور ہر صاحب کمال اپنے کمال سے مبتہج ومحظوظ ہوتا ہے اور اُسکو محبوب رکھتا ہے اسی واسطے حضرت موسےٰ سے خطاب کرکے فرماتا ہے۔ "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" یعنی اے موسےٰ میں نے تجھے خاص اپنے واسطے پیدا کیا اور بنایا ہے۔ پس اصل غرض خلقتِ انبیا سے اظہارِ قدرت ومحبت الٰہی ہے۔ البتہ ہماری ہدایت اُس کی فرع ہے اور غرض عرضی ثانوی۔ کیونکہ نفسِ وجود اُنکا مظہر کمالات الٰہیہ ہے اور وہ ہمیشہ سالکِ صراطِ مستقیم الٰہی ہیں اس لئے ہم اُن سے معرفت حاصل کرتے اور اُنکی پیروی کرکے منزل مقصود پر پہنچتے ہیں پس ہماری ہدایت اُن کے آثارِ وجودیہ سے ہے۔ نہ کہ اُن کی خلقت کی غرض وغایت اصلی۔ خداوند عالم علیم بالذات ہے اور علیم بالذات جاہل بالذات کو محبوب ودوست نہیں رکھتا۔ کامل کمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہذا اُس نے انبیا کو جاہل پیدا نہیں کیا۔ بلکہ عالم بلکہ علیم پیدا کیا اور علم اُن کی سرشت میں ودیعت کیا۔ بلکہ اول چیز جو مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے وہ علم ہی ہے۔ جیسا کہ سورہ رحمٰن کی آیاتِ اوّلیہ سے ظاہر ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (رحمٰن نے قرآن تعلیم دیا۔ انسان کو خلق کیا۔ اور اُس کو بیان سکھایا) ظاہر ہے کہ آیۂ مذکور میں تعلیم مقدم ہے خلقت پر۔ خلقت بعد ہے اور تعلیم اول۔ کیونکہ علم ہی مقدم ہے تمام چیزوں سے۔ اول علم ہے۔ دوم مشیت سوم ارادہ۔ چہارم قدر پنجم قضا۔ یا چہارم قضا وپنجم قدر۔ ششم اجل۔ ہفتم کتاب۔ لہذا اول اس آیت میں علم ہی کو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اول ما نزل من اللہ علم ہی ہے ؀

نکتہ۔ یہاں خداوند عالم نے الرحمٰن فرمایا ہے۔ اللہ نہیں فرمایا۔ اور خلقت انسان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا ہے پس وہ متعلم کون ہے جس کو قبل خلقت قرآن تعلیم دیا گیا۔ اور وہ تعلیم کس قسم کی تھی۔ اللہ اسم خداوند عالم ہے باعتبار جامع ہونے جمیع صفات کمالیہ کے اللہ یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ۔ اور رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور جمیع صفات کمالیہ۔ کیونکہ رحمت ہی سے ظہور ہوتا ہے "ورحمتی وسعت کل شیٔ" اور تعلیم مقام ظہور ہے۔ اس لئے الرحمٰن فرمایا ہے اللہ نہیں فرمایا اور چونکہ رحمان اسم ہے باعتبار ظہور صفات۔ اسی واسطے جہاں کہیں عرش یعنی علم خدا کا ذکر آیا ہے وہاں رحمان ہی استعمال ہوا ہے۔ "الرحمٰن علی العرش استوٰی" یہ جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ خداوند عالم کا اسم ذاتی ہے نہ صفاتی غلطِ محض ہے خدا کے لئے کوئی اسم ذات نہیں۔ اسکی ذات اسم ورسم حد ومحدود سے بری ومقدس ہے کیونکہ مسلم ہے کہ اسم ذات مسمیٰ کو مشخص ومحدود کر دیتا ہے۔ اور ذاتِ مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے پس اگر اللہ اسم ذات خداوند عالم ہو۔ تو ذاتِ خدا مشخص ومحدود ہو جائے اور نیز ہر شخص متصور احاطہ کرلے اور پہچان لے۔ غرض اللہ بھی اسماء حسنی صفاتیہ ہی میں داخل ہے۔ "ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایًا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ" سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور رحمٰن دونوں ایک ہی جیسے اسماء صفاتیہ ہیں۔ اللہ ہرگز اسم ذات وعلم نہیں پس خدا کے لئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا درست نہیں۔ اور یہ متعلم جس کو قبل خلقتِ انسان تعلیم دی گئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ کیونکہ وہ اول موجودات ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ اول جو چیز مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے وہ علم ہے پس حقیقتِ نورانیہ محمدیہ نفسِ قوتِ علمیہ ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ تعلیم تعلیم عالم عنصری نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم ایجادی ہے یعنی مبدٔ فیاض نے اول قوت علمیہ ایجاد

کی ہے۔ جو حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے چنانچہ اس کا ثبوت کہ انبیا کی تعلیم تعلیم ایجادی
ہے۔ اور ایجاد و تعلیم ایک ہی آن واحد میں ہیں۔ اور یہ تعلیم تعلیم تدریجی نہیں ہے
قصۂ حضرت آدم وغیرہ ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ "فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ
مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ" یعنی جب میں اُس کو درست و معتدل بنالوں اور
اپنی روح خاص اُسمیں پھونک دوں۔ تو تم فوراً سجدہ تعظیمی میں جھک جاؤ اور پھر فرماتا
ہے "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" اللہ نے آدم کو تمام اسما تعلیم کر دئے پس یہ
تعلیم حضرت آدم محض نفخ روح ہی سے ہے نہ یہ کہ اول اُن کو خلق کیا گیا پھر
روح پھونکی گئی۔ بعدازاں اُنکو درجہ بدرجہ تعلیم دی گئی۔ بلکہ ایجاد و نفخ روح اور تعلیم
ایک آن میں ہے۔ یعنی اُن کو عالم پیدا کیا گیا۔ اور وہ روح روحِ علمی ہے۔
جو انکو دی گئی۔ اُس کے داخل ہوتے ہی عالم ہو گئے اور وجود میں آئے از عالم و عارف
اسی طرح قصۂ حضرت عیسٰے[ع] صریح اس پر دال ہے۔ غرض انبیاء علیہم السلام کو خدا
نے مقام محبت سے خلق کیا ہے۔ اور انکو اپنی صفات کاملہ و قدرت بالغہ کا نمونہ و
مظہر قرار دیا ہے۔ "وَلِلّٰهِ الْاَمْثَالُ الْعُلْیَا" تمام انبیاء فی جمع اللہ نمونہ قدرت پروردگار
ہیں اور مظہر صفات کمالیہ۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ
اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ" تحقیق کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے ظاہر
ہے کہ اللہ تعالے کی کوئی صورت مشخصہ نہیں ہے پس مراد صورت سے صورتِ
صفاتی ہے۔ یعنی اپنی صفات پر خلق کیا ہے اور اپنے اوصاف کا نمونہ و مظہر
بنایا ہے +

مثال انبیاء علیہم السلام اور مبدء فیاض تبارک و تعالے کی مثل آفتاب و
شعاعِ آفتاب کے ہے۔ یعنی انبیاء کو مبدء فیاض و صانعِ مطلق سے وہ نسبت
ہے۔ جو بلا تشبیہ شعاعِ آفتاب کو آفتاب سے ہے کہ شعاع کا مبدء آفتاب ہے

اور شعاع آفتاب ہی سے ہے مگر غیر آفتاب ہے عین آفتاب نہیں ہے اُس سے متصل بھی ہے اور جدا بھی۔ اُسی کا مظہر اور اُسی کا اثر ہے۔ مگر عین ذات نہیں (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے) اسی طرح انبیاء و حجج اللہ نور الٰہی کی شعاعیں ہیں اور اُسکی صفات کا نمونہ و مظہر مگر عین ذات باری تعالےٰ نہیں جس طرح آثار آفتاب و کمالات شعاع آفتاب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں اور جو کچھ فیض عالم کو پہنچتا ہے۔ شعاعوں کے ہی ذریعہ سے پہنچتا ہے اور اگر شعاع نہ ہوتی۔ تو آثار آفتاب ہم پر منکشف نہ ہوتے شعاع کو دیکھ کر آفتاب کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح وجود انبیاء و حجج اللہ جو نور سرمدی الٰہی کی شعاعیں ہیں انہیں کے ذریعے سے ہم اپنے خالق و صانع کو پہچانتے ہیں اور انہیں کے ذریعے سے فیض نور سرمدی ہم تک پہنچتا ہے ہم اُن کو دیکھ کر اُسکی معرفت حاصل کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" کا۔ کہ اے موسےٰ میں نے تجھے اسلئے بنایا ہے کہ میرے کمالات و آثار تجھ سے ظاہر ہوں۔ اور تجھے دیکھ کر لوگ مجھے پہچانیں۔ ورنہ میرا ادراک و میری معرفت محال ہے۔ اُنکی بصارت میں اتنی قوت کہاں کہ نور سرمدی کا احساس کرسکیں +

پس سب سے پہلے جو چیز مصدر علم سے صادر و ظاہر ہوئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے۔ جو شعاع و ضوٗ نور سرمدی ہے اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ طابع بجلدہا شتق نورہ من نور اللہ۔ یعنی نور محمدی نور الٰہی سے منتزع و مشتق ہے۔ اور جناب امام محمد باقر باقر علوم الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اے جابر! اللہ تھا اور اُس کے ساتھ معلوم و مجہول کوئی شے نہ تھی۔ پس اول اول جو خلقت عالم کی ابتدا کی۔ تو محمد مصطفےٰ اور ہم اہل بیت کو اپنے نور عظمت و جلال سے خلق فرمایا پس ہم کو سایہ سبز کی صورت میں کھڑا کیا۔ جبکہ نہ آسمان تھا۔ نہ زمین تھی۔ نہ آفتاب تھا

نہ ماہتاب۔ نہ رات اور نہ دن۔ ہمارا نور خدا کے نور سے طرح منفصل و جدا ہوتا تھا جس طرح شعاعِ آفتاب آفتاب کے یَنفَصِلُ نُورُ نَا مِن نُورِ رَبِّنَا کَشُعَاعِ الشَّمسِ مِنَ الشَّمسِ

اور چونکہ ظہور و انعکاس نورانیت کے لئے ضروری ہے۔ کہ ایک وجودِ کثیف درمیان میں حائل ہو۔ مثلاً آئینہ اگر دونوں طرف سے یکساں شفاف ہو۔ تو شعاعِ بصر منعکس نہیں ہو سکتی اور کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی اسلئے ایک طرف سے روشن اور دوسری کثیف ہؤا کرتی ہے پس انبیا علیہم السلام جو مظہر نور سرمدی ہیں۔ ایک جنبۂ جسمانی بھی رکھتے ہیں۔ تاکہ شعاع نور سرمدی منعکس ہو کر مخلوقات تک پہنچے۔ اور یہ صفت ملائکہ میں نہیں ہے اور وہ اس خلافت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہو سکتے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے حافظ شیرازی نے اور بہت اچھا کہا ہے ؎

جلوۂ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
برقِ غیرت شدہ زیں آتش و برآدم زد

دراصل یہ شعر ترجمہ ہے اُس حدیث کا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت صفة پر پیدا کیا ہے اور اپنے انوار جلالیہ و جمالیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور جامعِ صفاتِ متضادہ انسان ہی ہے نہ ملک (فافہم) +

نورانیت اجسام انبیاء

بہرحال وجود اوّل جو مصدر و مبدء فیاض سے صادر ہؤا ہے۔ وہ حقیقت علمیہ ہے۔ کیونکہ علیم بالذات سے صادر ہؤا ہے اور روح قدس نبوتی حقیقت نوریہ وجودیہ ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ محل مناسب حال ہو اور ظرف مناسبِ مظروف۔ اگر ظرف مناسب مظروف اور محل مناسبِ حال نہ ہوگا۔ تو وہ اُس حال و مظروف کا متحمل نہ ہو سکیگا۔ اور اُسکو برداشت نہ کر سکیگا۔ لہٰذا لازمی ہؤا کہ اس حقیقتِ نورانیہ کے واسطے محل

ظرف بھی نورانی ہی ہو۔ تاکہ معرفت نور سرمدی صرف اُن کے بیان ہی پر موقوف نہ
رہے۔ بلکہ اُن کے دیکھنے سے بھی آثار نوریہ ظاہر ہوں۔ چنانچہ آیہ نور میں اسی کی
طرف اشارہ ہے۔ "اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح
المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ
لاشرقیہ ولا غربیہ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور یھدی
اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شئ علیم"
جب حقیقت روحانیہ بھی حقیقت نورانیہ ہے۔ اور جسم بھی نورانی۔ تو پھر نورٌ علےٰ نور
ہی ہے پس نوع انبیا نوع خاص ہے اور اُنکا وجود مادی بھی مادہ کثیفہ سے نہیں
ہے بلکہ نورانی ہے۔ اور اجسام عنصریہ سے خارج۔ اور اُن سے بالاتر ہے۔ اور
اُن پر حاکم ہے۔ نہ اُن کے ماتحت اور نہ اُن کا محکوم۔ پس وہ عالم اجسام میں
داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اجسام عنصریہ اُن پر خود اثر نہیں کر سکتے
پڑھئے قصۂ حضرت یونسؑ کہ بروایت بعض چالیس روز تک اور ایک روایت
کے موافق کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ رہے جس پر تمام کتب عہدِ
عتیق وجدید توریت وغیرہ شاہد ہیں۔ کونسا انسان ہے جو تین روز یا چالیس
روز مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ سکے۔ علےٰ ہذالقیاس جس وقت حضرت موسےٰؑ متولد
ہوئے ہیں۔ اور فرعون کو خبر ملی۔ تو اُس نے مُفتّش کو تلاش و دریافتِ حال کے
لئے بھیجا۔ جب مفتش داخل خانہ مادر موسےٰ ہؤا۔ تو اُنھوں نے حضرت موسےٰؑ کو ایک
تنور میں رکھ دیا۔ اور اوپر کچھ لکڑیاں ڈال دیں۔ تاکہ دکھائی نہ دیں۔ ایک لونڈی
نے بے خبری میں آکر تنور میں اور لکڑیاں ڈال دیں۔ اور آگ روشن کر دی جب
مُفتّش[1] تلاش کر کے چلا گیا۔ تو والدہ حضرت موسےٰؑ دوڑیں اور چلائیں۔ کہ تنور
میں آگ کس نے روشن کر دی۔ لونڈی نے عرض کیا۔ کہ میں نے ایسا کیا ہے

[1] تلاشی لینے والا +

فرمایا اس میں تو میرا بچہ ہے میں نے مفتش کے خوف سے رکھ دیا تھا اُس نے کہا کہ مجھ کو خبر نہ تھی مادر موسےٰؑ گھبائیں اور جب تنور میں دیکھا تو حضرت موسےٰؑ صحیح وسالم بیٹھے ہیں اور آگ سے کھیل رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آگ تنور میں خود بخود روشن ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ۔ چونکہ وجود اقدسِ موسےٰؑ اجسام عنصریہ پر غالب و حاکم تھا۔ آگ اس پر اثر نہ کر سکی +

اسی طرح قصہ ابراہیم خلیل اللہ مشہور و معروف ہے کہ آتش حضرتؑ کے لئے گلزار ہو گئی تھی بعد ازاں بحکم خدا مادر موسےٰؑ نے اُن کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینک دیا اور حضرت ایک روز و بروایتے تین روز تک دریا میں رہے اور زندہ نکلے۔ حالانکہ دوسرا بچہ اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اگر صندوق میں سوراخ رکھے جائیں۔ تو پانی بھر جائے اور بچہ دم گھٹ کر مر جائے۔ اور اگر بالکل بند کر دیا جائے۔ تو ہوا داخل نہ ہو۔ اور سانس بند ہو کر بچہ ہلاک ہو جائے۔ مگر مادر حضرت موسےٰؑ نے صندوق کو ہر ایک طرف سے بالکل بند کر کے دریا میں ڈالا تھا۔ اور حضرت موسےٰؑ زندہ رہے جسکی خدا خبر دیتا ہے "فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ" اس صندوق کو دریا میں ڈال دے +

بالجملہ محل مناسبِ حال ہے۔ اور حقیقتِ نورانیہ نبویہ کا ظرف بھی نورانی دفوق اجسام عنصریہ ہوتا ہے۔ اور جب اُس کی نورانیت درجہ کمال پر پہنچتی ہے۔ تو پھر اُس جسم کا سایہ بھی نہیں ہوتا۔ نور محض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خصائص وجود اقدس احمدی سے ہے کہ حضرت کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو جو اجزائے مادیہ عطا کئے گئے ہیں وہ بھی ہماری سوچ سے لطیف تر اور نورانی ہیں +

حضرت آدمؑ سے لے کر تا حضرت خاتم اکثر انبیاء علیہم السلام کا	بیان خلقت انبیاء علیہم السلام

حالِ ولادت دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ خلقت انبیاء علیہم السلام اسباب ظاہریہ
مادیہ پر موقوف نہیں ہے حضرت آدمؑ کے باب میں "اِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ"
فرمایا ہے۔ اسباب ظاہری کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بعد ازاں حضرت اسحاق کی
ولادت کے قصے کو پڑھیے۔ سورہ ذاریات میں خدا خبر دیتا ہے "وَبَشَّرُوْہُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ"
ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی۔ "فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُہٗ فِیْ
صَرَّۃٍ فَصَکَّتْ وَجْہَہَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ" پس حضرت ابراہیمؑ کی بیوی (سارہؑ) اپنی
لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ خوشخبری سننے کو آئیں۔ اور ملائکہ کو دیکھ کر شرم سے
منہ ڈھانپ لیا۔ اور کہا میں بڑھیا ہوں۔ اور میرا شوہر بھی قابلِ اولاد نہیں ہے
پھر اولاد کیسے ہوگی۔ "قَالُوْا کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ اِنَّہٗ ہُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ" ملائکہ نے کہا بیشک
ایسا ہی ہے کہ نہ تمہارا سن قابلِ اولاد ہے۔ اور نہ تمہارے شوہر ابراہیمؑ قابلِ
توالد۔ لیکن یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔ اور وہی صاحب حکمت اور
ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اُس کے نزدیک کوئی دشوار نہیں۔ کہ اس سن
میں تمہیں فرزند عطا فرمائے۔

دوسرے مقام پر سورہ ہود میں اسی قصے کا ذکر ہے "وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ
فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰہَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا
عَجُوْزٌ وَّہٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ" جب ملائکہ حضرت ابراہیمؑ کے
پاس آئے۔ تو اُن کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہنسیں پس ہم نے انکو اسحاق اور
بعدِ اسحاقؑ یعقوبؑ کی بشارت دی اُس نے کہا۔ کیا میں جنونگی۔ حالانکہ میں
بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی ضعیف ہے؟ بتحقیق کہ یہ ایک عجیب بات ہے
کہ اس سن میں اولاد ہو۔ "قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ
اَہْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" (ہود ع) ملائکہ نے جواب میں کہا کیا تم امرِ الٰہی سے تعجب

کرتی ہو؟ تم اہل بیتِ نبوت پر خدا کی خاص رحمت و برکات ہیں اور وہی صاحبِ
حمد و صاحبِ بزرگی ہے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف۔ کہ خلقتِ انبیاء
عالمِ امری سے ہے۔ وہاں صرف ارادۂ الٰہی متعلق ہونے کی ضرورت ہے۔ اُن کی
خلقت اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے۔ اگر تم اور تمہارے شوہر دونوں
قابلِ توالد و تناسل نہیں ہیں۔ تو تم سے فرزند پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے
خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خلقت کا اسباب ظاہریہ پر موقوف نہ ہونا صرف تم اہلِ بیتِ
نبوت ہی کے واسطے ہے اور یہ رحمت و برکت انبیاء ہی کے لئے ہے۔ عام لوگ اس
میں شریک نہیں۔ کہتے ہیں۔ حضرت سارہؑ کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی تھی۔ اور
حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ پس ایسے وقت
میں اُن سے اولاد کا ہونا جبکہ بتصدیق خداوند عالم و ملائکہ وہ قابل توالد و تناسل
نہ تھے۔ یہ خاص رحمتِ خدا نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ
خلقتِ انبیاء کی صورت کچھ اور ہی ہے۔ نہ کہ عام لوگوں کی طرح۔ اور اُن کی خلقت
عالمِ امری سے ہے۔ نہ کہ عالمِ خلقی سے جو موقوف باسباب ظاہریہ ہو۔

اس سے زیادہ صریح قصہ حضرت عیسٰےؑ ہے حضرت مریمؑ نے بھی اس بشارت
سے تعجب ظاہر فرمایا ہے۔ "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا
قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ
وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا۔ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ
آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا۔" (سورہ مریم ع ۲)
یاد کر۔ کتاب میں ذکر مریم کو جبکہ وہ اپنے کنبے سے الگ ہو کر جانب مشرق جا

گئی۔ اور ان کی طرف پردہ حائل کر لیا پس ہم نے اُسکی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا۔
جو بصورت بشری اُن کے سامنے آیا۔ تو مریمؑ نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں اگر
تو متقی و پرہیزگار ہے کہ تو میرے پاس کیوں آیا ہے اُس نے کہا سوائے اس کے
نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اسلئے آیا ہوں۔ کہ تمہیں ایک پاکیزہ
لڑکا عنایت کروں۔ مریمؑ نے کہا میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی
بشر نے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں (معاذ اللہ) بدکار ہوں (اس مقام پر تخصیص
بعد تعمیم ہے۔ مطلب حضرت مریمؑ کا یہ ہے کہ میرے شرعی شوہر تو ہے ہی نہیں۔
جو مجھ سے ہم بستر ہوتا۔ اور میں زانیہ و بدکار بھی نہیں ہوں۔ جو غیر شرعی طور پر
کوئی بشر مجھ سے مس کرے۔ غرض حضرتؑ اپنی عصمت کو ظاہر فرماتی ہیں۔ اور
ملائکہ حضرتؑ کی تصدیق کرتے ہیں) اُس فرشتے نے کہا ایسا ہی ہے (نہ تم کو شوہر
نے مس کیا ہے اور نہ کسی اور شخص نے) (مگر) تمہارے پروردگار نے کہا ہے۔
کہ یہ امر میرے لئے آسان ہے (کہ بلا اجتماع مرد و زن و تہیئۂ اسباب ظاہر یہ بچہ پیدا
کردوں) اسلئے کہ ہم اُس کو لوگوں کے لئے اپنی آیت و رحمتِ خاص قرار دینگے
اور یہ امر طے شدہ ہے۔ قضا اس پر جاری ہو چکی ہے اس آیت کے آخر میں خدا
فرماتا ہے۔ "ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ"
یہی عیسٰیؑ ابن مریم ہے جس کی ولادت اس طریق مذکور پر ہوئی۔ یہ سچی بات ہے
جس میں لوگ شک و شبہ کرتے ہیں۔ "مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهٗ
اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" خدا کی شان کے یہ شایاں نہیں
ہے کہ وہ اپنے لئے کسی کو بیٹا بنائے۔ یا کسی قسم کی جزئیت و لدی اختیار کرے
وہ ان امور سے پاک و پاکیزہ ہے۔ وہ وہ ذات پاک ہے۔ کہ جب وہ کسی امر کا
حکم کرتا ہے اور اس کی قضا اُس پر جاری ہوتی ہے پس وہ کُن کہتا ہے اور

وہ امر ہو جاتا ہے یعنی اس کا ارادہ متعلق ہوتے ہی وہ شے ہو جاتی ہے پس وہ خلق کرنے میں کسی سبب ظاہری کا محتاج نہیں ہے۔ یہ آیت بالصراحت دال ہے کہ خلقتِ انبیاء علیہم السلام عالم امری سے ہے۔ نہ عالم خلقی سے اسباب ظاہرہ مادیہ کو یہاں دخل نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر حضرت عیسےٰ ہی کے باب میں فرمایا ہے۔ "وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ"۔ یعنی عیسےٰ خدا کا کلمہ وجودیہ ہے۔ اور اس کی ایک روح خاص ہے اسباب مادیہ کو اس کے وجود میں کوئی دخل نہیں +

درجات سہ گانہ انسانی

یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ عالم میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک علیم۔ اور وہ حجج اللہ انبیاء و ائمہ ہیں دوسرے ذی علم یعنی عالم جو اس علیم سے علم لیتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں تیسرے وہ لوگ جو نہ تو خود علیم ہیں اور نہ علیم سے لیتے ہیں۔ پہلے دو قسم کے لوگ طریق نجات پر ہیں اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نجات نہیں ہے۔ جناب امیر المومنین سر اللہ فی العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ وَمُتَعَلِّمٌ عَلٰى سَبِيْلِ النَّجَاةِ وَالْبَاقِيْ كَالْهَمَجِ اَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ" یعنی آدمی تین قسم کے ہیں ایک عالم ربانی۔ دوسرے متعلم بر سبیل نجات جو عالم ربانی سے علم سیکھتے ہیں۔ اور باقی مثل (خرمگس) گندگی کی مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کے ہیں۔ جو ہر ایک آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس طرح وہ مکھیاں ہیں۔ کہ جہاں کہیں لوبے بد بلند ہوئی وہیں پہنچ گئیں جیسا کہ آجکل یہاں کے لوگوں کا حال ہے کہ ہر ایک جاہل و ملحد بددین کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خواہ وہ حرامزادہ ہی کیوں نہ ہو اور کیسا ہی کریہ المنظر مشوہ الخلقت اور مجموعۂ عیوب ہو +

جناب امیرالمومنین کا یہ کلام مستنبط ہے۔ آیہ ذیل سے جسمیں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ "فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ" ایک اصحاب یمین دوسرے اصحاب شمال تیسرے سابقین مقربین پس سابقین مقربین حجج اللہ وانبیاء واوصیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ اور اصحاب یمین اُنکے اتباع کرنے والے مومنین ہیں اور اصحاب شمال وہی تیسرے فرقے کے لوگ ہیں جو نہ سابقین میں داخل ہیں۔ نہ اُنکے قدم بقدم چلنے والے۔ اور ایسوں کیلئے نجات نہیں۔ پس بکمال وضاحت ثابت ہے۔ کہ طریق سعادت منحصر ہے دو چیزوں میں یعنی یا تو دارائے علم موہبتی انبیاء واوصیاء سے ہو یا اُن سے علم لینے والا۔ اور اُن کے قدم بقدم چلنے والا۔ اور کے لئے نجات وسعادت نہیں؛

بہرکیف چونکہ عوام کی تعلیم اور اُن کے علوم ناقصہ کی تکمیل کے لئے اول معلم ضروری ہے۔ اسلئے اول شے جو مبدءٔ فیاض ومصدر علم سے ظاہر وصادر ومنزل ہوئی ہے۔ وہ حقیقت نوریہ محمدیہ ہے۔ جو معلم تعلیم الٰہی دارائے جنس علم بلکہ اصل علم اور عالم کے لئے معلم روحانی ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" بعد ازاں عالم جسمانی میں بھی اول معلم ہی بھیجا گیا ہے یعنی حضرت آدمؑ اس وقت بھیجے گئے۔ جبکہ آپ کی اولاد میں سے کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تاکہ جس وقت سلسلہ توالد وتوالد جاری ہو۔ تو معلم اُن کا پہلے سے موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود حجت (نبی یا امام) ہر وقت اور ہر زمانے میں ضروری ہے مخلوق سے پہلے بھی حجت خدا موجود تھا۔ اور مخلوقات کے ساتھ بھی اور بعد میں بھی اسی واسطے

خدا فرماتا ہے۔ "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ" یعنی روز قیامت ہر ایک
شخص کو اُس کے امام کے ساتھ بلائینگے۔ بلا وجود امام قیامت قائم ہی نہیں سکتی
چنانچہ یہی مضمون حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ "اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ
وَمَعَ الْخَلْقِ" یعنی حجتِ خدا قبل خلق بھی موجود ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی
اور بعد فنا مخلوقات بھی تاکہ اُسکے ذریعے سے اُنکا حشر ہو۔

پس حجۃ اللہ نمونہ صفاتِ الٰہی و معلّم تعلیم الٰہی ہوتے ہیں خالق سے لیتے ہیں
اور خلق کو پہنچاتے ہیں۔ اور حجیّت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری و باطنی۔ اور پھر
اُن میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس حجت اللہ اور معلم الٰہی
کو مخلوقاتِ عالم سے پانچ قسم کے تعلقوں میں سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے
اس کو کسی اور موقع پر بیان کیا جائیگا۔) قصۂ حضرت ہابیلؑ کو خیال کیجئے تاکہ
تمہیں حجت اللہ کے تعلق کا کچھ حال معلوم ہو۔ کہ جس وقت قابیل نے
حضرت ہابیلؑ کو قتل کر دیا ہے۔ تو لکھا ہے اور صحیح ہے کہ تمام موجوداتِ عالم میں
انقلاب و اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ وصی حضرتِ آدمؑ تھے۔ اور اُن کے
بعد حجتِ خدا تھے۔ اُسی تعلق کی وجہ ہے کہ ان ایام (محرم) میں عالم مضطرب و
منقلب نظر آتا ہے۔ کیونکہ حجتِ موجود (امام زمان) وہی حجتِ خدا ہے اور اس
حجت موجود کو اُس حجتِ خدا سے جس سے یہ ایام مخصوص ہیں۔ نسبت تساوی
و تعلق اتصالی و باطنی حاصل ہے اگرچہ یہ امام بظاہر آخر زمانے میں آیا ہے پس
جو حالت کربلا میں اُس حجتِ خدا و امام ہے سید الشہدا پر طاری ہوئی تھی۔ وہ
ہی اس حجتِ موجود امام زمان پر طاری ہوتی ہے اور جو انقلاب و تزلزل اس
وقت اجزائے عالم میں پیدا ہوا تھا۔ وہی اس وقت اس کے اضطراب کی وجہ
سے پیدا ہوا ہے۔ اور ہلال محرم کے دکھائی دیتے ہی عالم مضطرب و منقلب

نظر آتا ہے۔

کیونکہ جو اعمال و افعال عالم جسمانی میں واقع ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ باقی نہیں رہتے لیکن تحقیق یہ ہے کہ اُن سب کی ایک حقیقت متاصلہ ہے جو باقی رہتی ہے حتےٰ کہ ہمارے اعمال مثل تکبیرۃ الاحرام و قرأت و رکوع و سجود جو بظاہر ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ اُن کا کوئی وجود باقی نہیں۔ اور جو آواز و لفظ مثلاً مُنہ سے نکلا جاتا رہا۔ درحقیقت اُن میں سے ہر ایک وجود حقیقی اور ایک حقیقت متاصلہ ہے اور ہر ایک شے عالم دہری میں ثبت رہتی ہے چنانچہ آیۂ مجیدہ "وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا" (جو کچھ اُنہوں نے کیا۔ اُس کو حاضر و موجود پایا) اس پر بالصراحت دال ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" جو کچھ تم کرتے ہو۔ ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں ثبت و ضبط رہتا ہے پس جب اہل مجلس ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور مقررین و واعظین کی تقریریں سنتے ہیں۔ دوسری تقریر سے پہلی تقریر بظاہر معدوم ہو جاتی ہے۔ اور روز عاشورا کے واقعات شہادت میں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بظاہر معدوم معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت عالم دہری میں ان سب کی ہیئتِ مجموعی اور حقیقتِ کلیہ موجود رہتی ہے اور امام چونکہ موجود ہے اور وہ شہید ہے۔ ہر شے پر موجود و حاضر ہے اس لئے اُس کے سامنے صورت شہادت بحیثیت مجموعی اور جملہ واقعات کربلا کی ہیئتِ کذائی و اجتماعی اُسکے پیش نظر ہے اور سامنے موجود ہے پس جب امام زماں شہادت کی صورت مجموعی کو دیکھتا ہے اُس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ جبکہ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ واقعات شہادت کو صرف تھوڑی دیر سُن کر مضطرب و منقلب ہو جاتے ہیں خود امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں۔ "فَلَئِنْ اَخَّرَتْنِیَ الدُّهُوْرُ وَعَاقَنِیْ عَنْ نَصْرِکَ

اَلْمَقْدُوْرُ وَلَمْ اَکُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا وَلِمَنْ نَصَبَ لَكَ الْعَدَاوَۃَ مُنَاصِبًا
فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَّمَسَاءً وَلَاَبْکِیَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا الخ

اے جد بزرگوار اگرچہ زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈالدیا۔ اور مقدورات نے آپ کی نصرت سے مجھے باز رکھا اور میں اُن لوگوں سے نہ لڑسکا۔ جنہوں نے آپسے جنگ کی۔ اور آپکے دشمنوں سے دشمنی ظاہر نہ کرسکا۔ لیکن بالتحقیق کہ میں ہر روز صبح وشام آپ کے لئے باواز بلند نوحہ وفریاد کرتاہوں۔ اور آنسوؤں کی عوض خون روتاہوں۔ کیوں حضرات جب ہماری یہ حالت ہے۔ کہ ایک روز تھوڑے سے حالات سُن کر نوحہ وفریاد کرتے اور مضطرب ہوجاتے ہیں۔ تو روز عاشورا اُس امام عالی مقام کا کیاحال ہوتاہوگا۔ جو جملہ واقعات کو بچشم خود دیکھتا ہے اور ہمیشہ صبح وشام خون کے آنسو روتا ہے۔ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ"

موعظۂ دوم

۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِھِمْ

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ

طریق تعلیم اور اس کی کیفیت

ذکر کیا جاچکا ہے۔ کہ علم یا تو ذاتی ہے یا غیر ذاتی۔ اور تعلیم یا باطنی ہے۔ یا ظاہری یعنی بذریعہ آلات ظاہریہ چشم وگوش۔ اور جس کا علم ذاتی نہیں ہے چاہئے

کہ وہ اس سے علم حاصل کرے جسکا علم ذاتی ہے اور آلات ظاہریہ پر موقوف نہیں ہے۔ خداوند عالم قصۂ آدمؑ اور ابتدائے خلقت انسان کے باب میں فرماتا ہے:- "اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ" (سجدہ ع ۱)

یعنی پروردگار عالمیان وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو احسن اور نہایت عمدہ پیدا کیا ہے اور خلقت انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر اُس کی نسل ایک ذلیل قطرۂ آب سے قرار دی۔ اور اس انسان اول (آدمؑ) کو درست و معتدل بنا کر اس میں اپنی ایک ذری سی رُوح پھونک دی۔ اور (اے بنی آدمؑ) تمہارے لئے اللہ نے کان آنکھ اور دل پیدا کئے۔ (مگر) تم بہت ہی کم شکر گزار ہو پس انسان اول یعنی حضرت آدم ابو البشر کے لئے ایک روح خاص عطا ہوئی۔ اور اُن کی اولاد اور نسل کے لئے آنکھ کان اور دل دئے گئے۔ اور آیہ مبارکہ "اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ"۔ (نکالا تم کو شکم امہات سے درانحالیکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل دئے۔) کے ملانے سے نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ بنی آدمؑ کیلئے آلات تحصیل علوم یہی آنکھ۔ کان اور دل بتلائے گئے ہیں۔ اور آدمؑ کو تحصیل علوم میں ان آلات کا محتاج قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ذریعہ تعلیم علوم وہی رُوح ہے۔ پس یہ رُوحِ خاص (یعنی اللہ) سے مخصوص ہے اور تعلیم کا آلات ظاہریہ پر موقوف ہونا بنی آدم سے مختص۔ ان دونوں آیات مبارکہ میں سمع کو بصر پر مقدم رکھا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اول آلۂ تعلیم کان ہے۔ اور ظاہر و مشاہد ہے۔ کہ مادر زاد اندھا تعلیم پا سکتا ہے لیکن مادر زاد بہرہ تعلیم نہیں پا سکتا۔ مگر بہت ہی خفیف اور کم۔ غرض پیغمبر کی ذات کے

ساتھ علم ہوتا ہے اور غیر پیغمبر کا علم غیر ذاتی ہے۔ اُن کو چاہئے کہ پیغمبر سے علم حاصل کریں +

علم ذاتی و علم بالذات

علم ذاتی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جہاں علم عین ذات ہے اور زائد بر ذات نہیں۔ علم عین ذات ہے اور ذات عین علم۔ اور اسی کو علم ذاتی اور علم بالذات کہتے ہیں اور یہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود خداوند عالم سے۔ کہ اُس کی تمام صفات عین ذات ہیں۔ نہ زائد بر ذات پس اُس کا علم بھی عین ذات ہے۔ اور علم و ذات دو چیزیں نہیں ہیں اُس کی ذات علم ہی علم ہے۔ اور ایک علم ذاتی وہ ہے۔ جہاں علم اور ذات دو چیزیں ہیں۔ اور علم ذاتِ شے سے علیحدہ۔ اور زائد بر ذات ہے۔ اور گویا وہاں علاوہ علم اور شے بھی ہے۔ صرف علم ہی علم نہیں ہے۔ اور ایسا علم جو عین ذات نہیں ہے۔ بلکہ خارج از ذات و زائد بر ذات ہے محتاج معطے و معلم ہے اور یہ معلم و معطے وہی خالق و ذات واجب الوجود علیم مطلق ہے یہ علم ذاتی انبیاء اوصیاء ائمہ علیہم السلام کا ہے۔ کہ اگرچہ زائد بر ذات ہے۔ لیکن خدا نے ذات کے ساتھ عطا کیا ہے اور اسی وجہ سے کہ نبی کی ذات عین علم اور اُس کا علم عین ذات نہیں ہے کبھی اُس سے علم کی نفی کیجاتی ہے۔ اور یہ نفی علم گویا اُن کے مرتبہ جسمانی عنصری سے متعلق ہے اور کبھی اُس کو مبدئے علم و خزانہ علم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ صاحب روح قدس ہے جو روح نورانی علمی ہے اور وجود جسمانی اُس کا کلمۃ اللہ۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ کے باب میں فرمایا ہے "وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ اور پیغمبر خاتم النبیین (کلمۃ علیا) "وکلمۃ اللہ ھی العلیا" وکلمۂ تامہ "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" لہذا آیہ مجیدہ "وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ " اے پیغمبر تو نہیں موجود تھا جانب غربی
میں جبکہ ہم نے موسیٰؑ کو اس امر خاص کا حکم دیا۔ اور تو وہاں شاہدین میں سے نہ تھا
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ
قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (قصص ع ۵)
اور تو نہیں تھا طور کی جانب جبکہ ہم نے موسیٰ کو ندا دی لیکن یہ سب کچھ تیرے
پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تو ڈرائے اُس قوم کو جس کے پاس ہم نے تجھ سے
پہلے کوئی نذیر (پیغمبر) نہیں بھیجا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اسی مضمون کی دیگر
آیات جن میں خدا پیغمبر کے موجود ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اور آیہ مجیدہ "وکیف اذا
جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علی هؤلاء شهیدا (کیونکر ہوگا۔ جبکہ ہم ہر ایک اُمت کا
شہید بلائینگے اور تجھ کو اے پیغمبرؐ تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔) اور اس جیسی
آیات میں جنمیں پیغمبرؐ کے شہید مطلق اور تمام عوالم پر حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے۔ کہ
پیغمبرؐ باوجودیکہ سب سے آخر میں آیا ہے لیکن تمام انبیاء پر تا حضرت آدمؑ شہید اور
اُن پر حاضر و ناظر ہے۔ اور اُن کے افعال و اعمال کو دیکھتا ہے۔ فی الحقیقت کوئی
منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں پیغمبرؐ سے نفی علم کی گئی ہے۔ وہ نفی علم بالذات ہے
کیونکہ علم پیغمبرؐ موقوف بر تعلیم الٰہی ہے جیسا کہ "ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان"
میں اور جہاں حضور و شہود کی نفی ہے۔ وہاں حضور و شہود جسمانی مراد ہے اور
مطلب یہ ہے۔ کہ اے پیغمبرؐ تو اس خلوت میں اور بصورت جسمانی کوہ طور اور
جانب غربی میں موجود نہ تھا۔ اگر اپنی رحمت سے خدا نے ان امور کا علم تجھے بذریعہ
تعلیم روحانی دیدیا تھا اور اُسی روح کی وجہ سے شہید تھا۔ اور جہاں خدا شہید مطلق
فرماتا ہے اور حضرت آدمؑ تک پر بلکہ تمام عوالم پر شہید و حاضر و ناظر قرار دیتا ہے وہ
بلحاظ اسی روح اعظم نبوتی ہے۔ جو اول مخلوق و حقیقت علمیہ ہے اور نبوت اسی پر موقوف ہے

دعوت جسمانی پر بس کوئی تنافی و تضاد ان آیات میں نہیں ہے۔ کیونکہ نبی میں
دو جنبے ہوتے ہیں ایک جنبہ جسمانی۔ دوسرا جنبۂ روحانی "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ"
اور بلحاظ اس روح کے وہ عالم ہوتا ہے اسلئے کہ یہ روح روح نورانی علمی ہے اور
تمام انسان ایسے نہیں ہوتے اور سب میں یہ روح علمی نہیں ہے۔ لہٰذا اُن کا علم غیر
ذاتی ہے اور اُن کو چاہیئے کہ وہ اُن سے تعلیم پائیں جنکا علم ذاتی ہے اور صاحب
روح نورانی علمی ہیں۔ اور یہی مطلب ہے "فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" (ہر صاحب
علم کے اوپر ایک علیم ہے) الخ۔ ذی علم و صاحب علم وہ عالم ہے جس نے علم
پیغمبر سے حاصل کیا ہے اور علیم پیغمبر ہے کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اور شکم
مادر سے علم لے کر پیدا ہوتا ہے اور علیم کہلاتا ہے پس علم ہر عالم کا منتہی ہوتا ہے
علیم یعنی پیغمبر کی طرف اور علم پیغمبر منتہی ہوتا ہے علیم مطلق خداوند عالم کی طرف
اور وہ علیم فوق علیم ہے۔ اور علم وہی ہے جو علیم سے حاصل ہوا ہو۔ دوسرا علم علم
نہیں بلکہ مشابہ بعلم بھی نہیں ہے مگر بہت تھوڑا سا۔

وجود علیم ہر زمانے میں ضروری ہے

اور اسی وجہ سے خدا نے اول علیم یعنی نبی کو پیدا کیا۔ تاکہ معلم پہلے
سے موجود ہو۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ وجود علیم ہر زمانے میں ضروری ہے ہر
وقت بھی چاہیئے کہ ایک علیم اور ایک ایسا شخص جس کا علم ذاتی ہے موجود ہو۔

درجاتِ انبیاء و علوم انبیاء

علم ذاتی اور وہ علوم جو علیم مطلق سے بذریعہ تعلیم روحانی پہنچے ہیں۔ وہ بھی
مختلف درجے رکھتے ہیں۔ اور علم ہر پیغمبر کا حسب ضرورت و مصلحتِ مکان و
زمان دوسرے سے جدا و مختلف ہوتا ہے۔ اور ابتدائے خلقتِ انسانی سے درجہ
بدرجہ ترقی کرتا آیا ہے۔ اور ان علوم انبیاء کی مثال کسی کالج یا سکول کی جماعتوں کے

مختلف کورسوں کی ہے۔ کہ ہر ایک جماعت اور طبقے کے لئے ایک علیحدہ کورس اسکی استعداد و قابلیت کے موافق بنایا جاتا ہے۔ جو کورس دوسری جماعت کے لئے مقرر کیا جائیگا۔ وہ پہلی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی اس میں اُسکے سمجھنے اور یاد کرنے کی استعداد و قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور ان کورسوں میں سے اگرچہ ہر ہر کورس اپنے اپنے درجے کے لحاظ سے کامل غیر ناقص ہوتا ہے لیکن بلحاظ جماعت مافوق کم اور ادنے۔ اور درجۂ مافوق میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں۔ جو جماعت ماتحت میں ہوتی ہیں۔ بلکہ بہت کچھ زائد۔ اور ہر درجے و طبقے کے واسطے معلم بھی ویسے ہی مقرر ہوتے ہیں جس معلم کی صرف پہلی جماعت کے لئے ضرورت ہے۔ وہ آٹھویں جماعت کو تعلیم نہیں دے سکتا۔ اور وہ معلم و اُستاد جو آٹھویں کو پڑھاتا ہے وہ پہلی دوسری کو ضرور پڑھا سکتا ہے جو ایم اے کلاس کو تعلیم دے سکتا ہے وہ الیف اے کو بھی پڑھا سکتا ہے۔ پس جب تعلیم منتہی درجے تک پہنچتی ہے تو اُس کا معلم بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو تمام علوم اولیہ کو مع شئے زائد حاوی و جامع ہو +

سلسلۂ تعلیم رسمی میں ابتدائی درجے کو اول حروف مفردہ اور الفاظ مفردہ بلا معانی و مطالب لکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ اسی طریق پر خداوند عالم نے اول معلم نوعِ انسان یعنی حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماء دی اور تمام چیزوں کے نام بتلائے مفاہیم و مصادیق تو ان اسماء میں داخل تھے اور اُن کی تعلیم ہوئی تھی لیکن حقائق و بواطن اس میں داخل نہیں تھے۔ کیونکہ اول افراد انسانی جو متعلمین حضرت آدمؑ تھے ان میں حقائق اشیاء کے سمجھنے اور سیکھنے کی استعداد و قابلیت نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ تمام اسماء حضرت آدمؑ کو تعلیم دیدئیے +

نکتہ جس وقت بمقابل حضرت آدمؑ ملائکہ کا امتحانِ مقابلہ لیا گیا۔ تو خدا نے

یہ فرمایا۔ ﴿اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم اپنے دعوی خلافت میں سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ اور ظاہر ہے کہ لفظ ھٰؤلاء اسم اشارہ ہے اور اشارہ شے موجود کی طرف کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہوا۔ کہ وقت تعلیم اسماء اور اس استفسار پر مسمیات اسماء بطور حقائق یا بطور اشباح موجود تھیں جب ہی تو خدا نے فرمایا۔ کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور اسماء شامل ہے تمام اسماء ارضی و سماوی۔ مادی وغیر مادی و جواہر و اعراض کو۔ پس چاہیئے کہ اعراض بھی بطور وجود اصلی موجود ہوں۔ تاکہ اشارہ صحیح و درست ہو۔ لہٰذا حکماء کا یہ قول باطل ہے۔ کہ اعراض وجود اصلی نہیں رکھتے۔ بلکہ تمام اعراض مثل سرخی و سبزی۔ سفیدی و سیاہی تلخی و شیرینی وغیرہ وغیرہ سب کے سب حقائق متاصلہ رکھتے ہیں۔ اور انکا بھی ایک وجود اصلی ہے +

الغرض دو قرن بعد زمانہ نوح میں سلسلۂ تعلیم میں ترقی شروع ہوئی۔ حضرت آدم کے زمانے میں قانونِ شریعت مرتب نہ تھا محض مستقلات عقلیہ فطریہ تھیں۔ چنانچہ احادیث متعددہ و آیات کثیرہ شاہد ہیں اور خداوند عالم فرماتا ہے ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا﴾۔ شریعت و دین قرار دیا تمہارے لیئے وہی جو ہم نے نوح کو وصیت کیا تھا۔ اور جو تجھ کو وحی کی۔ اور جو ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو وصیت کیا تھا۔ کہ دین کو قائم کرو اور متفرق نہ ہو + اس سے ظاہر ہے کہ شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوحؑ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ اور محمد مصطفیٰؐ اور شریعت محمدی جامع ہے جمیع شرائع سابقہ کو مع شے زائد جو ان میں نہ تھی۔ اور خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ہوئی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کی شریعتِ شریعت ناسخہ مطلقہ ہے۔ اور

ان شرائع میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں ہے اس وقت قانون شریعت نہ تھا۔
وہ درجہ ابتدائی تھا۔ اور زمانہ نوحؑ اس سے ترقی یافتہ۔ اسلئے وہاں قانونِ
تشریعی کی ضرورت پڑی۔ اور وہ بنایا گیا اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت
خاتم النبیینؐ پر ختم ہے۔ کیونکہ بطور حصر خدا نے فرمایا ہے کہ نوح سے تا حضرت
خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت ہے اول نوحؑ ہیں آخر خاتم النبیین محمد
مصطفےٰ اور اگرچہ زمانہ نوحؑ میں سلسلہ ایک درجہ ترقی کر گیا تھا اور قانون
شریعت مرتب ہو گیا تھا لیکن تعلیم حقائق اس وقت بھی نہ تھی جس وقت
حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا۔ تو اُن کو تعلیم حقائق بھی دی گئی۔ اور بواطن زمین و آسمان
دکھلائے گئے۔ "کما قال عز وجل وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ"۔ یہی وجہ تھی کہ آپ خُلّت و نبوت و رسالت و خلعت امامت
سے مشرف و مخلع ہوئے۔ "اِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ
اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ کیونکہ امامت آخر درجات حقائق ہے۔ اور موقوف
ہے احاطہ حقائق پر۔ چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا " وَاَذِّنْ
فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ "
(حج ع) پکار لوگوں کو حج کے لئے وہ تیرے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں
پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے آئینگے۔ آپ نے آواز دی۔ کہاں آواز دی۔
جہاں کوئی موجود و آباد نہ تھا۔ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ " لکھا ہے۔ آواز ابراہیمی
کو اُن نطفوں تک نے سنا۔ جو ابھی صُلبِ پدر یا شکمِ مادر میں تھے۔ بلکہ ابھی
عالم دہری برزخی ہی میں تھے کیونکہ امام تھے۔ اور احاطہ بر حقائق رکھتے تھے۔
یہی وجہ ہے۔ کہ جس وقت حاجی حج کا احرام باندھتا ہے۔ تو اول "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ"
کہتا ہے یعنی اس دعوت ابراہیمی کا جواب دیتا ہے کہ ہم حاضر ہیں۔

درجات ششگانہ نبوت

مکونّاتِ عالم من حیث المواد چھ درجے رکھتے ہیں۔ اوّل صورت شدیمیہ دوم صورتِ نثیریہ۔ سوم جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوان۔ ششم انسان۔ مقسم فرائضِ سہام بھی چھ ہیں ۱/۸ + ۱/۶ + ۱/۴ + ۱/۳ + ۱/۲ + ۲/۳ کیونکہ فطرت چھ قسم پر منقسم ہے انسان شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ اول نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ۔ پھر مضغہ۔ پھر ہڈیاں۔ پھر گوشت پوست۔ بعد ازاں خلقت انسانی عقلانی۔ سلسلہ نبوت بھی چھ قسم پر منقسم ہے۔ حضرت آدمؑ سے ابتدا ہے۔ اور جناب خاتمؐ پر انتہا۔

اوّل نبوت حضرت آدمؑ ہے۔ دوم نوحؑ۔ سوم ابراہیمؑ۔ چہارم موسیٰؑ۔ پنجم عیسیٰؑ۔ ششم محمد مصطفیٰؐ خاتم النبیین۔ گویا بلا تشبیہ مقام نبوتِ حضرتِ آدمؑ مقامِ نطفیت ہے۔ اور مقامِ نوحؑ مقامِ علقیت۔ مقام حضرت ابراہیمؑ مقامِ مضغیت۔ مقامِ موسیٰؑ مقامِ عظمیت اور مقامِ عیسیٰؑ مقام لحمیت۔ اور مرتبہ ختم نبوت مقام "انشأناہُ خلقاً اٰخر" اور باقی نبوات انہی کے تحت درمیان میں ہیں۔ پس مرتبہ ختم نبوت فوق جمیع نبوات منتہائے نبوات ہے اور حضرت ابراہیمؑ متوسط ہیں اور شجرۃ الانبیا کہلاتے ہیں اور امامت انہی کو عطا ہوئی۔ ان تمام انبیا علیہم السلام کے درجات و معجزات میں تدبر و تفکر کرنے سے پوری تصدیق و تطبیق اس سلسلے کی ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل

حضرت ابراہیمؑ سے یہ تعلیم روحانی و علم ذاتی دو سلسلوں میں منقسم ہوتی ہے ایک سلسلہ بنی اسحاقؑ جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا سلسلہ بنی اسمٰعیلؑ۔ سلسلہ حضرت اسحاقؑ جناب عیسیٰؑ پر ختم و منقطع ہو جاتا ہے

تعلیم کلی

اور تعلیم کلی ذریت حضرت اسمٰعیل سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے "اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ" (بقرہ ع ۱۵) جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ بنا رہے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان اور مطیع و منقادِ مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مسلمان خاص اور مثل ہمارے مطیع و منقادِ مطلق بنا اور ہمارے مناسک ہمیں دکھا دے۔ اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو رجوع بندگان کو قبول کرنے والا ہے اے پروردگار اس جماعت میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر۔ جو تیری آیات کی اُن پر تلاوت کرے۔ اور اُنکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ اور اُن کا تزکیہ کرے۔ بتحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے + ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام مطلق اور یہ دعا اور یہ رسالت حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت میں سے ایک جماعتِ خاصہ سے مخصوص ہے۔ اور حضرت اسحاقؑ کا یہاں ذکر نہیں ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ علم احاطی رکھتے تھے اور احاطہ بر حقائق۔ اور امامت آخر درجاتِ حقائق ہے اور جو انبیاء بنی اسرائیل سے مبعوث برسالت ہوئے اُن کے حالات سے ثابت ہے کہ اُن کا علم علم کلی اور علم احاطی نہ تھا۔ اور وہ حقائق پر احاطہ نہ

رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وقت حضرت موسیٰؑ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر اولوالعزم ہیں حضرت خضرؑ سے یہ درخواست کی: "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"۔ کیا اس شرط پر میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ مجھے وہ علوم و حکمت سکھا دیں۔ جو آپ کو تعلیم دیا گیا ہے تو حضرت خضرؑ نے یہی جواب دیا "اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا"۔ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے: "وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا" اور کیونکر تم اس پر صبر کر سکتے ہو جس پر تم احاطۂ علمی نہیں رکھتے۔ صبر بلا احاطہ علمی ممکن نہیں صبر وہی کر سکتا ہے۔ جو حقائق پر احاطۂ علمی رکھتا ہو۔ صبر فرع علم احاطی ہے۔

رفع شبہ

جملہ "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ" (ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا) سے شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نبی تھے۔ رسول تھے خلیل اللہ تھے اور امام تھے تو پھر مسلمان ہونے کی دعا کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیا معاذ اللہ باوجود ان مراتب کے طے کر لینے کے بھی حضرتؑ مسلمان نہ تھے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ضرور مسلمان تھے بلکہ مسلم مطلق۔ کیونکہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام بالواسطہ دوسرا اسلام بلا واسطہ اور مُسلم دو ہیں مطلق مُسلم۔ اور مُسلمِ مطلق۔ اور دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں عام لوگوں کا اسلام اسلام بالواسطہ ہے کسی دوسرے کے واسطے سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مثلاً کسی نبی یا امام یا عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور مطلق مسلم کا یہ درجہ ہے: "اِذْ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" جبکہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اے پیغمبرؐ ان سے

کہدو۔ کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ لیکن یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ اور ایمان ابھی
تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ مطلق اسلام کا درجہ ہے۔ صرف زبان
سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کہہ دینا خواہ دل میں اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ مطلق
اسلام ہے۔ اور اسلام بلاواسطہ وہ ہے جہاں خدا اور اُس مسلم کے درمیان
اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ "اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ
اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" جب اُس کے پروردگار نے کہا۔ کہ اسلام لا۔ تو کہا
میں پروردگار عالمیان پر اسلام لایا۔ اور اُس کا مطیع مطلق بنگیا۔ یہ مسلم مطلق
ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا اسلام ہی اسلام بلاواسطہ ہوتا ہے کوئی فرشتہ
وغیرہ درمیان میں نہیں ہوتا نہ جبرئیل نہ اور کوئی نبی خود منقاد مخلص و مطیع مطلق
ہوتا ہے۔ جبرئیل و دیگر ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں چنانچہ قصہ حضرت آدمؑ
و ملائکہ ظاہر ہے "یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِہِمْ" حضرتؑ معلم جمیع ملائکہ ہیں جن میں
جبرئیل بھی داخل ہیں اور ان تمام پر حجت ہیں پس ضرور حضرت ابراہیمؑ مسلمان
بلکہ مسلم مطلق باسلام بلاواسطہ تھے۔ لہذا یہ دعا اسلام لانے کی نہ تھی۔ بلکہ
حقیقت یہ ہے۔ کہ اس اسلام کے بھی درجے اور مرتبے ہیں ایک مرتبہ قبولیت
ہے دوسرا مرتبہ فعلیت۔ اور حضرت ابراہیم نے جو دعا کی تھی۔ وہ فعلیت کے
متعلق تھی۔ قبولیت پہلے سے رکھتے تھے۔ ہر ایک حکم آلہی کو مطلقاً قبول کر چکے
تھے۔ دعا یہ کرتے تھے کہ جس طرح میں نے ہر ایک امر کو قبول کر لیا ہے۔ اسی
طرح سے اسکی فعلیت میں آنے کی توفیق عطا فرما تاکہ اسی طرح کر دکھاؤں۔ مجھے
اور اسمعیل دونوں کو ایسا بنا دے۔ پس کوئی جائے شبہ نہیں ہے کیونکہ جملہ "وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَیْنِ لَکَ" مقام عمل ہے۔ نہ مقام تسلیم و قبولیت اور توفیق فعلیت بھی من
جانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ قصہ حضرت شعیبؑ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ

فرماتے ہیں:۔ "وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ" یعنی نہیں ہے میری توفیق۔ مگر اللہ ہی سے اسی پر توکل کرتا ہوں۔ اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اس مقام پر ایک امر اور بھی قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ آیا حقیقت ملکوتیہ روح قدس نبوتی اعلےٰ ہے یا حقائق ملائکہ؟ "یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا" سے ظاہر ہے کہ روح غیر ملائکہ ہے اور وہ ہی اقدم واشرف واعلےٰ ہے وہ ملائکہ سے پہلے موجود ہے اور ایک روح روحِ کلی ہے۔ تمام ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں جس کی تفصیل مقام ختم میں آئیگی +

امام کی شناخت اور کتاب وجودی

"کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ" (بقرہ ع ۲۶) تمام لوگ ایک امت تھے۔ پس اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ جو بشارت دیتے اور ڈرانے تھے۔ اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی۔ تاکہ وہ حکم کریں۔ لوگوں میں ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور نہیں مختلف ہوئے اس میں مگر وہ ہی لوگ جنکو کتاب دیگئی۔ اور ان پر رسول بھیجے گئے۔ بعد اسکے کہ ان کے پاس دلائل و شہاوات بینہ آچکی تھیں۔ اور یہ اختلاف محض بغاوت و سرکشی سے تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اس کے وجود کے ساتھ کتاب دیگئی ہے۔ کیونکہ کتاب دو قسم پر ہے ایک کتاب تنزیلی مثلاً۔ "اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ" "وَاَنْزَلْنَا الْقُرْاٰنَ"۔ اور ایک کتاب وجودی ہے مثل "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا الخ"۔

پس یہ کتاب جس کا حضرت عیسیٰؑ وقتِ ولادت ذکر فرماتے ہیں کہ مجھ کو کتاب دیگئی ہے کتاب تنزیلی نہیں ہے کیونکہ انجیل حضرتؑ پر سات سال یا تیئس سال یا تیس سال بعد میں نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ کتابِ وجودی ہے جو وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ اور یہ وہی کتاب ہے جس کا آیۂ سابقہ میں ذکر آچکا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اُسکو کتاب دیگئی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سے وہاں کتاب تنزیلی تشریعی مراد لیجائے۔ تو مطلب آیت کا درست نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک نبی کو کتاب تنزیلی تشریعی عطا نہیں ہوئی اور مشہور کتابِ سماوی چار ہیں توریت۔ زبور۔ انجیل اور فرقان پس ضرور اس کتاب سے کتابِ وجودی ہی مراد ہے یعنی علم وجودی جو وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور اس آیت میں بھی اسی کا ذکر ہے "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ"۔ اور لفظ مع خود معیت وجودیہ پر دال ہے کہ یہ کتاب وجود نبی کے ساتھ معیت تامہ رکھتی ہے۔ اور کتاب تنزیلی کو معیتِ وجود حاصل نہیں نیز اسی معیت کتاب سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اسلام فطری بلا واسطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُنکے وجود کے ساتھ علم عطا ہوتا ہے اور اول علوم علم معارفِ الٰہیہ ہے پس وہ سب سے پہلے وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور نبی اسلام ہی پر مفطور و مخلوق ہوتا ہے یعنی اسلام بلا واسطہ و اسلام مطلق پر کیونکہ کوئی واسطہ اُسکے اور خدا کے درمیان نہیں ہوتا۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ"۔ یہی کتاب وجودی امام کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور وہ بھی وجود کے ساتھ علم لےکر آتا ہے پس ہر نبی و امام کتابِ وجودی رکھتا ہے۔ اور یہی نبی و امام کی شناخت ہے۔ (تفصیل کتاب وجودی امام آئندہ آئیگی) ✣

امامت کاملہ

سلسلہ امامتِ کاملہ نسل حضرت ابراہیمؑ میں جاری ہوا ہے نہ نسل حضرت اسحاقؑ میں۔ کیونکہ دعائے مذکور میں حضرت اسحاق شامل و داخل نہیں ہیں کتب سابقہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ یہ دعا ذریت حضرت اسمٰعیل سے مخصوص ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں ہے اے ابراہیم ہم نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں سنی دیکھ ہم نے اسکو برکت دی۔ اور بارآور کیا اور اپنے حبیب کے طفیل اسکو بڑی فضیلت دی جس کے بارہ سردار و نائب ہونگے! اور میں اُن بارہ سرداروں سے ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ اور زبور باب ۴۹ آیت ۔ ابھی اسی پر دال ہے اور اس اسلام خاص یعنی اپنے درجے کی خواہش اور دعا حضرت ابراہیمؑ نے ذریت اسمٰعیل کی ایک اُمت خاص کے لئے کی ہے۔ اور (لک) خطاب اور دل اختصاص کی وحدت دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور اسمٰعیل کے لئے مانگا ہے وہ ہی نسل اسمٰعیلؑ سے اپنی ذریت کی ایک اُمت کیلئے۔ کیونکہ کاف خطاب اور لام اختصاص دونوں جگہ یکساں ہے اور ”واجعلنا“ بھی مکرر نہیں۔ بلکہ جعل ایک ہی ہے اگر جعل مکرر ہوتا۔ تو معنے بدل سکتے تھے! اور نسل اسمٰعیلؑ کی اسی اُمت کیلئے یہ دعا کی ہے کہ اس میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر اور ظاہر ہے کہ اولاد حضرت اسمٰعیلؑ میں سوائے پیغمبر خاتم النبیین اور کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا پس ضروری ہے کہ وہ اُمت مسلمہ جس میں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے قبل بعثت پیغمبرؐ موجود ہو۔ اور رسول خدا بنی ہاشم میں سے مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اُمت مسلمہ بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہوئی۔ ”وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ“ (اپنے سب سے قریبی قبیلے والوں کو ڈرا) اسی کی طرف اشارہ ہے ”وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ“ (ہم نے ابراہیمؑ کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی ہے) شاہد ہے کہ کتاب جو دی بجعل الٰہی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود ہے۔ اور یہی کتاب ”مادہ النبوۃ والامامۃ“ ہے۔

نبوت خاتم النبیین پر نص قرآنی ختم ہوگئی پس کتاب باقی ہے اور بعد آنحضرتؐ ذریت ابراہیمی نسل اسمٰعیل میں وہ لوگ والائے امامت مطلقہ ابراہیمی ہیں جو یہ کتاب وجودی بجعل الٰہی رکھتے ہیں۔ اور کتاب اُنکے وجود کے ساتھ ہے۔ اور اُن کی حقیقت سے متحد اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو رسولؐ خدا نے مقارن کتاب اللہ اور ثانی ثقلین وتالی قرآن فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَہْلَبَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" عترت رسولؐ اور کتاب اللہ میں جدائی اور افتراق نہیں۔ کتاب اللہ اُن کے ساتھ ہے۔ اور وہ کتاب اللہ کے۔ بلکہ اُن کے ہر ہر جزو کے ساتھ ہے۔

مرتبہ و مقام امامت مطلقہ

مقامات و نشانات امامت مطلقہ کا اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں "اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" میں مسلمانوں میں سے ہوں اور اس سلسلۂ امامت ابراہیمی و نسل اسمٰعیلؑ کا پہلا امام فرماتا ہے۔ "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔" میں سب سے اول مسلمان ہوں۔ اَنَا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ۔" میں سب سے پہلا اسلام لانے والا ہوں۔ "وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ" اولیت اسلام میری فطرت اور خلقت میں از روز تکوین داخل ہے۔ مفسرین کا جو یہ خیال ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے۔ حضرتؐ خاتم النبیین اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں غلط ہے اور خلاف ظاہر آیہ کیونکہ اپنی اُمت میں ہر ایک نبی اول مسلم ہوتا ہے کونسا پیغمبر ہے جو اپنی اُمت کے بعد خدا پر اسلام لایا ہو پھر خاتم النبیینؐ کیلئے کیا خصوصیت ہوئی خصوصیت و افتخار اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ جب مطلب یہ ہو۔ کہ میں اس وقت سے مسلمان ہوں جبکہ کوئی مخلوق اسلام نہ لایا تھا سب سے پہلے میں ہی اسلام لایا ہوں اور یہ مرتبہ اول ہی مخلوق کو

نصیب ہوسکتا ہے اور یہی امر "اناکون اول من المسلمین" سے ثابت ہے اور یہ
مقام مقام امامت کلیہ مطلقہ ہے۔ "واللہ یختص برحمتہ من یشاء وذٰلک
فضل عظیم غرض من المسلمین و من الصابرین۔ ومن الصالحین
سے ثابت ہے کہ ایک جماعت صابرین و صالحین و مسلمین مطلق پہلے سے موجود
تھی جسمیں سے انبیاء علیہم السلام اپنے کو شمار کرتے ہیں۔ اور یہ جماعت وہی اول
من المسلمین ہیں جو اس وقت سے مسلم ہیں جبکہ کوئی اسلام نہ لایا تھا کما بیّنّاہ سابقاً

صبر انبیاءؑ

بہرحال صبر فرع بر احاطہ علمیہ ہے مبدءً و معاداً۔ جو شخص مبدء
و معاد ابتدا و انتہا اور آغاز و انجام امور پر نظر نہیں رکھتا۔ وہ کبھی
صبر نہیں کرسکتا حضرت ابراہیمؑ کو دیکھئے کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے
ذبح کرتے ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ اس پر راضی ہوجاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔
"یاابت افعل ماتومر ستجدنی انشاءاللہ من الصابرین"
اے پدر بزرگوار جو کچھ حکم خدا ہے اسکو بجا لائیے مجھ کو انشاءاللہ آپ صابرین میں
سے پائینگے۔ یہ صبر اسی وجہ سے تھا کہ آپ نبی تھے۔ اور انجام و آغاز امور پر احاطہ
علمی رکھتے تھے +

صبر امامؑ

اب صبر مظلوم کربلا کا ملاحظہ کیجیئے اور دیکھئے۔ کہ کس درجے پر پہنچا
ہوا ہے! امام محمد بن کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب میں
لکھتے ہیں۔ کہ مجھے روز عاشورا کے واقعات سے تعجب نہیں ہے۔ کیونکہ جو قلب
حقائق اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے وہ صبر رکھتا ہے حضرت ایوبؑ کو "نعم العبد" اسی
صبر کی وجہ سے کہا گیا ہے لیکن جس وقت ناموس تک نوبت پہنچی ہے وہ بھی
صبر نہیں کرسکے! اور حضرت ایوبؑ نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی اور رفع تکلیف
کی دعا فرمائی۔ "ربّ انی مسّنی الضُّر وانت ارحم الراحمین" لیکن میں نے تمام

کتب مقاتل کا مطالعہ و تفحص کیا کسی مقام پر میں نے امام کی شکایت یا رفع مصائب کی دعا نہیں دیکھی - حتے کہ جس وقت آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ہیں - اور اہل بیت عصمت و طہارت خیموں سے سر برہنہ نکل پڑے ہیں - اور آپکے قریب آئے ہیں - اس وقت بھی آپ نے شکایت نہیں کی - حالانکہ یہ مقام ناموس تھا - اور حضرت ایوبؑ کے قصہ سے کہیں زیادہ قربان ہماری جانیں اِس صابر مظلوم پر روحی و ارواح العالمین لہ الفداء - لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ⁂

موعظۂ سوم

۵ - محرم الحرام ۱۳۳۲ سنہ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ"

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ"

تقسیم وجود

وجود بلحاظ غرض و غایت دو قسم کا ہوتا ہے - ایک وجود فی نفسہ لنفسہ دوسرا وجود فی نفسہ لغیرہ یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے ایجاد و خلق کرنے سے موجد و خالق کی غرض و مقصود خود وہ موجود ہے دوسرا وہ وجود ہے جسکی خلقت کی غرض و غایت خود وہ نہیں ہے - بلکہ وہ کسی دوسرے کیلئے خلق و ایجاد کیا گیا ہے ⁂

پہلی قسم کے وجود حجج اللہ علیہم السلام یعنی انبیاء و ائمہ ہیں کہ اللہ نے اُن کو اپنی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا ہے اور مقصود اُنکی خلقت سے وہ خود ہیں

کیونکہ ہر صاحب کمال خصوصاً کامل مطلق اپنے کمال کو محبوب و دوست رکھتا ہے اور اپنے کمال سے مسرور و مبتہج ہوتا ہے خدا کامل مطلق ہے پس جو موجود کامل مطلق سے اول صادر ہوئے ہیں وہ بھی کامل ہیں نہ ناقص۔ کیونکہ نقص کو کامل مطلق کبھی محبوب نہیں رکھتا۔ اور وہ اولین وہ حجج اللہ ہیں جنکے حق میں فرماتا ہے "السابقون السابقون اولئک المقربون" خصوصاً وہ نبی جو جملہ مخلوقات سے اول خلق کیا گیا ہے اور مصنوع اول ہے۔ سب سے کامل تر ہے۔ اور اس کا وجود کسی دوسرے کے لیے مخلوق نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ہی مقصود و مراد ہے۔ دیگر وجودات اُسکے وجود سے منتفع ہوتے ہیں اور اُسکے طفیل سے مستفید و مستفیض۔

توضیح غرض و غایت خلقتِ انبیاء

اگر پیغمبر کا وجود دوسری مخلوق کے لیئے ہو۔ اور اصل غرض و غایت خلقتِ انبیاء سے بنی نوع انسان ہی۔ تو وہ نبی سے افضل و اشرف ہونگے کیونکہ غایت ذی الغایت سے افضل و اشرف ہے مثلاً خداوند عالم فرماتا ہے "خلق لکم ما فی الارض جمیعا" جو کچھ کہ زمین میں ہے سب تم انسانوں کیواسطے پیدا کیا گیا ہے یعنی ارض و ما فی الارض انسان کیلئے خلق کیا گیا ہے اور اُنکی خلقت سے مقصود خود اُن کا وجود نہیں ہے بلکہ انکا وجود از قسم "فی نفسہ لغیرہ" ہے۔ اور غرض و غایت اُن کی خلقت کی انسان ہے اور وہ ذی الغایت پس انسان تمام موجودات ارضی سے افضل و اشرف ہے۔ اور تمام چیزیں اُسکے لیئے پیدا کیگئی ہیں۔ پس اگر اسی طرح سے غرض و غایت خلقتِ انبیاء انسان ہو اور وہ اُس کیلئے خلق کیئے گئے ہوں۔ اور اُنکا وجود بھی مثل موجودات ارضی از قسم فی نفسہ لغیرہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ "خلق اللہ الانبیاء کلھم للانسان" تو یقیناً عامۃ الناس انبیاء علیہم السلام سے افضل و اشرف ہونگے اور یہ بالبداہت باطل ہے اور صحیح یہی ہے کہ اُن کا وجود

فی نفسہ لنفسہٖ ہے۔ اور خلقت سے وہ خود مقصود بالذات ہیں۔ ہاں لوگ اُن سے
مستفیض ہوتے ہیں۔ اور اُنکے اقوال و افعال سے ہدایت پاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مظاہر
صفات الٰہیہ ہیں۔ ہمیشہ سالکِ طریقِ الٰہی و صراطِ مستقیم ہیں کبھی اس سے تخطّی نہیں
کرتے۔ پس جو ان نفوسِ قادسہ مقدسہ کی قول و فعل میں پیروی کریگا۔ لابد نجات پائیگا
پس ہدایت طفیلی ہے اور جو انبیاء مبعوث برسالت و تبلیغ ہیں۔ اُن کے وجود کی
غرض ثانوی ہے اسی واسطے خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کے حق میں فرماتا ہے "وَاصْطَنَعْتُكَ
لِنَفْسِی" اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے واسطے بنایا ہے یعنی "خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِی
وَتَعْبُدَنِی وَتَحْمَدَنِی وَتُقَدِّسَنِی وَتُسَبِّحَ لِی وَتُؤْمِنَ بِی
وَلَا تَكْفُرَ بِی وَلَا تُشْرِكَ بِی شَیْئًا" چنانچہ امام علیہ السلام ابتداء خلقت
حضرت آدمؑ کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں جب روح حضرت آدمؑ دماغ تک پہنچی
تو آپ نے چھینکا۔ خداوند عالم نے فرمایا اے آدمؑ کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" حضرت
آدمؑ نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ۔ خداوند عالم کی طرف سے آواز آئی ۔
"یرحمك الله - لهذا خلقتك لتوحدنی وتعبدنی وتحمدنی وتؤمن بی
ولا تكفر بی ولا تشرك بی شیئًا" اے آدمؑ تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں نے تجھے اسی
واسطے خلق کیا ہے تاکہ تو مجھے واحد جانے اور میری توحید کو ظاہر کرے اور میری
عبادت کرے اور حمد و ثنا بجا لائے اور مجھ پر ایمان لائے اور میری ناشکر گزاری نکرے
اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے ۔ یہی غرض و غایت خلقتِ انبیاء ہے
خصوصاً وجود خاتم النبیین کہ اصل مقصود و مراد خلقت عالم ایجاد ہے۔ کما قال
عزوجل فی القدسی "یَا عَبْدِی اَنْتَ الْمُرِیْدُ وَاَنْتَ الْمُرَادُ وَاَنْتَ خِیَرَتِی
مِنْ خَلْقِی وَعِزَّتِی وَجَلَالِی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ"
یعنی اے میرے بندے اور میرے محبوب تو ہی مرید ہے اور تو ہی مراد ہے۔ اور تو ہی میری

برگزیدہ مخلوق ہے اور مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے اگر تو مقصود نہ ہوتا اور تجھے خلق نہ کرتا۔ تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا ایک اور حدیث میں جناب امیر المومنینؑ سے کیفیت خلق نور محمدی میں مروی ہے۔ "قَالَ اللّٰهُ لِلْقَلَمِ فَلَوْلَاہُ مَا خَلَقْتُكَ وَمَا خَلَقْتُ خَلْقِي اِلَّا لِاَجْلِهٖ هُوَ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَسِرَاجٌ مُّنِيْرٌ وَحَبِيْبٌ شَفِيْعٌ" اللہ تعالیٰ نے قلم سے کہا اگر محمدؐ نہ ہوتا۔ تو تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا ہے میں نے اپنی مخلوق کو مگر اس کے ہی واسطے پس وہ بشیر و نذیر ہے اور سراج منیر و شفیع و حبیب ہے الخ۔ غرض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نمونہ صفات الٰہیہ اور آیت کمالات خالق ہیں ان سے خدا ملتا ہے۔ خدا کا راستہ ملتا ہے انہیں سے خدا پہچانا جاتا ہے اُن کو دیکھا گویا خدا کو دیکھا۔ خلائق اُن کے وجود کے طفیل سے ہدایت پاتے ہیں نہ کہ انکا وجود محض ہدایت خلق کے لئے مخلوق ہوا ہے جو شخص چراغ روشن کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے دوسرے بالتبع روشنی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسقدر آئے ہیں اپنے بعد ایک دوسرے کے آنے کی بشارت دیتے آئے ہیں پس اگر مقصود بالذات خود انکا وجود ہوتا۔ تو دوسرے کی خبر دیتے نہ آتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایک غرض و غایت کے تحت میں ہیں یعنی وہ بھی کسی دوسرے کی خبر دینے اور معرفی کرنے کیواسطے آئے ہیں اور وہ سب ایک غایت کے تحت میں ہیں۔

اس بیان کی مزید توضیح

حضرت ابراہیمؑ افضل انبیاء سابقین و شجرۃ الانبیاء ہیں۔ اُن کو خدا حکم دیتا ہے "طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" یعنی میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنیوالوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک کرو۔ یہ راکعین ساجدین۔ طائفین اور عاکفین کون ہیں؟ جن کیواسطے تطہیر خانہ کعبہ کا حکم ابو الانبیاء شجرہ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ

خلیل اللہ کو دیا گیا ہے اور خانہ کعبہ کے حق میں فرمایا ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ گویا صفت خانہ کعبہ یہ بیان ہوتی ہے کہ وہ تمام عالم بلکہ جملہ عالمین یعنی کل ماسوائے اللہ کے لئے ہدایت کرنے والا ہے "ھُدًی لِّلنَّاسِ" بھی نہیں "ھدًی لِّلْعٰلَمِیْن" حالانکہ یہی خانہ کعبہ مدت تک بت خانہ بنا رہا ہے اور اہل مکہ مشرکین پس یہ کیونکر ہادی ہوا؟ اگر ہادی ہوتا۔ تو اول اپنے اندر سے بت نکالتا اور تمام اہل مکہ کو موحد بنا لیتا ظاہر یہی ہے کہ کوئی مکان کسی کو ہدایت نہیں کرسکتا پس یہ کونسا بیت ہے جو تمام عالمین جملہ مخلوقات کی ہدایت کرنے والا ہے۔ لفظ وضع دال ہے کہ یہ گھر نہیں ہے جو اینٹ پتھر سے بنایا جاتا ہے کیونکہ وضع کے معنے گزاشتہ شدہ کے ہیں یعنی ایک چیز پہلے سے موجود تھی جس کو اٹھا کر رکھدیا گیا ہے پس اگر مراد اس مکان سے یہ مکان ظاہری ہوتا۔ تو بُنِیَ آتا یعنی یہ پہلا گھر ہے۔ جو بنایا گیا ہے یا بنا کیا گیا ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے اور روایات سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ جب طاق تک پہنچ گیا۔ تو اس وقت حضرت جبرئیل ایک سفید پارچہ لائے اور بطور قبہ رکھا گیا۔ پس اگر یہ صحیح ہو۔ تو وہ سقف کہلائیگی۔ نہ مکان۔ پس یہ آیت اگرچہ بظاہر آسان ہے لیکن مشکل ترین آیات سے ہے راکعین و ساجدین وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان سے مراد مصلین یعنی عام نماز گزار نہیں۔ کیونکہ "وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ" رکوع کرو رکوع کرنیوالوں کے ساتھ "وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ" جب کافرین و مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو۔ تو وہ رکوع نہیں کرتے۔ ہرگز رکوع سے مراد نماز نہیں۔ کیونکہ کافرین و مشرکین سے نماز کی توقع قبل ایمان بے معنی ہے۔ اسی طرح آیہ مجید یَا مَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ اے مریمؑ اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنیوالوں کے ساتھ دال ہے

کہ اس رکوع سے مراد رکوع نماز نہیں۔ کیونکہ یہاں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں
اور پھر وہ بھی راکعین کے ساتھ۔ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ کی نماز میں سجدہ پہلے ہے
اور رکوع بعد میں تو غلط ہے کیونکہ اُنکی نماز میں رکوع ہی نہیں ہے اور سجدہ کے قبل
رکوع ہونا خلافِ فطرت و خلافِ عادت ہے۔ لہذا یہ رکوع اور ہی ہے اور یہ راکعین
ایک جماعت خاص ہے اور اُس کے معنے کچھ اور ہی ہیں۔ یہ راکعین وہ راکعین ہیں جن کا
اس آیت میں ذکر ہے "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ
یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ" یعنی سوائے
اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اُس کا رسولؐ۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے
ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ راکعین ہیں پس راکعین
ائمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جنکا فرد اول علیؑ ابن ابی طالب سرّ اللہ فی
العالمین امیر المومنین ہیں جنہوں نے حالت رکوع میں انگشتری سائل کو دی اور
باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت علیؑ کے شان میں نازل ہوئی اور یہ راکعین باین معنے
ہیں کہ وہ رکوع حالت وسطی کا نام ہے درمیان قیام و سجود گویا یہ راکعین واسطہ
ہیں درمیان خالق و مخلوق اور اسی کی طرف اشارہ ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ
اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"
یعنی اسی واسطے ہم نے تم کو اُمتِ وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید و حاضر
و ناظر ہو اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور اس صورت میں "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ" کے یہ
معنے ہونگے کہ ان کی پیروی کرو۔ اور ان کے ساتھ ساتھ رہو۔ جو خدا اور اُسکی
مخلوق کے درمیان واسطہ اور شہید علی الناس ہیں عین اللہ الناظرہ ہیں اللہ
[illegible] راکعین ساجدین کیا واسطہ ہے اور اصلاح غرض و غایت عالم و
مقصود تخلیق یہی ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بعثت انبیاء سابقین مقصود بالذات

نہیں بلکہ سب پیغمبر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفی کرنے اور اُن کی بشارت دیتے آئے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صل سنگ و خشت و گل کو کوئی شرافت وفضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت مکان مکین سے اور شرافتِ خانہ اہل خانہ سے ہے اور عظمتِ محل بوجود حال چنانچہ خدا فرماتا ہے "لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ" یعنی ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو میں قسم کھاتا ہوں اُس شہر (مکہ) کی درآنحالیکہ اے پیغمبر تو اس میں مقیم ہے یعنی یہ شرافت وعظمت وکرامت کعبہ ومکہ معظمہ تیری وجہ اور تیرے وجود سے ہے پس اصل خانہ کعبہ وبیت باطنی یہی ہیں اور اول بیت جو تمام عوالم کے لئے ہادی ہے بیتِ نبوتِ مطلقہ ہے جس کی صفت "تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" ہے۔ تمام عالمین کیلئے ہادی وہی ہے۔ جو تمام عالمین کے لئے نذیر قرار دیا گیا ہے اور وہی اولِ بیت ہے کہ مخلوق ومصنوعِ اولِ خالقِ عالم ورب العالمین ہے اور شرافتِ خانۂ کعبہ اسی صاحبِ خانہ کی وجہ سے ہے اور وہ اور اس کے اہل بیت جو وارثان بیتِ نبوت ورسالت ہیں مقصودِ کائنات وغایتِ مخلوقات ہیں "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ"!

نکتہ۔ تطہیر تمام خانہ کعبہ نہیں حاصل ہوئی۔ مگر اسی نفس رسول ویداللہ کے ہاتھوں سے جو عام طور پر بت شکن مشہور ومعروف ہیں اور جس نے حجر نبوت پر قدم رکھ کر خانہ کعبہ کو نجاستِ اصنام سے پاک کیا اور کمالات حضرت ابراہیمؑ اسی سے اور اس کی زبان سے ظاہر ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ نے جو یہ دعا کی تھی۔ "وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ" اُمت آخر میں میرے لئے (میری ذریت سے) ایک زبان صدق وصداقت نشان قرار دے۔ خدا نے اُسکو قبول فرمایا۔ فقال عز وجل "وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا" یعنی اُمت آخرین میں ہم نے لسان

صدق وصداقت نشان علیؑ کو قرار دیا۔ یہاں علی اسم صفت نہیں ہے اگر اسم صفت لیا جائے تو معنے مقصود مہمل ہوجائینگے اور مطلب ہوگا۔ کہ ہم نے اُن کیلئے ایک لمبی اور دراز زبان قرار دی اور یہ صفت قبیح ہے نہ حسن پس علی اسم ذات اور علم ہے اور وہ علی نہیں ہے۔ مگر علیؑ ابن ابی طالب۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے ابراہیم اُمتِ آخرین میں ہم نے علیؑ کو لسانِ صدق قرار دیا ہے اور وہی صدیق اکبر ہے۔ پس کمالاتِ ابراہیمیؑ اس سے ظاہر ہوئے اور اسی نے خانہ کعبہ کو نجاستِ شرک و اصنام سے پاک کیا۔

پس جملہ مخلوقات ایک غایت کے تحت میں داخل ہیں۔ اور وہ مقصود بالخلق نہیں ہیں۔ بلکہ مقصود بالذات خلقت سے محمدؐ و آل محمدؐ ہیں اور وہی مقصود کائنات و غایتِ مخلوقات ہیں اور غایت الغایات حضرت حق عزّ و جلّ۔ "وَاِلَیہِ یُرجَعُ الاَمرُ کُلُّہٗ"۔ "وَاِلَیہِ تُرجَعُون"۔ "وَاِلَیہِ المَصِیر"۔ "اَلَا اِلَی اللّٰہِ تَصِیرُ الاُمُور"+

فرقِ دین و شریعت و بیانِ نسخ شرائع

تعلیم حضرت آدمؑ محض اسماء تک محدود تھی۔ حضرت نوحؑ کے زمانے سے تدوینِ شرائع شروع ہوئی ہے۔ "فقال عزّ و جلّ" "شَرَعَ لَکُم مِّنَ الدِّینِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوحًا وَّالَّذِیۤ اَوحَینَاۤ اِلَیکَ وَمَا وَصَّینَا بِہٖۤ اِبرٰہِیمَ وَمُوسٰی وَعِیسٰۤی اَن اَقِیمُوا الدِّینَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا" شریعت دین قرار دیا ہم نے تمہارے لئے وہ جو وصیت کی تھی نوحؑ کو۔ اور جو اے پیغمبر تجھ کو وحی کیا۔ اور جو کچھ ابراہیمؑ و موسےٰؑ و عیسےٰؑ کو وصیت کیا تھا حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک چالیس پیغمبر گذرے ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صاحبِ شریعت نہ تھا۔ یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دین نہ رکھتے تھے؟ اور لوگ کافر تھے؟ مگر وجود پیغمبران خود اسکی نفی کرتا ہے

کیونکہ جب پیغمبر تھے۔ تو دین نہ ہونا کیا معنے۔ علاوہ ازیں دین فطرت میں داخل ہے اور انبیاء تو اصل دین ہی پر مخلوق و مفطور ہوتے ہیں۔ اور دین خدا ایک ہے: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔" "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ" پس معلوم ہوا۔ کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں دین ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہیگا۔ مگر تدوین قانون شریعت حضرت نوحؑ سے شروع ہوئی۔ نہ یہ کہ دین حضرت نوحؑ سے شروع ہوا۔ بلکہ الفاظ آیہ خود دال ہیں کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں کیونکہ "شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ" ہے شریعت قرار دی دین سے وہ جو وصیت کی تھی۔ نوحؑ کو الخ۔ پس شریعت عین دین نہیں ہے بلکہ جزو دین ہے ہاں اگر شرع لکم الدین ہوتا۔ تو یہ اعتراض و شبہ درست ہو سکتا۔ لہٰذا اُس وقت دین تھا۔ مگر قانون شریعت مرتب نہیں تھا شرع بمعنے راہ ہے پس شریعت دین پر چلنے کا راستہ ہے اور دین قابل تغیر و تبدل و نسخ نہیں ہے بلکہ نسخ شریعت سے متعلق ہوتا ہے اور اسی واسطے شریعت ہر صاحب شریعت کی علیحدہ ہوتی ہے اور لاحقہ سابقہ کی ناسخ: "وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا" شریعت راہ و محل عبور بطرف دین ہے جس کو پیغمبر ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا۔ اور دین ماہیت کلیہ ہے اور وہ قابل تقلیب نہیں ہے۔ اور نسخ شریعت میں واقع ہوتا ہے اور اُس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب اختلاف مادہ و زمان و مکان لوگوں کی صورتیں اور حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہر ایک۔ ایک صورت اور ایک حالت رکھتا ہے اور ہر ایک صورت و حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص ہاتھ رکھتا ہے اور ایک شخص نہیں رکھتا۔ تو وضو میں ہاتھ دھونے کا حکم اُس کو دیا جائیگا جس کے ہاتھ ہیں نہ اُس کو جو ہاتھ ہی نہیں رکھتا پیر پر مسح کرنے کا حکم انہیں کو دیا جائیگا جو پاؤں رکھتے ہیں۔ اسی طرح حسب اختلاف مکان و زمان و فصل و

بہم و سفر و حضر و صحت و علالت حکم بدلتا اور منسوخ ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً سخت شدت سردی
ہو اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہو تو اس سے وضو ساقط ہے۔ اور سفر میں چار رکعتی
نماز دو رکعتی رہجاتی ہے حالانکہ اس کے اعضاء و جوارح میں سے بھی کچھ کم نہیں
ہوا ہے۔ وقس علی ذٰلک۔ "بلحاظ اختلافِ حالتِ انسان و مکان و زمان و فصل و
بہم حکم بدلتا رہتا ہے۔ اور پہلا حکم منسوخ ہو جاتا ہے اسی طرح بموجب اختلافِ حالتِ
نوعِ انسان و اختلافِ اوضاعِ خارجیہ اطوار و ادوار و حالاتِ فطریۂ انسانیہ تکالیفِ
شرعیہ بدلتی رہتی ہیں اور اسی کو نسخ کہتے ہیں اور یہ نسخ بھی احکام میں واقع ہوتا ہے۔
نہ اصل موضوعات میں الغرض قانونِ شریعتی تکلیفی حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور
جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہنچا تو ختم ہو گیا۔ لہٰذا اُن کیواسطے حکم ہوا
ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا اسلیئے یہ شریعت تامہ کاملہ بلا واسطہ غیر عالم
امری سے ہے اور مقام ختم۔ لہٰذا حکم دینا صحیح ہوا۔ کہ اسی کی پیروی کرو۔ اب اس میں
تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ اور انبیاء سابقین رفتہ رفتہ لوگوں کو اس شریعتِ کاملہ تامہ
کیلئے عادی کرنے آئے تھے۔ تاکہ ترقی کرتے کرتے تعلیم اعلےٰ کے لئے تیار ہو جائیں
پس حضرت آدمؑ سے تعلیم اسماء شروع ہوئی۔ اور حضرت ادریسؑ نے درسِ علوم
شروع کیا۔ تاکہ لوگ قابلِ تحصیل معارفِ دین و شرائع ہو جائیں۔ اور اسی تعلیم علوم کی
وجہ سے حضرت ادریسؑ کو یہ درجۂ عالیہ ملا۔ کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا
ہم نے اس کو مکان عالی میں اُٹھا لیا۔ اور درجہ رفیعہ عالیہ عطا کیا۔ کہ زندہ آسمان پر
چلے گئے۔ اور حضرت آدمؑ سے تا حضرت نوحؑ دین میں مستقلاتِ عقلیۂ فطریہ پر
عمل تھا۔ علامہ طبرسیؒ روایت کرتے ہیں کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام آیۂ مجیدہ
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
كَانَ النَّاسُ قَبْلَ نُوْحٍ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلٰى فِطْرَةِ اللّٰهِ الخ۔ یعنی حضرت نوحؑ سے پہلے تمام

لوگ ایک امت تھے۔ اور سب کے سب فطرت الٰہی پر جس سے صاف ظاہر ہے کہ قبل حضرت نوحؑ قانون تشریعی (شریعت) نہ تھا محض فطریات اولیہ مستقلات عقلیہ تھے "وغیر ذلک من الاحادیث و الاخبار۔ فارجع الیہا" کہ خیرات تمام لوگوں کے نزدیک خیر ہیں۔ اور شرورات سب کے نزدیک بد۔ خواہ وہ کوئی مذہب رکھتے ہوں چنانچہ ہر ایک کے نزدیک سچ اچھا ہے۔ جھوٹ برا ہے۔ ظلم قبیح ہے۔ عدل احسن ہے رحم اچھا ہے بیرحمی بری ہے وغیرذالک۔ لہٰذا اس وقت دارومدار معاشرت انہی مستقلات عقلیہ پر تھا۔ عہد حضرت نوحؑ میں حسب اختلاف وضاع زمان و بنی نوع انسان احکام شریعت مدون ہوئے غرض مقام ختم نبوت مقام منتہائے تعلیم ہے اسی واسطے فرمایا "ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا"۔

نکات و فرق درمیان دین و شریعت و ملت

شرع لکم من الدین الخ" اس آیہ مبارک میں قابل غور یہ امر ہے۔ کہ مخاطب لکم کون ہے؟ (شریعت قرار دی تمہارے لیئے) جن کے لیئے شرع دین مقرر کیگئی ہے خود حضرت پیغمبر بظاہر ان میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے خود علیحدہ خطاب ہے یعنی "وما اوحینا الیک" اگر یہ کہا جائے۔ کہ مخاطب ہم مومنین ہیں تو غلط ہے۔ کیونکہ ہم پیرو دین و تبیع شریعت ہیں نہ صاحب شریعت حضرت ابراہیمؑ اپنی ذریت و اولاد سے فرماتے ہیں۔ "یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون" اے بیٹو اللہ نے تمہارے واسطے دین کو برگزیدہ کیا اور چنا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان ہیں پس یہاں سے معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیمؑ کے واسطے ہے اور صاحبان دین وہ ہیں۔ لہٰذا صاحبان دین انبیاء ہوئے نہ عوام۔ اس لئے صاحبان شرع دین اور وہ لوگ جن کے لیئے شریعت دین قرار دیگئی ہے۔

انبیاء ہوتے ہیں اس واسطے اس آیہ مبارکہ میں مخاطب اسکے عوام نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جن کیواسطے تمام شرائع سابقہ ولاحقہ جمع کیگئی ہیں جس میں شریعت خاتم النبیین بھی داخل ہے۔ خداوند عالم جواب دعائے حضرت ابراہیمؑ میں فرماتا ہے وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت وکتاب قرار دیدی ہے اور یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص تھی حضرت اسمٰعیل و ذریت اسمٰعیل کیلئے۔ اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل (کما بیناہ سابقاً) پس یہ ملت (کیش) حضرت ابراہیمؑ ہے کہ انہوں نے اس سلسلۂ دین کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اسی واسطے بعد آیہ واجعلنا مسلمین لک" فرمایا ہے" ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ" سوائے سفیہ کے کوئی شخص ملتِ ابراہیمی سے اعراض نہیں کرسکتا۔ اور ہمارے پیغمبرؐ کو حکم ہوا ہے۔ کہ" فاتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ ملت ابراہیمی کا تم بھی اتباع کرو۔ اور اس سلسلہ کو اپنی اولاد و ذریت میں قرار دو۔ جو ذریت ابراہیمؑ و اولاد اسمٰعیل سے ہیں اور پیغمبرؐ نے حسب حکم خداوند عالم کتاب کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اور انکو تالی کتاب و ثانی ثقلین فرمایا۔ ملاحظہ ہو" انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" پس کتاب و نبوت بعد نبی آخر الزمان ذریت نبیؐ میں آئی مگر بنص آیہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہوچکی لہٰذا کتاب بجعل الٰہی بحالِ خود باقی رہی۔ بنابرین بعد پیغمبرؐ صاحبان شریعت کلیہ مطلقہ تامہ اہل بیتؑ نبوت و رسالت و وارثان کتاب الٰہی ہیں۔ اور یہی مخاطب ہیں اس آیہ مجیدہ کے" الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" لفظ رضیت ناظرین کو ملحوظ رہے۔ اور پھر خدا ہم کو فرماتا ہے" فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا۔ تم بھی ملت ابراہیمی کا اتباع کرو۔ اور بطور

شدید فرماتا ہے۔ "وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ"
کون ہے جو ملت ابراہیمؑ سے اعراض کرے سوائے اس کے جو اپنے نفس کو سفیہ و احمق
بنائے۔ پس چاہیئے کہ ہم بھی اسی ملت ابراہیمی کا اتباع کریں اور بعد پیغمبر صاحبانِ شریعت
عترت رسولؐ ذریتِ ابراہیمی کو قرار دیں اور اُن سے بھلائی کریں اور سفیہ و احمق نہ بنیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ ملت اور چیز ہے اور شریعت اور۔ اور دین اور۔
دین ماہیت کلیّہ ہے اور شریعت راہِ عبو اور ملت کیش کو کہتے ہیں۔ اور اسی
سے یہ شبہ رفع ہوگیا۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین کو کیوں اتباعِ ملت ابراہیمی کا حکم دیا
گیا۔ اسلیئے کہ اتباع ملت کا حکم دیا گیا ہے نہ اتباعِ دین و شریعت کا دین دینِ محمدی
ہے۔ اور ملت ملتِ ابراہیمی اور جب ملت و اتباعِ ملت کے معنے معلوم ہو چکے تو
اب کوئی محل شبہ نہیں۔ فافہم۔

توضیح اس امر کی توضیح کہ شریعت ذریت رسولؐ کے واسطے ہے۔ اور وہ
ہی بعد پیغمبر وارث نبوت و صاحب شریعت ہیں آیہ استخلاف بھی
ہے۔ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا"۔
اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جملہ اعمال صالحہ بجا لائے
ہیں۔ کہ اللہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنائیگا۔ اور اُن کو اُنکے اُس دین پر قدرت و
تمکن و اقتدار عطا کریگا۔ جو اُن کے لیئے پسند فرمایا ہے اور خوشنودی ظاہر فرما
دی ہے۔ اور بعد خوف اُن کے لیئے امن عطا کریگا کہ وہ بلا خوف و خطر خالصاً لوجہ اللہ
بکمال اطمینان اسکی عبادت کرینگے اور کسی شے کو اُس کا شریک نہ گردانینگے۔ نہ ذات
میں۔ نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عبادت میں۔ نہ ظاہراً نہ باطناً اور نہ خوف و تقیہ سے

کیونکہ یہ وعدہ مومن و صالح کیلئے فرمایا ہے پس دو حال سے خالی نہیں ہے کہ یا تو
بالاستحقاق۔ یا بلا استحقاق محض تفضلاً۔ اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اسکا
فرد کامل مومن صالح ہے اور بالاتفاق بلحاظ ایمان و عمل صالح اول فرد کامل و اکمل
ذات حضرت خاتم النبیین و اول المسلمین ہے اور وہ ہی اول خلیفہ مطلق خدا ہے
اور اُس کے بعد وہ نفس قدسی باب شہر علوم جو نفس نبیؐ و سابق الاسلام ہے۔ بلکہ
خود امت مسلمہ ہے پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الٰہیہ و خلیفۃ اللہ وہ ہی ہے اور
اگر یہ وعدہ بطور تفضل ہے تو بھی بحکم آیہ شریفہ "یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ"
ہر صاحب فضیلت کو اُسکی فضیلت عطا کرتا ہے مستحق خلافت الٰہی وہ ہی
افضل الناس و خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونگے۔ اور بعد ازاں وہ جو نفس رسول
ہے اور بعد رسول افضل الناس اور یہ ہی خلفاء اللہ ہیں جن کیلئے خدا نے دین کو
پسند فرمایا ہے رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا اور ایک روز اسکی اشاعت کلیہ پر قدرت تامہ
عطا کی جائیگی وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ لفظ اِرْتَضٰی قابل غور ہے۔
تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اصطفا۔ اجتبا۔ اِرتضا۔ جنکی تحقیق سے ایک
بڑا بابِ علوم کھلتا ہے۔ اصطفا صفا سے ہے جس کے معنے پاکیزگی و صفائی ہیں۔
اجتبا جبا سے ہے جس کے معنے جمع کرنا اور چُن لینا ہیں۔ ارتضا رضا سے ہے جس
کے معنے خوشنودی و پسندیدگی ہیں۔ اور ہر ایک علیحدہ معنے رکھتا ہے۔ اور قاعدہ ہے
کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لیجاتے ہیں تو علاوہ زیادتی خاصیت باب جس میں وہ
منتقل ہوا ہے معنے مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں یعنی جب صفا کو باب افتعال
میں لے جا کر اصطفا کیا ہے۔ تو اصطفا میں معنے صفا کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے
مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لیجا کر خلاف قاعدہ سب کو ایک کر دیا
اور سب کے معنے (برگزیدہ) کر دئے ہیں اور ایسا کرنے سے اُنہوں نے ایک بابِ علم

مسدود کردیا ہے کہ کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً لفظ اصطفا نبی وغیر نبی دونوں کیواسطے استعمال ہوا ہے "یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس" آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لئے رسل مصطفی قرار دیتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ"۔ اور حضرت طالوت جو بادشاہ تھے اُن کے حق میں فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی‌ہُ عَلَیْکُمْ" "لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا" اور لفظ اجتبا تمام رسولوں کیواسطے بھی نہیں ہے بلکہ خواص کیواسطے ہے "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ"۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے۔ لیکن وہ رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اجتباء میں تمام رسول بھی داخل نہیں ہیں لہذا یہاں سے فرق اصطفا و اجتباء و مصطفےٰ و مجتبےٰ معلوم ہوگیا۔ اور لفظ ارتضا ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے۔ اور خاص سلسلہ نبویہ خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے "عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص وغیب ہویتی پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر اُس کو جو مرتضےٰ من الرسول ہو۔ اور اس مقام پر من۔ من بیانیہ نہیں ہے جس کے معنے یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضےٰ کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے "فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا" کیونکہ اللہ نے اُس کے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دیدی ہے۔ اور دونوں نگہبان ہیں پس اگر اس سے رسول مراد لیا جائے۔ تو معنے آیت درست نہیں رہتے کیونکہ پیغمبر رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے "لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی

الناس و یکون الرسول علیکم شہیداً بلکہ مراد اس مرتضےٰ من الرسول سے علیٰ مرتضےٰ ہیں کیونکہ
نبی نہیں ہیں مرتضےٰ از جانب رسول مگر مرتضےٰ اور وہ ہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں ایک
رسول ہیں جوکہ شہید ہیں یہ اُن سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود
شہید ہوتے ہیں اسی طرح یکے بعد دیگرے سے تا آخر اوصیاء عجل اللہ ظہورہ اور لفظ
یَسْلُکُ خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک ہی
سلسلے میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک زنجیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کو
کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِیْ
سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ"۔ پس نبوت یہاں سے جدا ہے۔ کہ مقام
نبوت ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ مقام امامت ہے۔ اور دوازدہ امام اسی ایک سلسلے میں
منسلک ہیں اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ بارہواں امام اس وقت موجود
ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ بلکہ ایک مدت
بعد پیدا ہوگا۔ تو سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور آیت غلط پس ضرور موجود
ہے۔ اور اُس میں متصل و منسلک۔ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں۔ اس
لیئے کہ بحکم آیہ اُن کا سلسلہ وار ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا واجب ہوا کہ گیارہویں کے
بعد بارہواں موجود ہو پس وجود مہدی آخر الزمانؑ ثابت ہے عجل اللہ ظہورہٗ

(آمدم بر سرِ مطلب) چاہیئے کہ امام ہر زمانے میں موجود ہو۔ اور یہ سلسلہ
کبھی منقطع نہ ہو لیکن ممکناتِ عالم سے اس حجت اللہ کا تعلق کیا اور کونسا ہے؟
ہم مشاہدہ کرتے اور دیکھتے ہیں۔ کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت طبعی
ذاتی۔ دوسری حرکت غیر ذاتی خارجی و قسری۔ مثلاً انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ
اُسکی ذات میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ خارج از ذات ہے اور وہ اسکی محرک ہے۔
اور انجن محرک ریل ہے اور جس قدر اس محرک میں قوت ہوگی اُتنا ہی ریل یا جہاز کا کام

کرینگے اور حرکت کرینگے ۔

اس بدن انسانی کو دیکھئے ۔ کہ یہ ایک مدبر خارجی رکھتا ہے ۔ جو روح انسانی ہے وہ اس پر تصرف رکھتی ہے اور اُس کو حرکت دیتی ہے چلاتی پھراتی ہے ۔ اور اسکے واسطے سے وہ جسم انسانی موجود و باقی ہے ۔ جہاں اس کا تعلق بدن سے منقطع ہؤا وہ خراب ہو جاتا ہے اور سڑ جاتا ہے اور انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے ۔ مرنے پر بدن مع تمام اعضا و جوارح موجود ہوتا ہے مگر انسان نہیں ایک جسم جمادی ہے اور بدیہی و ضروری ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کر دے اور پھر خود مر جائے یا مارا جائے ۔ تو اس مقتول کے قصاص میں اُس مردہ قاتل کا سر جدا نہ کیا جائیگا ۔ کیونکہ اس وقت وہ انسان نہیں ہے پس انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے اور اپنے بدن اور تمام اعضاء و جوارح پر ایسا تصرف اور اس سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ کہیں ہو اور کسی حال میں اُس کو اپنی تمام مملکت بدن کے ذرہ ذرہ کی خبر رہتی ہے اور اس پر تصرف حاصل ہوتا ہے چنانچہ خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں میل پر ہوتی ہے اور یہاں بدن کے کسی حصہ میں ایک مچھر کھٹمل کاٹتا ہے تو اُس کو فوراً اطلاع ہو جاتی ہے ۔ اور فوراً ہی اس کا دفعیہ کرتی ہے ۔ کیونکہ اس پر حکومت رکھتی ہے اور اُس کے تصرف کے لئے اُس کا قرب و بُعد مساوی ہے ۔

اسی طرح یہ تمام عالم امکان بمنزلہ ایک جسم اور ایک بدن کے ہے " قال عزو جل وما کل من فی السموٰت والارض الا اتی الرحمن عبدا " ۔ اس آیت میں خدا جملہ موجودات ارضی و سماوی کو ایک عبد کہتا ہے ۔ اور اسی طرح سے تمام عالم امکان ایک کتاب وجودی ہے ۔ " قال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث " ۔ کہا اہل علم و ایمان نے کہ تم

روز حشر و نشر و بعث تک کتاب خدا میں رہے ہو پس اس جسم عالم امکان میں حجت اللہ روح اور قلب عالم امکان ہے اور وہ موجود ہے اور متصرف اور اس کے ظاہر ہونے اور سامنے حکم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جس حال میں بھی ہے۔ اس عالم کی خبر اور اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر متصرف ہے اور اس کے لئے حضور وغیاب مساوی۔ لہذا غیبت امام قابل اعتراض نہیں۔ وہ روح عالم و قلب عالم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب قلب پر صدمہ ہو تو اور اعضا اپنی تکالیف محسوس نہیں کرتے اور اگر انسان کے عضو عضو جدا کر دئے جائیں انہیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تمام قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی طرح پر جب قلب عالم امکان مضطرب و متزلزل ہوتا ہے تمام اعضاء و جوارح متزلزل ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی خبر نہیں رہتی۔ اور جو عضو قلب سے جس قدر قرب رکھتا ہے اسی قدر اس کو صدمہ زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اسکے صدمے سے اس کو اپنی خبر نہیں رہتی اگر اسے پارہ پارہ کر ڈالو۔ تو محسوس نہیں کرتا ایک حدیث میں آنحضرتؐ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا یَا بُنَیَّ اِنَّکَ سَتُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ وَمَعَکَ جَمَاعَۃٌ لَا یَجِدُوْنَ اَلَمَ مَسِّ الْحَدِیْدِ۔" اے فرزند تجھ کو دشمن زبردستی عراق کی طرف کھینچ لیجائینگے۔ اور تیرے ساتھ کچھ لوگ ہونگے۔ جو زخم آہن کو محسوس تک نہ کرینگے وہ تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہونگے کہ انکے تلواریں لگتی ہونگی۔ تیر آتے ہونگے۔ نیزے چبھتے ہونگے مگر وہ متاثر نہ ہونگے چنانچہ واقعات شاہد ہیں۔ کہ اصحاب حسینؑ کا یہی حال تھا۔ کہ جب وہ حضرات امام مظلوم کو متاذی دیکھتے تھے اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیونکہ وہ قلب عالم امکان ہیں جب قلب مضطرب ہو تو دوسرے اعضاء کو اپنی کیا خبر رہے۔ بعد ازاں حضرتؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا" اے آتش ان پر سرد و سلامتی بن جا۔ گویا حضرتؑ نے تمام اصحاب امام مظلوم کو درجہ

حضرت ابراہیمؑ میں داخل فرمایا ہے۔ دیکھئے کہ چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشورا کیا کیا کارنمایاں کئے اور اُن اصحاب نے کیا کیا اپنے جوہر ذاتی دکھلائے۔ مورخین لکھتے ہیں۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری جس وقت میدان میں گئے۔ تو لشکر میں تہلکہ پڑ گیا۔ آپ بار بار "الا رجل الا رجل" پکارتے تھے۔ مگر کوئی لشکر سے مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلتا تھا کیونکہ عابس کی شجاعت و بہادری سے لوگ واقف تھے ربیع ابن تمیم نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اسکو جانتے ہو یہ کون ہے۔ میں نے اس کو جنگ آذربائیجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کر کے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سن کر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔ عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا۔ تو سنگ اندازوں کو حکم دیا۔ کہ سنگباری شروع کریں۔ یہ سنکر عابس نے خود سر سے اُتار پھینکا اور کمر تک بدن کو برہنہ کر لیا۔ اور فرمانے لگے۔ کہ مجھ کو پتھروں کی دھمکی دیتے ہو اور حملہ شروع کیا ادھر چار ہزار سنگ اندازوں نے سنگباری شروع کی نہ معلوم اُن چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے اُنکا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر وہ بکمال قوت قلب لڑتے رہے اور آخر کار شہید ہو گئے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"

موعظہ چہارم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

"هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ"

علوم نبوت جزئیہ وکلیہ

پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ کہ طریق سعادت پر یا عالم ہے یا متعلم۔ اور ان دونوں کے سوا جو کوئی بھی ہے اہل شقاوت و ضلالت سے ہے اور علمِ عام نوعِ بشر "وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" ہے اور علمِ خواص "أُوتُوا الْعِلْمَ"۔ پس اہل علم گویا دو جماعتیں ہیں۔ پھر صاحبان أُوتُوا الْعِلْمَ بھی دو قسم کے ہیں ایک صاحبان علم جزئی دوم وارے علم کلی۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے لے کر تا حضرت خاتمؐ جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں۔ سب کا علم بہ نسبت آنحضرتؐ جزئی تھا۔ اور وہ بطور مقدمہ آئے تھے حتےٰ کہ حضرت ابراہیمؑ میں بھی جو شجرۃ الانبیاء ہیں۔ اور افضل انبیاے سابقین ہیں علم بطور کلیت و اطلاق نہیں ہے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام باواز بلند فرماتے ہیں "يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا" اے میرے باپ مجھے علم میں سے وہ حصہ ملا ہے۔ جو تجھے نہیں ملا ہے پس میرا اتباع کر میں تجھے ٹھیک رستہ دکھلاؤنگا۔ یعنی حضرتؑ نے "مِنَ الْعِلْمِ" فرمایا۔ جو جزئیت کی دلیل ہے۔ "جَاءَنِي الْعِلْمُ" نہیں فرمایا۔ جو کلیت و اطلاق پر دال ہوتا پس معلوم ہوا کہ آپکا علم بھی بطور کلیت و اطلاق نہ تھا۔ اور خداوند عالم جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے "وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ" یعنی ہم نے اُن کو ایک علم میں تمام عالمین سے برگزیدہ بنایا ہے اور اس علم کے لئے اُنہیں پسند کیا ہے نہایت وجدان کے علم کا یہ ہے۔ کہ بعضے علم حقائق میں بطور جزئیت شریک ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو خدا خود فرماتا ہے "وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" اسی طرح سے ہم ابراہیمؑ کو بواطنِ زمین و آسمان دکھاتے ہیں کیونکہ نبوت جملہ انبیاء سابقین کی محدود و جزئی تھی ایک قوم خاص و ایک ملک مخصوص

پر مبعوث ہوتے تھے۔ نہ تمام عالمین پر مثلاً جناب آدمؑ کی شان میں آیا ہے۔ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" بتحقیق کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہٰذا خلافت جناب آدمؑ زمین ہی سے مخصوص تھی اسی طرح دیگر انبیاء۔ "یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ" اسی وجہ سے ایک وقت میں چند نبی بھی ہوتے تھے۔ بعض ایک قریہ میں اور بعض دوسرے قریہ میں چنانچہ حضرت لوطؑ زمانہ حضرت ابراہیمؑ میں ایک قریہ میں اپنی قوم پر مبعوث تھے لیکن جب سلسلۂ نبوات بمقامِ ختم پہنچا اور حضرت خاتم النبیینؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ تو اُن کے لئے خصوصیت کسی قوم یا کسی ملک کی نہ رہی۔ بلکہ اختصاص ارضی بھی مرتفع ہو گیا۔ اور تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ عالم مواد۔ عالم ارواح۔ عالمِ نفوس عالم عقول۔ عالم ملکوت عوالم ارضی و عوالم سماوی جن و انس۔ چرند و پرند۔ قریب و لبعید مرئی و غیر مرئی۔ سب پر مبعوث ہوئے۔ کما قال عزوجل "تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"۔ بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے۔ تاکہ وہ اُسکے ذریعے سے تمام عوالم پر رسولِ نذیر و بشیر ہو اور اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت سے تمام عوالم کے نذیر قرار پائے۔ بلکہ خود لفظ عالمین دال ہے۔ کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے متصف ہیں ورنہ تو بہت سے عالم نذارت سے خارج ہو جائینگے پس جس طرح آپ کی رسالت باعتبار مکان غیر محدود و کلی ہے اسی طرح بلحاظ زمان بھی غیر محدود و کلی ہے کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں" ولِذا قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ" اور "بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" حتےٰ کہ تمام انبیاء بھی آپ کی نبوت مطلقہ کلیہ کے تحت میں داخل ہیں اور اُمت مرحومہ محمدی میں شامل پس علم آپکا بہ نسبت جمیع مخلوقات جن و انس ملائکہ و عقول قادسہ و انبیاء و رسل کے کلی ہو گا۔

نکتہ۔ قرآن شریف میں بعض الفاظ و بعض محاورات ایسے ہیں کہ اگر انسان اُن
میں غور کرے۔ اور اُن کے سر سے آگاہ ہو۔ تو ابوابِ علوم منکشف ہوتے ہیں۔ منجملہ اُن کے
ایک لفظ (اٰتیٰ) ہے کہ علم اور کتاب دو چیزوں کی طرف علی العکس منسوب ہوا
ہے۔ یعنی جب لفظ اٰتیٰ بصیغہ ماضی معروف علم کی طرف منسوب ہوتا ہے تو وہاں
علم سے مراد علم جزئی ہوتا ہے مثلاً "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (نمل)
البتہ ہم نے داؤد و سلیمان کو ایک علم عطا کیا "وَاٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا" (سورہ یوسف)
اور ہم نے اُس کو حکم اور کچھ علم عطا کیا۔ "وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا" (سورہ انبیاء)
پھر جملہ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے "وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء) اور ہر ایک
کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا۔ اور جہاں کتاب کی طرف منسوب ہے۔ وہاں کتاب
سے حقیقتِ کتاب مراد ہے اور اسی واسطے انبیاء کی طرف منسوب ہوتا ہے چنانچہ
حضرت موسیٰ کے باب میں آیا ہے۔ "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ (بقر) اور دیگر انبیاء کی
شان میں فرمایا ہے۔ "وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ" (والصافات) اور ہم نے انکو
کتاب روشن عطا کی۔ اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ "اٰتٰنِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا"
مجھے اللہ نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے
مراد علمِ کتاب و حقیقتِ کتاب ہے۔ جو صفت انبیاء ہے۔ "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ"۔ البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اور اُنکے ساتھ
کتاب و میزان نازل کی پس اس کتاب سے مراد علمِ کتاب ہی ہے۔ جو ہر نبی کے
وجود کے ساتھ عطا ہوتا ہے اسی طرح ایک اور جماعت کی صفت میں آیا ہے۔ "کَذٰلِکَ
اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتَابَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰؤُلَاۤءِ
مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ (عنکبوت)
اسی طرح ہم نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا ہے پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی

ہے سب اس پر ایمان رکھتے ہیں اور انھیں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافرین ؛

اور جہاں کہیں لفظ اُوتی بصیغہ ماضی مجہول یعنی (اُوتِیَ) کتاب کی طرف منسوب ہوا ہے۔ وہاں کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب آسمانی لے کر کسی پیغمبر کا اُن کی طرف آنا مراد ہوتا ہے اعم اس سے کہ وہ لوگ عالم کتاب پیغمبر ہوں یا نہ ہوں اُس پر عمل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں چنانچہ قرآن شریف میں اُوتُوا الکتاب سے مراد یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں۔ جو مقابل مشرکین ہیں جن پر کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا تھا اور اُن میں کوئی کتاب نازل ہوئی تھی۔ مثلاً "ولا تکونوا کالذین اُوتوا الکتاب" (حدید) اور چاہیئے کہ تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جن کی طرف کتاب بھیجی جا چکی ہے۔ "ولا یدینون دین الحق من الذین اُوتوا الکتاب" (توبہ) وغیرہا۔ اور جس جگہ علم کی طرف مضاف ہے وہاں علم سے علم کلی مراد ہے۔ "ویرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اُوتوا العلم درجات" اللہ بلند کرتا ہے اُن کے درجات کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنکو علم عطا کر دیا گیا ہے۔ "بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اُوتوا العلم وما یجحد بآیاتنا الا الظالمون" (عنکبوت) بلکہ قرآن شریف آیات بینات ہے سینوں میں اُن لوگوں کے جن کو علم دے دیا گیا ہے اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر ظالمین ؛ اور یہ صاحبان "اُوتوا العلم" علم مطلق حضرت خاتم الانبیاء اور اُن کے اوصیا ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور علم پیغمبر خاتم النبیین بہ نسبت جمیع انبیاء سابقین کلی ہے ؛

کتب آسمانی جو بطور تنزیل نازل ہوئی ہیں	انقسام سلسلہ نبوت در حضرت شجرۃ الانبیاء

اور جن پر کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور لفظ کتاب بولا جاتا ہے وہ صرف چار ہیں توریت وزبور انجیل اور فرقان تھے کہ حضرت ابراہیم بھی اس معنے میں صاحب کتاب نہیں کہلاتے۔ بلکہ صاحب صحف کہلاتے ہیں اور صحف ابراہیمی مشہور ہیں اور اسی طرح حضرت اسمٰعیل بھی صاحب کتاب نہیں ہیں لیکن کتاب جو دی کہ مراد علم کتاب و حقیقت علمیہ ہے وہ عام ہے تمام انبیاء میں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا کہ خدا تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے " فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ "۔ اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ درآنحالیکہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے۔ اور انکے ساتھ کتاب نازل کی۔ " وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ "

اور یہ سلسلہ کتاب ذریت انبیاء میں ہمیشہ جاری رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح وحضرت ابراہیم کے حق میں فرماتا ہے۔ " اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ "۔ ہم نے نوح وابراہیم کو بھیجا۔ اور انکی ذریت میں نبوت وکتاب قرار دی۔ اور یہ حضرت ابراہیم کی شان میں فرمایا ہے " وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ " ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت وکتاب قرار دیدی ہے اور حضرت ابراہیم سے نبوت وکتاب منقسم ہوئی۔ ایک سلسلہ بنی اسرائیل میں جو بنی اسحاق ہیں دوم سلسلہ اسمٰعیل لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب نبوت وکتاب ہو۔ اور جعل الہی مقتضی ہے کہ ہمیشہ ذریت ابراہیم میں نبوت اور کتاب موجود ہو پس حضرت اسمٰعیل سے حضرت خاتم النبیین تک نبوت اور کتاب جو مابہ النبوۃ ہے کس کے پاس رہی۔ کیا مشرکین مکہ حامل کتاب تھے جو اولاد حضرت اسمٰعیل سے ہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا بھی ہے اگر ایسا ہے۔ تو مشرکین نبی ہونگے۔ کیونکہ نبوت اور کتاب ساتھ ساتھ ہیں۔ اور مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے۔ حالانکہ نبی مشرک غیر معقول وغیر متصور ہے

اور یہ خیال غلط محض بلکہ دعاے حضرت ابراہیمؑ (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) دلالت کرتی ہے کہ ایک امت مسلمہ باسلام تو فی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہی ہے کیونکہ یہ بھی جعل جعلِ الٰہی ہے جس کو کبھی انقطاع نہیں پس حامل کتاب یہی امتِ مسلمہ ہوگی نہ مشرکین اور یہیں سے ثابت ہے کہ آباؤ اجدادِ جناب ختمی مرتبت کل کے کل مسلم و موحد تھے اور نطفۂ حضرت ختمی مرتبت انہیں اصلاب میں رہا ہے اور منتقل ہوتا آیا ہے جو حاملِ کتابِ نبوتی و مسلم تھے +

یہ بھی کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے کہ یہ دعاے حضرت ابراہیمؑ مخصوص و مختص ہے اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ سے نہ حضرت اسحاقؑ سے اس لیے کہ صدر آیہ یہ ہے۔ "وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (بقرہ ع ۱۵) اور یاد کر اس وقت کو جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے تو انہوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگارا ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان مطیع و منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک جماعت ایسی ہی پیدا کر جو مثل ہمارے تیری مطیع و منقاد مطلق ہو اور ہمارے مناسک ہمیں دکھلا دے اور ہمارے رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی رجوع کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگارا۔ ان میں انہیں میں سے ایک کو رسول بنا۔ جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بہ تحقیق کہ تو صاحبِ عزت و حکمت ہے

اور پھر فرمایا ہے "رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ" (ابراہیم ع) اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو تیرے خانۂ محترم کے پاس وادی بے زراعت میں سکونت پذیر کیا ہے اے ہمارے پروردگار اسلئے کہ وہ نماز کو قائم کریں پس اے خدا کچھ لوگوں کے دلوں کو اُن کی طرف مائل کر اور اُن کو ثمرات عطا فرما۔ کہ وہ تیرا شکر بجا لائیں۔ اور مسلم و محقق ہے کہ مکہ معظمہ میں جناب ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں سے صرف حضرت اسمٰعیلؑ کو مقیم کیا تھا۔ لہذا یہ دعا بھی ذریتِ ابراہیمؑ میں سے اولادِ اسمٰعیل ہی سے مخصوص ہے اور اسی آیت کے بعد فرمایا ہے "رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ" میرے پروردگار مجھ کو اور میری بعض ذریت کو نماز کا قائم کرنے والا قرار دے اور ہماری دعا کو قبول فرما۔ لہذا ثابت ہے کہ یہ اُمت مسلمہ اور یہ ذریت مقیمین الصلوٰۃ اور ساکنین مکۃ اللہ الحرام اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ ہی سے ہے اور یہ وہی اُمت ہے جسمیں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور اسی اُمت مسلمہ کے ایک فرد ہیں پس لابد وہ اُمتِ مسلمہ یا اسلام نبوتی اس وقت موجود تھی جس وقت پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے۔ اور وہ نہیں ہیں نہ تھے لہذا یہی اُمت جو ذریت ابراہیمؑ سے حامل کتاب ہے نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہو گئی مگر کتاب بحال خود باقی ہے۔ اگر نص آیۂ نبوت خاتم النبیین پر ختم نہ ہوتی تو یہ تمام افرادِ اُمتِ مسلمہ انبیاء ہوتے کیونکہ ابا لنبوۃ کتاب ہی ہے اور کتاب اُن میں موجود ہے "آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا" دال ہے کہ اول کتاب دی جاتی ہے اور بعد میں نبی بنایا جاتا ہے جاہل نبی نہیں ہوتا۔ نبی جاہل غیر معقول ہے اور

نبوت ایک درجۂ رفیعہ عالیہ ہے جو بلا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ رفعت درجات علم پر موقوف ہے۔ "ویرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات"۔ اس لئے کہ نبی دراصل نبوۃ سے مشتق ہے جسکے معنے بلندی اور رفعت کے ہیں اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیہ مجیدہ میں جس میں حقیقتِ نبوت کو بیان کیا گیا ہے۔ وہی ھذہ۔ رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق خداوند عالم درجات کا بلند کرنے والا صاحبِ عرشِ علم ہے وہ اپنے عالمِ امر سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے روح عطا کرتا ہے تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے پس نبی صاحب درجۂ رفیعہ ہے اور مقام نبوت مقامِ عرش ہے۔ اور جو کچھ اس کو پہنچتا ہے عرشِ الٰہی سے پہنچتا ہے اور انباء یعنی خبر دینا اثراتِ نبوت میں سے ہے کہ جو نبی مبعوث برسالت ہوتے ہیں پیغام خدا پہنچاتے ہیں۔

مزید توضیح و تشخیص صاحبانِ کتاب در اُمتِ محمدی

یہ تو معلوم ہو چکا۔ کہ جہاں "اٰتینٰھم الکتٰب" آیا ہے اس سے کتابِ وجودی یعنی علمِ کتاب و حقیقتِ کتاب مراد ہے۔ لہذا "فالذین اٰتینٰھم الکتاب یومنون بہ ومن ھؤلاء من یومن بہ الخ" میں بھی کتاب سے مراد حقیقت کتاب ہی ہے۔

اب معلوم کرنا یہ ہے۔ کہ اُمتِ محمدی میں یہ کون لوگ ہیں؟ اس واسطے کہ پیغمبر تو ان میں داخل نہیں کیونکہ پیغمبر خود مخاطب ہے پس ضرور یہ صاحبانِ کتاب غیر از پیغمبر خدا ہیں اکثر مفسرین کی تو یہ رائے ہے کہ اُن سے مراد یہود و نصاریٰ اہل الکتاب ہیں۔ لہذا بنابریں مطلب آیت یہ ہوا کہ اے پیغمبر یہود و نصاریٰ تو تمام کے تمام مں قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں سے بھی بعض بعض اس پر ایمان لاتے

ہیں۔ لہٰذا اصل اہل ایمان یہود و نصاریٰ ہوئے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔
واقعی جب علم کلبی زجاج قتادہ وغیرہم پر منتہی ہوگا۔ تو یہی گندہ کاری پیدا ہوگی۔ اگر انسان ذرا نور ایمان دل میں رکھتا ہو اور قرآن پر اعتماد۔ تو یقین کریگا۔ کہ ہرگز "اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ" کا مصداق عام یہود و نصاریٰ تو کیا خاص علما بھی نہیں۔ کیونکہ جو صفات اُن صاحبانِ کتاب کی کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ وہ کبھی کسی اور صورت سے اُن پر صادق نہیں آسکتی ہیں۔ قال عزوجل "اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ" (قصص)
یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دیدی ہے۔ وہ سب اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب اُن پر اس کی تلاوت کیجاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بتحقیق کہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے بتحقیق کہ ہم اس سے پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے رہے۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو قوت و رزق دیا تھا۔ اُسکو وہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور جب وہ لغو سنتے تھے تو اُس سے اعراض کرتے اور کہتے کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے۔ سلام ہو تم پر۔ ہم جاہلین کو نہیں چاہتے اس آیت کی تفسیر نہیں صرف اگر لفظی ہی ترجمے میں ادنے تامل کیا جائے۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ "اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ" ٥ سے یہود و نصاریٰ ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔ یہود کب قرآن پر پہلے سے ایمان رکھتے تھے

اور اسکی تصدیق کرتے تھے اور کب وہ قبلِ نزولِ قرآن مسلمان تھے۔ کب انہوں نے صبر کیا ہے جس کی وجہ سے اُن کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ کونسے یہود ہیں۔ جو بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں اور لغو سے اعراض کرتے ہیں اور جاہلوں کی صحبت سے بچتے ہیں۔ اگر ایسے ہیں تو پھر اُن سے بہتر مومن و مسلمان دنیا میں متصور نہیں +

اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں۔ جو مذمتِ یہود سے پُر ہیں علاوہ ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ "اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ" سے مراد حقیقتِ کتاب ہے جیسا کہ حضرت عیسٰے اسی کے مصداق ہیں کہ "اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ" فرماتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت عیسٰے بھی یہود تھے؟ اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب اُنکے وجود کیساتھ ہوتی ہے۔ نہ کہ بعد میں تعلیم دیجاتی ہے۔ پس کونسے یہود ہیں۔ جو قبل وجودِ ظاہری جسمانی عالمِ کتاب و حاملِ حقیقتِ کتاب تھے۔ "اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ" +

پس "اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ" کا مصداق وہ ہیں۔ جو صلاحیّتِ نبوت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ہی مایہ النبوۃ ہے +

معانی کتاب

کتاب کے چند معنے ہیں۔ اول کتابِ مکتوب یعنی خطوط و نقوش۔ کما قال سبحانہ و تعالیٰ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (انعام ع) اور اگر ہم اے پیغمبر تجھ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ اور یہ لوگ اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے۔ کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے +

دوم۔ کتاب ملفوظ اور صورت تلفظی کما قال عزّ و جلّ۔ "وَاتْلُ عَلَیْهِمْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ" (کهف) اے پیغمبر پڑھ اُن پر وہ کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔ سوم۔ کتاب ذہنی یعنی معانی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلولۃ بالالفاظ۔ قال عزّ اسمہ۔ "وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ" (بقرہ ع)

اور بعض اُن میں سے اُمی ہیں جو نہیں جانتے ہیں کتاب کو مگر آرزوئیں جو خواہش طبع
ہوتی ہے وہ معنے کر لیتے ہیں چہارم کتاب حقیقی جو قلوب انبیاء پر نازل ہوتی ہے
نہیں بلکہ وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے - کما فی "اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا
واٰتینٰھم الکتاب - واٰتینٰھما الکتاب المستبین"
پس وہ ایک حقیقت نورانیہ علمیہ ہے - جو وجود نبی میں ہے بلکہ نفس روح نبی ہی کتاب
ہے - کیونکہ وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہے - اور وہی "ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ"
ہے اور قرآن اسی کی صورت مقروہ ہے - قال عزوجل "انہ لقراٰن کریم
فی کتٰب مکنون لایمسہ الا المطھرون" تحقیق کہ یہ قرآن کریم ہے کتاب
مکنون میں جس کو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا پس بعد پیغمبر غیر از پیغمبر
وہ نفوس صاحبان کتاب ہیں - جو نفس رسول ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد لزومی
روحانی رکھتے ہیں اور قرآن اُن کے وجود میں ہے - اور یہ وہ لوگ ہیں - جنکی
حقیقت یہ ہے "ماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک
اذا لارتاب المبطلون بل ھو اٰیات بینات فی صدور
الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیاتنا الا الظالمون" (عنکبوت)
اے پیغمبر نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب توریت وغیرہ پڑھتا تھا - اور نہ تو اُس کو
اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے اگر ایسا ہوتا - تو مبطلین اسلام کو شک و ریب کا پورا
موقع مل جاتا لیکن قرآن ایسا نہیں ہے - بلکہ وہ آیات بینہ ہیں اُنکے سینوں
میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے - چونکہ پہلے علم اُن کو عطا کر دیا گیا ہے اسی واسطے وہ
اُس کو جانتے ہیں - اور حقیقت کتاب سے واقف ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں -
اور یہی اہل قرآن ہیں - چونکہ لوگوں نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا اور زجاج و کلبی
و قتادہ و زمخشری سے قرآن لیا - یہ گندہ کاریاں پیدا ہوئیں اور اندھی تقلید کی

وجہ سے قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اور نصوص آیات کو مفسرین کے اقوال کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتے۔ اور ملا نقطی[۱] بے ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر کلام اللہ میں تدبر کریں تو یہ بھی صاف معلوم ہو جائے۔ کہ وہ صاحبان اُوتُوا الْعِلْم کون ہیں جن کی صفت یہ ہے۔ "قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا" اے پیغمبر کہدو۔ کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ تحقیق کہ وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے جب اُن پر آیات پروردگار تلاوت کیجاتی ہیں۔ تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ÷ اور یہ لوگ زمانہ پیغمبر میں موجود تھے۔ کما اخبر بہ سبحانہ۔ "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا" اور اے پیغمبر بعض تیرے اصحاب

نوٹ [۱] ایک ملا خوشنویس تھا اس نے ایک کتاب لکھی اور اس پر نقطے ایک ترتیب خاص سے لگائے لکھتے ہوئے جب اُس نے ایک سطر تمام کی اور نقطوں پر غور کیا۔ تو اُس ترتیب میں کسی ایک حرف کا نقطہ باقی رہ گیا تھا غور و فکر کے بعد اس نقطے کے عوض ایک نقطہ حاشیہ پر لگا دیا پھر خود ہی سوچا کہ مطالعہ کرنے والا کیونکر سمجھیگا۔ کہ یہ نقطہ فلاں حرف کا ہے۔ پس اُس کے سمجھانے کے لئے اُس نے اس حرف سے شروع کر کے اُس حاشیے کے نقطہ تک برابر نقطے لگا دئے۔ مگر پھر خیال آیا۔ کہ دیکھنے والا کیونکر سمجھیگا۔ کہ مراد اس نقطہ سے کونسا نقطہ ہے۔ کیونکہ یہاں تو بہت سے نقطے ہو گئے لہذا پھر اُس نے سوچا۔ اور رائے یہ قرار پائی۔ کہ اس اصل نقطہ کو بڑا کر دیا جائے پس اُس کو بڑا کر دیا مگر پھر بھی طمینان نہ ہوا اور یہ شک باقی رہ گیا۔ کہ پڑھنے والے کو کیسے معلوم ہوگا۔ کہ نقطۂ متروکہ سے یہ بڑا نقطہ مراد ہے۔ آخر مجبور ہو کر اُس نقطے پر لکھ دیا۔ "اَلْمُرَادُ مِنَ النُّقْطَةِ هٰذِهِ النُّقْطَةُ الْكَبِيْرَةُ" ÷

(مؤلف)

ایسے ہیں۔ جو خوب غور سے قرآن سنتے ہیں۔ اور جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں ہیں تو اُن لوگوں سے جنکو علم دیا گیا ہے کہتے ہیں۔ کہ پیغمبر نے ابھی کیا فرمایا ہے ہم نہیں سمجھے۔ پس صاحبان اوتوا العلم موجود تھے۔ اور لوگ اُن کو پہچانتے تھے اور یہی وہ ہیں جنکے سینوں میں قرآن ہے اور اُن کے وجود کے ساتھ حقیقت کتاب عطا ہوئی یعنی حقیقتِ نوریہ علمیہ +

اور سورہ قصص کا یہ جملہ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ" انکی صاف تصریح و تشخیص کردیتا ہے کہ یہ پہلے سے مسلمان وہی اُمتِ مسلمہ ذریت ابراہیمؑ ہے پس کتاب بجعل الٰہی ذریت وسلسلۂ اسمٰعیلؑ میں باقی ہے "وَجَعَلَ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتَابَ" اور یہ غیر از نبی ہیں۔ نبی اصل اصیل ہے اور یہ فروع یعنی اُس شجر نبوت کی شاخیں ہیں +

تصریح پیغمبر اور صاحبان کتاب

پیغمبر خدا نے اسکی تصریح و تشریح فرمادی ہے کہ میرے بعد صاحبان کتاب وہ ہیں۔ جو میری اصل سے ہیں۔ اور کتاب اُن کے ساتھ ہے اور وہ کتاب کے ساتھ اور دونوں میں ہرگز افتراق نہیں۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم "اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" تحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ۱ کتابِ خدا اور ۲ میری عترت جو اہل بیت نبوت و رسالت ہیں۔ جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہوگے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں اور لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہوں۔ یہ حدیث ستر سے زائد طرق سے کتب

اسلامیہ میں مذکور ہے تقریباً پندرہ طرق کو صاحب صواعق محرقہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ پس یہی وہ سینے ہیں جن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے۔ کہ نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن اُن سے علیحدہ۔ لہذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مراد اُن سے حفّاظ ہیں۔ کہاں اُنکے سینوں میں علم قرآن ہے اور کہاں اُن میں قرآن بطور آیاتِ بینات موجود ہے ❊

وجہ تقدمِ کتاب بر عترت

حدیث میں کتاب کو عترت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے۔ کہ کتاب حقیقتِ نوریہ الٰہیہ ہے جسکی بابت خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ" وہ ایک رسی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان کھنچی ہے یہاں کتاب کی صفت پیغمبر نے کاغذ یا آواز نہیں فرمائی۔ بلکہ اُسکو حبل ممدود سے تعبیر کیا۔ اور یہ حبل ممدود وہی حقیقتِ نوریہ ہے جس کو بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے اور ادھر وجود نبی و امام سے "وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" یہ کتاب اول رسولؐ کو پہنچی۔ اور رسولؐ سے عترتِ رسولؐ ذریت رسولؐ کو۔ کیونکہ رسولؐ و عترت و ذریت رسولؐ دونوں ایک ہی نور سے ہیں عترت اصل شئے کو کہتے ہیں اور اصل رسولؐ بنی ہاشم ہے۔ اور ذریت رسولؐ بھی اسی اصل کے ہیں اور وہ اہل بیتِ رسالت و وارثان نبوت ہیں ❊

معانی اہل بیتؑ

بیت کی تین قسمیں ہیں۔ بیت سکنی۔ بیت نسب بیت شرف۔ بیت سکنی میں تمام وہ افراد داخل ہیں۔ جو اس میں سکونت رکھتے ہیں۔ نوکر۔ چاکر۔ لونڈی غلام حتےٰ اکہ گھوڑا گدھا

اور کتنا خوشنما۔ جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے ۔

بیتِ نسب میں تمام اہل خاندان داخل ہیں۔ خواہ مومن ہوں۔ خواہ کافر نیک ہوں یا بد ۔

بیتِ شرف میں صرف وہ نفوس شریک ہوتے ہیں۔ جو اشرافت کے متصف اور صاحب شرف کے شریک ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اہل بیتِ نبی سے نہ اہل بیت سکنیٰ مراد ہو سکتے ہیں جنہیں نوکر چاکر سب شامل ہیں۔ اور نہ اہل بیتِ نسب مراد ہو سکتے ہیں جن میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔ بلکہ مراد اہل بیت سے اہل بیتِ شرف ہیں۔ اور شرفِ نبی نبوت ہے پس اہل بیتِ نبی اہل بیتِ نبوت و رسالت ہیں جو حامل کتاب ہیں جو مابہ النبوۃ ہے۔ گویا یہ حدیث ترجمہ آیۂ مجیدہ ہے " وَجَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتَابَ" کا (کہ ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت و کتاب قرار دیدی ہے) پس غیر از عترت رسولؐ کہ شریکِ شرفِ نبوت ہیں اور ذریتِ ابراہیمؑ و نسل اسمٰعیلؑ ہیں اور کوئی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر آنحضرتؐ نے "اَنْتِ مِنْ اَھْلِی وَاَنْتِ عَلَی الْخَیْرِ" (تو میرے اہل سے ہے اور تو خیر پر ہے) فرمایا مگر اہل بیت میں داخل نہ فرمایا۔ حالانکہ حضرت ام سلمہؓ آپ کے اہل بیتِ سکنیٰ اور اہل بیتِ نسب میں داخل تھیں۔ مگر چونکہ مراد اہل بیت سے اہل بیتِ شرف ہیں۔ اور وہ وہی ہیں جو شریک نبوت اور اس صفت سے متصف ہیں لہٰذا ام سلمہؓ کو ان میں داخل نہ فرمایا اور "اَنْتِ عَلَی الْخَیْرِ" فرما کر ان کی تسلی کر دی۔ اگر لفظ اہل بیت و بیت کے موارد استعمال کو قرآن میں دیکھا جائے اور اس میں غور و تامل کیا جائے تو مطلب صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً خدا حضرت ابراہیمؑ کے حق میں فرماتا ہے۔ "رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ" (اے اہل بیتِ نبوت تم پر خدا کی خاص رحمت و برکت ہے) اور حضرت لوطؑ کے حق میں فرماتا ہے۔ "فَمَا وَجَدْنَا فِیْھَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ" پس نہ پایا ہم نے اس میں

کوئی حد من سوائے ایک خانہ نبوت و بیت المسلمین کے +

جواب سوال ایک شخص نے سوال کیا کہ صفت کتاب اللہ کی یہ مذکور ہوئی ہے حَبۡلٌ مَّمۡدُوۡدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ" پس اس سے تمسک

کس طرح کر سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنیکا حکم دیا ہے
کتاب منشاء احکام و تکالیف ہے اور مدلول نبوت یعنی جو کچھ نبی لاتے ہیں۔ وہ کتاب
میں ہے اور یہی دلیل نبوت بھی ہے۔ کیونکہ اپنی صداقت کی دلیل اور بینۂ نبوت بھی
یہی کتاب ہے" فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ سکی تحدی ہے۔ بخلاف دیگر انبیاء کے۔ کہ
اُن کی کتب بینۂ نبوت نہ تھیں یعنی نفس کتب دلیلِ صداقت نہ تھیں۔ بلکہ بینات
و معجزات انبیاء غیر از کتب تھے اور قرآن خود ہی دلیل نبوت ہے۔ اور خود ہی مدلول نبوت
اور ایک بینہ بزرگ اسکی حقیت پر یہ ہے۔ کہ جو کچھ سوال کرو اُس میں موجود ہے۔ اور
علاوہ اس کے" وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُیِّرَتۡ بِہِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِہِ الۡاَرۡضُ
اَوۡ کُلِّمَ بِہِ الۡمَوۡتٰی بَلۡ لِّلّٰہِ الۡاَمۡرُ جَمِیۡعًا اگر کوئی قرآن ہے۔ کہ اگر اسکو پہاڑ پر پڑھا جائے
تو وہ چل نکلیں یا زمین پارہ پارہ ہو جائے یا طی الارض ہو جائے اور مردے باتیں
کرنے لگیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے سرانجام پا جائے۔ تو یہی قرآن ہے پس جنکے
سینوں میں یہ بینۂ نبوت ہے اور وہ حاملِ قرآن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں
تو مشرق عالم کو مغرب کر دیں اور مغرب کو مشرق۔ اور صفت اُنکی یہ ہے کہ جس امر کا
ان سے سوال کیا جائے قرآن سے جواب دیں اور اپنی آراء کو دخل نہ دیں چنانچہ اسی
سلسلۂ اہل بیت میں گیارہ حاملِ قرآن گزرے کبھی کسی نے کسی مسئلہ کے جواب میں
یہ نہیں کہا کہ میری رائے یہ ہے۔ کیونکہ وہ حاملِ قرآن ہیں جس میں ہر خشک و تر
کا بیان موجود ہے +

لہٰذا تمسک بالقرآن کے یہ معنے ہیں کہ قرآن کو صاحبانِ قرآن سے پوچھو وہ

ہر ایک مسئلہ کے جواب میں ایک آیت پڑھ دینگے۔ اور ہر حکم کا مدرک قرآن سے بتلا دینگے پس متمسک بالقرآن اور متمسک باہل بیت ایک ہی ہوگا۔ جو متمسک بالقرآن ہے وہ متمسک باہل بیت نبوت ہے اور جو متمسک باہل بیت نبوت ہے وہی متمسک بالقرآن ہے جس نے اہل بیت کو چھوڑا اور ان سے قرآن نہ لیا اس نے قرآن کو چھوڑا۔ اور وہ گمراہ ہے +

لہذا جنہوں نے اہل بیت نبوت کو چھوڑ دیا ہے انہوں نے قرآن کو بھی چھوڑ دیا ہے لہذا یہی وجہ ہے کہ پیغمبر خدا روز جزا بارگاہ ذوالجلال میں عرض کرینگے اور اپنی قوم کی شکایت کرینگے "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا" اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے قرآن کو ترک نہیں کیا اور وہ متبع قرآن و متمسک بالقرآن ہیں۔ تو معاذ اللہ پیغمبر جھوٹ بولینگے اور غلط شکایت کرینگے۔ مگر کوئی مسلمان تکذیب پیغمبر پر راضی نہ ہوگا۔ اور تسلیم کریگا۔ کہ ضرور انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور شکایت پیغمبر بجا ہے پس متمسک بالقرآن وہی ہیں۔ جو متمسک باہل بیت نبوت و رسالت ہیں غرض ایک شناخت اہل قرآن کی یہ ہے۔ کہ جو بات پوچھی جائے اُس کا جواب دے اور کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ "اَلْحُجَّةُ مَنْ لَّا یَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ" اور ہر ایک سوال کا جواب قرآن سے دے اور آیت تلاوت فرمائے +

مثال ایک شخص نے جناب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب سے سوال کیا۔ کہ ایک شخص مر گیا اور وصیت کر گیا کہ اُس کا ایک جزو مال فقرا کو تقسیم کر دیا جائے پس کتنا مال فقراء کو دینا چاہیئے۔ فرمایا دسواں حصہ اسکو شک ہوا۔ اور دل میں سوچ کر کہنے لگا۔ آپ قرآن سے ایسا فرماتے ہیں؟ فرمایا قصہ حضرت ابراہیمؑ پڑھ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ

مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا" کہا کہ چار پرندے لے اور انکو مخلوط کر کے اُن کا ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھدے۔ پھر اُن کو بُلا تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئینگے۔ اور پہاڑ دس تھے۔ اُن پر ایک ایک جزو رکھا تھا۔ لہذا جزو سے مراد جبکہ کوئی قید و خصوصیت نہ ہو۔ دسواں حصہ ہے +

ایضاً۔ ایک شخص نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے وصیت کی۔ کہ اُس کا ہر ایک غلام قدیم آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو غلام شش ماہہ ہے یعنی اُس کے پاس اُسکو چھ ماہ ہو گئے ہیں آزاد ہے۔ دریافت کئے جانے پر جواب قرآن سے فرمایا "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر لوٹ کر مثل پرانی شاخ کھجور کے ہو جاتا ہے۔ اور یہ شاخ کھجور چھ ماہ میں جھک کر مثل ہلال ہو جاتی ہے اور اُسکو عُرجونِ قدیم کہتے ہیں۔ لہذا قدیم سے مراد شش ماہہ ہوگا +

ایضاً۔ ایک شخص نے امام علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ فرائضِ سہام ارث چھ کیوں ہیں فرمایا خلقتِ انسانی کے چھ درجے ہیں اور ہر ایک درجے کے لئے ایک ورثہ مقرر ہے " قَالَ عَزَّ وَجَلَّ " وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" اسی واسطے سہام ارث چھ مقرر ہوئے +

ایضاً۔ حضرت رضا علیہ الصلوۃ والسلام سے سوال کیا۔ کہ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" اللہ وہ ہے جس نے

سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں، فرماتا ہے کہ زمین بھی مثل آسمانوں کے سات ہیں حالانکہ زمین ایک ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ فرمایا "ھٰذِہٖ اَرْضُ الدُّنْیَا وَالسَّمَاءُ الدُّنْیَا عَلَیْھَا فَوْقَھَا قُبَّۃٌ۔ وَالْاَرْضُ الثَّانِیَۃُ فَوْقَ السَّمَاءِ الدُّنْیَا۔ وَالسَّمَاءُ الثَّانِیَۃُ فَوْقَھَا قُبَّۃٌ۔ الخ" یعنی یہ ہماری زمین ہے اور پہلا آسمان ہمارا گنبد ہے۔ اور دوسری زمین پہلے آسمان کے اوپر ہے اور دوسرا آسمان اسکا گنبد ہے اسی طرح ساتوں زمینوں کا ذکر کیا۔ اور آخر میں فرمایا۔ وَفَوْقَھَا عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" سب سے فوق عرش الٰہی ہے اس زمانے میں چونکہ علوم کی اتنی ترقی نہ تھی اصولیین نے تو اس حدیث کا انکار ہی کر دیا اور محدثین کے نزدیک سند صحیح تھی۔ کہا کہ معضلاتِ اخبار سے ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مگر انکار بھی درست نہیں۔ اب ترقی علوم و تحقیقات جدیدہ سے سات زمینیں ثابت ہوگئیں۔ بلکہ ان کی آبادی کا حال بھی منکشف ہوگیا۔

پس جنکے سینے میں قرآن ہے اور قرآن انکے وجود کے ساتھ متحد ہے وہ ہی فرما سکتا ہے کہ میں قرآنِ ناطق ہوں۔ اور یہ سوائے ایک شخص یعنی علی ابن ابی طالبؑ اور کسی نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر جب قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان مانگی تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا "اِضْرِبُوْا وَلَوْ عَلٰی مَصَاحِفٍ اَنَا کَلَامُ اللّٰہِ النَّاطِقُ" مارو اگرچہ انکے قرآن پر لگے۔ کیونکہ قرآن ناطق میں ہوں یہ مصاحف خدائی نہیں ہیں ان مصاحف کی نسبت اُن سے اسواسطے دی کہ ان کے عقائد اور انکی تفسیر و تاویل مطابق مقصود الٰہی نہ تھی۔ اپنی خواہش طبع کے موافق تاویل کرتے تھے پس مطلب آپکا یہ تھا۔ کہ یہ کلام اللہ نہیں ہے اور خدا نے یہ نہیں فرمایا۔ یہ گویا اُن کے خود ساختہ قرآن ہیں جیسا کہ مثلاً یہی عقیدہ کہ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے مراد یہود و نصارےٰ ہیں اور اُوْتُوا الْعِلْمَ کا مصداق ابی بن کعب ہے یہ صحیفہ الٰہی نہیں ہے۔

پس یہی حال ہے اُس قرآن کا جو قرآن کو اہل قرآن سے نہ لے جنکے سینوں میں قبلِ نزولِ ظاہری موجود ہے اور جس نے اُن سے تمسک کیا۔ وہی متمسک بالقرآن ہے اہل بیتؑ سے تمسک کرنا ہی دونوں سے تمسک کرنا ہے بعبارت دیگر کتاب حبل ممدود ہے۔ جسکی ایک طرف حضرت حق عزوجل سے متعلق ہے۔ اور دوسری طرف وجود امامؑ سے۔ اسی واسطے اُن حضراتؑ نے فرمایا ہے "بیننا وبین اللہِ عمودٌ مِنْ نورٍ نریٰ فیھا اعمالَ العِبادِ" یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان ایک ستون نور ہے جس میں ہم اعمال بندگان خدا کو دیکھتے ہیں۔ لہذا امامؑ سے تمسک کئے بغیر کتاب سے تمسک کرنا ممکن نہیں اور کتاب عترتِ رسولؐ اہل بیتِ نبوت و رسالت پر اس لئے مقدم ہے کہ حقیقتِ امام اہل بیت وہی حقیقت کتاب نورانی ہے جس کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "یُلقی الرُّوحَ مِنْ امرِہٖ علیٰ مَنْ یَشاءُ الخ" دوسری دلیل تقدم و تمسک کتاب کی یہ ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف رہنمائی کرتی ہے "اِنَّ ھٰذَا القُرآنَ یَھدِی لِلَّتِی ھِیَ اَقوَمُ" تحقیق کہ یہ قرآن ایک ایسے طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو محکم تر و مستقیم تر ہے اور وہ صاحبان قرآن و قرآن ناطق ہیں۔ جیسا کہ آیات و دعواتِ جناب ابراہیمؑ خلیل اللہ مثل آیہ امامت و آیہ اُمت مسلمہ و آیہ شہادت وغیرہا سے واضح ہے چاہیئے کہ اس کتاب اور ان آیات سے تمسک کر کے امامت و کتاب کو ذریتِ حضرت ابراہیمؑ و اولادِ رسولؐ ہی میں جانیں۔ اور اُسے خارج نہ کریں۔ اور بعد ازاں اہل بیتؑ سے تمسک کیا جائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اُسکو لیا جائے۔ اور احکام قرآن اُن سے اخذ کئے جائیں اور یہی معنے ہیں تقدم کتابؑ تمسک بکتاب و عترتؑ کے فافہم و تدبر ÷

ضرورتِ امام

یہیں سے یہ بھی مثلِ روزِ روشن آشکارا ہو گیا۔ کہ ہر زمانے میں ایک اہل القرآن و صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے

کیونکہ یہ آیت "وَجَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" مطلق ہے کسی وقت خاص سے مقید نہیں ہے۔ لہذا ہمیشہ تا قیام قیامت ذریت رسولؐ میں جو کہ ذریت ابراہیمؑ ہیں صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے۔ اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو حرکت دیدے۔ زمین کو پارہ پارہ کردے۔ مُردوں کو زندہ کردے اور جو تصرف ارکانِ زمین و آسمان میں کرنا چاہے کر سکے۔ کیونکہ قرآن اُسکے سینے میں ہے جس کی صفت "لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا" ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک فلاسفر جناب صادق آل محمدؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر قیامت تک سوال کئے جاؤ۔ اور جو تمہارا دل چاہے سوال کرو۔ ہر ایک کا جواب قرآن سے دونگا۔ کیونکہ وہ تبیان لکل شئ ہے۔ اور حبل ممدود من السماء الی الارض ہے ایک سرا اس کا متصل بجناب باری ہے اور دوسرا سرا بامامِ وقت اور اُس میں کبھی انقطاع نہیں "وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ" ہم نے اپنا کلام بلا انقطاع متصل بھیجا ہے۔ کہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اور اس سلسلے میں کبھی انقطاع نہیں ہو سکتا اور ایسا شخص ہر زمانے میں موجود ہے اور یہی امام حق کا وجود حبل اللہ ہے۔ اور یہی ارکان زمین اور ستون آسمان ہیں "فقال عز وجل رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا" اللہ نے آسمانوں کو بلا ایسے ستون کے بلند کیا ہے جنکو تم دیکھو پس ضروری ہے کہ یہ ستون ہمیشہ موجود ہوں۔ ورنہ آسمان قائم نہیں رہ سکتا۔

اُمت وسط

یہی وہ اُمت وسط ہیں جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ مطلقہ ہیں "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا" اسی طرح سے ہم نے تم کو اُمت وسط قرار دیا ہے۔ تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے

شاہد اور شہید دونوں ایک مادے شہد سے ہیں۔ مگر شاہد داخل شہید ہے اور شہید داخل شاہد نہیں یعنی جو شہید ہے وہ شاہد بھی ضرور ہے۔ مگر جو شاہد ہے وہ ضرور نہیں کہ شہید بھی ہو۔ کیونکہ شہید حاضر علے الشئے کو کہتے ہیں۔ اور شاہد وہ ہے جو ازروئے علم و قرینہ شہادت دے۔ خواہ اُس کا علم بالمشاہدہ ہو۔ یا بالاخبار۔ چنانچہ شہادتِ برادرانِ یوسفؑ در بابِ بنیامین ازروئے علم تھی۔ اسی واسطے اُنہوں نے کہا کہ "وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا" یعنی نہیں شہادت دی ہم نے مگر وہی جو ہمیں علم تھا اور قصہ زلیخا میں شہادت شاہد ازروئے قرینہ تھی۔ "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ"۔ یعنی اور اُسکے کنبے میں سے ایک شخص نے شہادت دی کہ اگر اسکا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور اگر اُسکا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا۔ ظاہر ہے کہ یہ شہادت محض ازروئے قرینہ تھی۔ اور وہ واقع پر موجود نہ تھا اور نہ اُس کو واقع کا اصلی علم تھا اور شہید کیلئے واقع پر حاضر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہدا کی ضرورت ہے نہ شہود کی۔ "لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ" (اگر وہ اس پر چار شہید پیش کریں۔ تو زنا ثابت ہوگا) "وَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ" اگر چار شہید پیش نہ کیے جائیں تو زنا ثابت نہیں ہو سکتا یعنی وہ لوگ شہادت دیں۔ جنہوں نے بچشم خود آلۂ مرد کو فرجِ زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو۔ اور شاہد اگر وقوعِ واقع پر موجود ہو۔ تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا۔ بخلاف شہید کے کہ ایک وقت میں تمام واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور شہید کے لیئے وقوع و قبلِ وقوع مساوی ہے۔ وہ قبل وقوع بھی واقع کو اسی طرح

دیکھتا ہے جس طرح کہ وقت وقوع۔ بخلاف شاہد پس یہ امت وسط شہداء علی الناس ہے اور رسول ان پر شہید ہے اور ایسے شہید کا وجود ہر زمانے میں ضروری ہے۔

وجودِ شہید و واقعہ کربلا

کیا حال ہوگا ان ایام میں اُس بزرگوار کا جو امام عصر و شہید زمان ہے۔ جو تمام واقعات کو بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے مصائب حسینی میں مثل اسماء حسنی الٰہی چھوٹائی بڑائی نہیں ہے۔ ہر ایک مصیبت بے نظیر نہیں رکھتی۔ کوچک ترین مصیبتِ امام مظلوم بزرگ ترین مصائبِ انبیاء ہے امام مظلوم ایک بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا۔ وہ بلا شدتِ تشنگی ہے۔ کیسا تعجب کا مقام ہے۔ کہ سیراب کنندۂ عالم۔ باعث نجاتِ عالم۔ فرزندِ ساقیِ کوثر قطرۂ آب کو محتاج رہے اور دنیا سے پیاسا ہی جائے۔ ہشتم محرم الحرام کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہو گئی۔ تو حضرتؑ نے خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھودی جائے۔ وہاں سے ایک چشمۂ آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشکِ آب پُر کیں لیکن معلوم نہیں کہ نویں و دسویں کو وہ چشمہ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ ملتا تھا۔ اُس دن وہ چشمہ کیوں ظاہر نہ ہوا۔

مادرِ ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس سے بے تاب ہو کر جب اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں۔ تو اُن کے پاؤں کے نشان سے زمین سے پانی نکل آیا تھا۔ نہیں معلوم ذبیحِ کربلا کے لئے پانی کہاں گم ہو گیا تھا۔ کہ حضرتؑ اپنے بچے کو ہاتھوں پر لے کر دشمنوں سے پانی کا سوال کرنے گئے روحی و روح المومنین لہ الفداء اس وقت شدت تشنگی سے تقریباً چھبیس ۲۶ بچوں نے آکر حضرتؑ کے گرد حلقہ کر لیا۔ اور حضرتؑ کا دامن پکڑ لیا حضرتؑ نے اپنے بھائی عباسؑ کو حکم دیا

کہ بھائی پانی کی کوئی تدبیر کرو۔ حضرتؑ تلاش آب میں تشریف لے گئے۔ مگر مقام افسوس ہے۔ کہ دوسرے سقے لوگوں کو سیراب کرتے ہیں لیکن سقائے اہل بیت کو تادم مرگ ایک قطرۂ آب نصیب نہ ہوا۔ چونکہ بہت کچھ آس و اُمید حضرت عباسؑ ہی سے وابستہ تھی صبح روز عاشورا جب دونوں لشکر آراستہ و آمادۂ پیکار ہوئے اور امام مظلومؑ نے بھی اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا علم لشکر حضرت ابی الفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ اور زہیر بن قین کو ایک علم دے کر میمنہ لشکر پر مقرر کیا۔ اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر ÷

پہلے حملے میں حضرتؑ کے لشکر سے پچاس جان نثار شہید ہو گئے اور یہ حال دیکھ کر اطفال اہل بیت نہایت ہراساں ہوئے اس کے بعد زہیرؓ نے دیکھا کہ لشکر میں حضرت عباسؑ نہیں ہیں حضرت عباسؑ کے خیمہ میں آئے۔ دیکھا کہ خیمہ میں موجود نہیں ہیں۔ ایک لونڈی کھڑی ہوئی تھی۔ دریافت کیا کس کو دیکھتے ہو۔ فرمایا حضرت عباسؑ کو۔ وہ کہاں ہیں؟ لونڈی نے عرض کیا۔ فلاں خیمہ میں ہیں اور سوائے اطفال خورد سال اور معصوم عورات کے اُنکے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ قریب در خیمہ گئے۔ آواز دی۔ حضرت عباسؑ چاہتے تھے۔ کہ باہر آئیں۔ مگر جس وقت آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے اور اُن سے لپٹ جاتے تھے۔ اسلئے کہ تمام کے تمام دہشت زدہ ہو رہے تھے پہلے پہل میدان جنگ دیکھنے کا موقع تھا کسی نے باپ کو اور کسی نے بھائی کو اور کسی نے چچا کو شہید ہوا دیکھا اور اُن سب کی ڈھارس حضرت عباسؑ سے بندھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس وقت اُن بچوں کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ جبکہ حضرت امام حسینؑ بے بھائی کے رہ گئے تھے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" ÷

موعظۂ پنجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ"

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ"

تمہید اس زمانے میں کوئی دن ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اقامۂ دین و تبلیغ احکام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اعیاد متواتیہ متواتر اسلام یعنی جمعہ تبدیل بہ یکشنبہ ہوگئے ہیں۔ اور باقی ایام سال میں اہل اسلام کے یہاں کوئی دن ایسا نہیں جسمیں اقامۂ دین کرسکیں اور احکام اسلام بیان کرسکیں۔ مجالس مواعظ بالکل مفقود ہیں تعلیمات حالیہ طریق دیانتی پر نہیں بلکہ مبنی بر غیر طریق دیانتی ہیں اسلئے ان تعلیمات کے ذریعے سے اقامۂ دین قطعاً ناممکن ہے بلکہ جو ان تعلیمات میں کامل تر ہوتا ہے وہی زیادہ بیدین ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدے میں آرہا ہے پس کونسا طریق اور کونسا دن ہے جسمیں اقامۂ دین کیا جائے اور احکام اسلام بیان ہوں اور اس کام کیلئے مخصوص ہو سوائے ان چند ایام عشرۂ محرم الحرام کے کہ اس میں جو لوگ اس امر کے سزاوار ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک وقت فرصت کسی نہ کسی طرح پیدا کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ ان ہی ایام میں انسان سے اگر ہوسکے۔ تو تبلیغ اسلام کرسکتا ہے اور احکام و تعلیمات اسلامی سے لوگوں کو مطلع کرسکتا ہے۔

علت شہادت سید الشہداء یہ فرصت بھی بالطبع و باقتضائے ایام ہے

کہ یہ ایام خود لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ اور لوگ فی الجملہ دین و احکامِ
دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ حضرت سید الشہداؑ محض اسی ایک غرض اور اسی
مطلب مخصوص یعنی اقامۂ دین کے واسطے شہید ہوئے ہیں اور غایتِ شہادت اعلاءِ
کلمۃ اللہ ہے۔ بجز اس کے اور کوئی مطلب مدنظر نہ تھا اگر امام علیہ السلام ایسا
نہ کرتے۔ تو دنیا سے دین مفقود و معدوم ہو جاتا اور کوئی متدین باقی نہ رہتا۔ اگر
امام حسینؑ یزید لعین کے مقابلہ میں آتے جو کوئی دین نہ رکھتا تھا۔ اور کسی مذہب کا
قائل نہ تھا۔ اور اپنے کو شہید نہ کراتے۔ تو دنیا میں کوئی نام اسلام بھی نہ لیتا۔ اسی غرض
سے یہ صورتِ شہادت اختیار کی۔ کیونکہ اگر قوتِ امامت و قوتِ الٰہیہ سے یزید کو
قتل کر دیتے۔ تو حق لوگوں پر ثابت نہ ہوتا۔ اور کوئی بھی حق و باطل میں تمیز نہ
کر سکتا اس واسطے کہ لوگوں نے اسکو امام وقت و خلیفۂ رسول تسلیم کر لیا تھا
اور انکے نزدیک محقق و مسلم تھا۔ کہ خلافت وجوہات اربعہ میں سے کسی ایک وجہ سے
ثابت ہو سکتی ہے یعنی اجماع[۱]۔ نص[۲]۔ شوریٰ[۳] اور سلطنت و غلبہ[۴] چنانچہ
خلیفہ اول اجماع سے خلیفہ مانے گئے تھے اور دوم نصّ خلیفۂ اول کہ وہ تصریح
کر گئے تھے۔ کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہے سوم شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ چہارم
اجماع سے لیکن یزید میں یہ چاروں صورتیں جمع تھیں۔ سوائے تین شخصوں حضرت
سید الشہداؑ عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن زبیر کے باقی سب نے اسکی خلافت پر
اجماع کر لیا تھا اور معاویہ نے چند سال پہلے اسکی خلافت کیلئے شوریٰ بھی کر لیا
تھا اور لوگوں سے رائے لے لی تھی اور اس نے خلافت یزید پر نص بھی کر دیا تھا۔
کہ اس کے بعد وہ خلیفہ ہے اور سلطنت اور غلبہ بھی یزید کو حاصل ہو گیا پس
اگر حسینؑ یزید پلید کو فی النار کر دیتے۔ تو جہال کہتے کہ معاذ اللہ ایک خارجی باغی نے
امامِ وقت پر بغاوت کی اور اسکو قتل کر دیا پس حق و باطل لوگوں پر پوشیدہ رہجاتا۔

اگر حسینؑ صلح کرتے تو وہی نتیجہ ہوتا جو صلح امام حسنؑ کا ہوا کہ محض صلح کرنے سے لوگوں نے معاویہ کو خلیفہ و امام مان لیا پس اس صورت میں بھی حق ثابت نہ ہوتا لہٰذا سوائے اس کے حسینؑ مظلوم کیلئے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے آپ کو شہید کرا دیں یہ بھی اسی طرح نہیں کہ خود تنہا جائیں اور شہید ہو جائیں کیونکہ اگر ایسا کرتے۔ تو لوگ کہتے۔ کہ حسینؑ سلطنتِ دنیا کے لئے لڑنے آئے تھے۔ وہ شاہزادے لڑتے ایک مارا گیا۔ بلکہ اس کام کیلئے ایک ہیئت درست کی کہ اہلِ اسلام تو کیا۔ غیر مسلمین یہود و نصاریٰ نے بھی اس کو دیکھ کر تصدیق کی۔ کہ حسینؑ حق پر ہیں اور یزیدِ لعین باطل پرست۔ حسینؑ اگر جنگ کرنے اور سلطنت کی خواہش میں عراق آئے تھے۔ تو ان بچوں کو کس غرض سے ہمراہ لائے تھے جن میں زیادہ تر خورد سال تھے اور چھ اور آٹھ نو سال کا سن رکھتے تھے۔ کیا انکو لڑانے کے واسطے اور ملک فتح کرنے کیلئے لائے تھے؟ پھر ان مخدراتِ عصمت و طہارت ذریتِ رسولؐ و دختران علیؑ و بتولؑ کو کس واسطے اس میدان میں ہمراہ لائے تھے؟ کیا ان سے ملک گیری کا خیال تھا نہیں نہیں یہ مدعا نہ تھا غرض اور ہی تھی۔ چنانچہ جس وقت مکہ معظمہ سے کوچ کیا ہے اسی وقت لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ اگر آپ تشریف ہی لئے جاتے ہیں تو ان عورتوں اور بچوں کو کہاں لئے جاتے ہیں۔ جواب میں فرمایا "شاء اللہ ان یراھن سبایا" مشیتِ خدا میں یہی ہے۔ کہ ان کو قیدی دیکھے! اور مطلب یہی تھا۔ کہ یہ بھی اقامہ دین میں شریک ہیں بغیر ان کی اسیری کے شہادت کی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر عورتیں اور بچے جو فرزندانِ رسولؐ و ذریتِ بتولؑ تھے اسیر نہ ہوتے اور اس طرح قید ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام تک نہ جاتے تو کفرِ یزید ہرگز ثابت نہ ہوتا۔ اور کم فہم اور جہال پر حق پوشیدہ رہ جاتا۔ مگر ان کے اسیر ہونے اور ذلیل کئے جانے سے سب پر کفر و الحادِ یزید ثابت ہو گیا۔ کہ اگر یہ خلیفۂ رسولؐ و امامؑ ہوتا تو اسطرح بنے

ذریت رسولؐ کو دربدر نہ پھراتا جس کی خلافت و جانشینی کا مدعی ہے۔

اوصافِ امام اور اُس کی شناخت

لوگوں نے بابِ امام کو مسدود کر دیا ہے۔ اور ہر فرقے نے اپنی طرف سے ایک امام بنا لیا ہے۔ حالانکہ کلام حمید مجید میں اوصافِ امام اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ کہ اگرچہ من حیث الکیفیات اُنکا احاطہ ممکن نہیں لیکن اوصاف مخصوصہ خاصہ ایسے ہیں کہ اگر انسان ادنٰے تدبر سے کام لے تو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور حق اُس پر ظاہر ہو سکتا ہے اور کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر زمانے میں ایک معلم کی ضرورت ہے اور خداوند عالم نے بندوں سے پہلے معلم کو پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدمؑ ابوالبشر۔ اسی طرح وجودِ معلم ہر زمانے میں ضروری ہے اور ایک صفت اُس معلم کی شہید ہونا ہے۔ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" یعنی تم کو اس لیے امت وسط قرار دیا گیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسولؐ تم پر شہید ہو۔ فرق شاہد و شہید بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ شَهِدَ اگر متعدی بنفسہ ہو۔ تو بمعنے حضر آتا ہے۔ ورنہ بمعنے علم۔ قال عزوجل اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ خدا ہر شے پر شہید ہے پس وہ از روئے قرآن و اخبار شہید نہیں بلکہ وہ ہر شے پر حاضر و ناظر اور کل اشیاء پر محیط ہے اور اپنے پیغمبرؐ کے حق میں فرماتا ہے۔ "وَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا" کیا حال ہوگا اُس دن جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک شہید کو لائینگے۔ اور اے پیغمبرؐ تجھ کو تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔ خاتم النبیینؐ اول البشر وابو البشر واول النبیین پر شہید ہے بیٹا باپ پر شہید ہے جو باپ سے چھ ہزار سال بعد پیدا ہوا ہے۔ "وَقِيْلَ مِنْهُ صَلّٰے

اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

"وَاِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً + فَلِیْ فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُبُوَّتِیْ"

میں اگرچہ بصورت فرزند آدم ہوں۔ مگر اسکے وجود میں ایک شاہد بیّن موجود ہے

کہ میں پدر آدم ہوں" وقال امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام۔ اِنِّیْ خَمَّرْتُ

طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا۔ ملائکہ حضرت آدم کے پیچھے صف بستہ

کھڑے ہوکر تعظیم بجالائے تھے حضرت آدم نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ تم میرے

پیچھے کیوں کھڑے ہوتے ہو آگے کیوں نہیں کھڑے ہوتے عرض کیا ہم اس نور

کی زیارت کیلئے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ جو آپ کی پشت میں ہے پس درحقیقت

یہ تعظیم وتکریم نور محمدی کے واسطے تھی۔ نہ صورت بشری آدمی کیلئے۔ اور باطن و

حقیقت آدم اسی نور کی ایک شعاع تھی ؎

سجدے بنی آدم کے نہ آدم کے لئے تھے

سر ان کی سلامی کو فرشتوں کے جھکے تھے

ملاحظہ ہو فضیلت محمد و نور محمد کہ خدا حضرت آدم کے حق میں فرماتا ہے۔

خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ یعنی اللہ نے اسکو تراب سے پیدا کیا ہے یعنی فرزند تراب ہے

اور نفس نبی و جزو نور محمدی کی کنیت ابو تراب ہے اسی وجہ سے اس کنیت کو حضرت

سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ آدم فرزند تراب ہیں اور علی پدر تراب و ابوتراب +

پھر خداوند عالم نے غیر پیغمبر کے حق میں اسی شہیدیت کی نسبت فرمایا ہے

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ

الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔" پس یہ نفوس بھی مثل پیغمبر شہید بر خلق ہیں

اور پیغمبر ان پر شہید ہے جس طرح کہ وہ جناب انہر تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی

امت پر شہید ہوتے ہیں مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ مبارکہ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً

وسطاً" سے مراد تمام اُمت محمدی ہے اور اُمت وسط بھی اُمت محمدی ہے جو تمام اُمم سابقہ پر شہید ہے اور اُنکی بابت شہادت دیگی اور پیغمبر اپنی امت پر شہید ہے مگر یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اور قرآن میں مندون ہے کہ اُمت محمدی کی شہادت خود اپنے معاملات میں قبول نہیں بلکہ اُسکی تصدیق کیلئے شہود کی ضرورت پڑتی ہے خود اپنے اوپر اسکی شہادت شرع میں مقبول نہیں۔ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ تو دو شاہد عادل موجود ہوں۔ جب وہ تصدیق کردیں۔ اور شہادت دیدیں۔ اُس وقت طلاق صحیح ہوگا۔ وغیر ذالک من المعاملات پس کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ دوسروں کے حق میں اسکی شہادت قبول کر لیجائیگی درانحالیکہ اس اُمت میں فساق و فجار بھی موجود ہیں اور فاسق کی شہادت کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے " اِذَا جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَیَّنُوہُ " جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے۔ تو تم اس کی اس سے تصدیق کراؤ۔ اور گواہ و بینہ اُس پر طلب کرو۔ جب تک وہ اس خبر کی صداقت پر گواہ پیش نہ کرے۔ ہر گز اُسکی خبر پر اعتماد نہ کرو +

علاوہ ازیں کونسا مسلمان ہے۔ جو تمام اُمم سابقہ اور کل یہود و نصاریٰ کے جملہ اعمال و افعال و اقوال پر اطلاع رکھتا ہے۔ جو اُنکی بابت وہ شہادت دیگا اور خدا اسکی شہادت کو قبول کریگا +

اگر یہ کہا جائے۔ کہ پیغمبر کے بتلانے اور تعلیم سے یہ لوگ اُنکے افعال و اعمال و اقوال کی شہادت دینگے۔ تو پھر یہ اُنکی شہادت کب ہوئی یہ تو پیغمبر کی شہادت ہوگی۔ اور وہ کافی ہے شہادت کیلئے۔ پھر اُنکی کیا ضرورت ہے +

نیز یہ جو کچھ بھی ہے شاہد کے متعلق ہے کہ اسکی شہادت عند الشرع مقبول نہیں اور فاسق کی خبر قابل اعتماد نہیں۔ جب تک کہ وہ تصدیق نہ کرائے پس

شہید کا کیا حال ہوگا یعنی جبکہ تمام اُمت محمدی شاہد بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ تو شہید کیونکر ثابت ہوگی جسکی صفت احاطہ بر اشیاء و حاضر علے الشئے ہونا ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں خدا نے شہید کا ذکر کیا ہے۔ وہاں شہادت از روئے قرائن مراد نہیں ہے بلکہ شہادتِ حضوری مراد ہے۔ چنانچہ در باب شہداء زنا مذکور ہے یعنی زنا اس وقت ثابت ہو سکتا ہے۔ جبکہ چار ایسے شخص گواہی دیں۔ جو واقع پر حاضر رہے ہوں اور انہوں نے خود آلہ مرد کو فرجِ زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو کما ذکرنا اگر از روئے قرائن یا سماعی شہادت دیں تو قبول نہیں اور زنا ثابت نہ ہوگا۔ لہذا تمام اُمت محمدی ہرگز ہرگز شہید علے الناس نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ شہداء علے الناس خاص خاص نفوس قدسیہ عترت رسول ذریت خلیل ہیں چنانچہ بتصریح فرماتا ہے "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" جہاد کرو راہ خدا میں جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اللہ نے تمہیں اس کیلئے پسند فرمایا ہے۔ (اور باوجود اس کے کہ تمہیں حق جہاد ادا کرنے کی تکلیف دی ہے) تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ کیونکہ تم بآسانی حق جہاد فی سبیل اللہ ادا کر سکتے ہو) یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کیش) ہے اسی نے تم کو مسلم قرار دیا ہے۔ پہلے بھی اور اس میں بھی تمہارے اس نام کا ذکر ہے کیوں؟ اس لئے کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو اور پیغمبر تم پر شہید ہو۔

پس یہ وہ ذریت ابراہیم ہے۔ جو مثل حضرت ابراہیم مسلم باسلام نبوتی ہے اور جس کو حضرت خلیل نے اُمت مسلمہ کا خطاب عطا کیا ہے "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ" اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (مجھ کو

اور اسمٰعیلؑ) کو اپنا خاص مطیع و منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک اُمت خاص کو ایسا ہی مسلمان بنا یہ امت مسلمہ وہ ہے جس میں نبوت و کتاب ہمیشہ بجعل الٰہی باقی رہی ہے اور رہیگی کہ خدا فرماتا ہے۔ وجعلنا ذریتہ النبوۃ و الکتاب" ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت و کتاب کو قرار دیا ہے نبوت بنص آیہ خاتم النبیین پر ختم ہوگئی۔ مگر مابہ النبوۃ یعنی کتاب عترت رسولؐ میں ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے۔ جو ذریت ابراہیمؑ و اُمت مسلمہ ہیں۔ اور امام اُمت محمدی و وارث رسالت و اہل بیت نبوت ہیں پس یہ شہداء و اوصیاء رسولؐ خدا یعنی ائمہ ہدےٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ نہ اور کوئی (کماقرٌ) تمام اُمت محمدی ہرگز ہرگز شہید علے الناس نہیں ہوسکتی۔

طریق شہادت

جب یہ معلوم ہوگیا۔ کہ شہید تین ہیں۔ خدا پیغمبر اور ائمہ ہدےٰ۔ اور ہر پیغمبر اپنی اپنی اُمت میں شہید ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ شریفہ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید الخ سے ظاہر ہے۔ اور حضرت عیسےٰ فرماتے ہیں "کنت شہیدا علیہم مادمت فیھم" جب تک میں بنی اسرائیل میں رہا۔ اُن پر شہید تھا۔ مگر ہر ایک پیغمبر صرف اپنی ایک اُمت پر اُس زمانہ خاص کے لئے شہید ہوتا ہے۔ اور ہمارے پیغمبرؐ چونکہ نبی مطلق ہیں۔ اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق اُنکی نبوت سے خارج نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے "تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا۔" بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندۂ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو پس چونکہ پیغمبرؐ تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ پر نذیر ہے۔ اسلئے تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور اسی طرح قائم مقام پیغمبرؐ حضرات ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی جملہ ماسوائے اللہ پر شہید ہیں۔ لہٰذا اب یہ دیکھنا ہے کہ پیغمبرؐ یا امام

کس طرح سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور کس طرح سے اُن پر حاضر و ناظر رہتا ہے۔
آیا ہر ایک چیز اس کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔ یا وہ تمام چیزوں پر حاضر ہوتا ہے۔
صورتِ اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلافِ مشاہدہ ہے۔ کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت
و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے اور اُس کے سامنے ہر ایک عمل کرتا ہے
اور نہ اور دوسری چیزیں اسکے پاس جاتی ہیں اسلیئے صورتِ دوم ہی صحیح و درست
ہے اور پیغمبر و امام ہر شے پر حاضر ہوتا ہے اور تمام چیزیں اسکے پیش نظر رہتی ہیں
لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ
تمام اشیا پر حاضر ہوتا ہے؟ اور وہ کونسی قوت ہے جسکے ذریعے سے تمام چیزوں
پر احاطہ رکھتا ہے؟

شہید داخلی و شہید خارجی

انسان دو شہید رکھتا ہے۔ ایک شہید داخلی اور اسی کی طرف اس آیۂ مبارکہ میں اشارہ فرماتا
ہے:۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰى اِذَا مَا
جَاۤءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؁
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللهُ الَّذِىْٓ
اَنْطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ
يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ
اور جس دن دشمنانِ خدا آتشِ جہنم کی طرف اکٹھے کیئے جائینگے پس وہ محبوس ہونگے
یہانتک کہ جب وہ اس کے پاس آئینگے تو ان پر انکے کان۔ آنکھیں اور اُن کی
شرمگاہیں اس پر شہادت دینگی۔ جو کچھ کہ وہ کرتے تھے اور وہ اپنی شرمگاہوں
سے کہیں گے۔ کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی۔ تو وہ کہینگی۔ کہ ہم کو

اُس خدا نے گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نُطق عنایت فرمایا ہے۔ اور اسی نے پہلے تم کو خلق کیا ہے اور اُسی کی طرف تم رجوع کرتے ہو اور تم اس بات کو چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان آنکھ اور شرمگاہیں تمہارے اوپر گواہی دیں لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ خدا تمہارے بہت سے عملوں کو نہیں جانتا ہے پس اسی گمان نے تم کو ہلاک کیا ہے اور تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوئے پس اعضائے انسانی اعمال انسان پر شہید ہیں۔ اور کوئی انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اپنے کان آنکھ اور شرمگاہوں سے اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھ سکے۔ یہ کان آنکھ کس طرح شہید ہیں؟ یہ خود شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ اُن میں ایک قوت ہے اُسکے ذریعے سے یہ شاہد ہیں۔ وہ قوت انسانیہ ہے تمام اعضاء وجوارح اُسکے تابع ہیں۔ گویا شہید باطنی انسانی خود نفس انسانی ہے جو کچھ عمل انسان کرتا ہے اُسمیں ثبت وضبط ہوتا رہتا ہے اور کوئی شے نفس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اعضاوجوارح جو اُسکے آلات ہیں روز قیامت اُن سے یہ باتیں ظاہر ہونگی۔ اور صاف صاف بیان کرینگے لیکن جب انسان مرجاتا ہے تو یہ قوت انسانی اس سے جاتی رہتی ہے۔ لہذا اس وقت اسکے اعضاء وجوارح قابل شہادت نہیں رہتے۔ کیونکہ وہ اسی قوت کے ذریعے سے شہید تھے نہ خود "وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید"

دوسرا شہید خارجی ہے وہ نبی و امام ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ یہ شہید خارجی کس طرح سے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟ یہ بھی اپنی قوت روحانی باطنی کے ذریعے سے تمام عوالم پر شہید ہے جس طرح انسان بہ قوت انسانی اپنی مملکت پر شہید ہے۔ اور اسی قوت کے ذریعے سے اس کے تمام اعضاء وجوارح اس انسان میں جو تمام عوالم پر شہید ہے۔ ایک ایسی قوت (قوت روح نبوتی و امامتی) ہوتی ہے کہ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے فوق اور سب پر غالب ہے جس طرح

روحِ انسانی جسم انسان پر غالب ہے اور اُس پر احاطہ رکھتی ہے۔ اسی طرح روحِ اعظمِ نبوتی
جمیع عوالم پر احاطہ رکھتی ہے پس نبی و امام اسی روح کے ذریعے سے شہید ہیں ازروئے جسم
مثال اس کی مثل آفتاب عالم تاب ہے کہ اس کا محل و مقام ایک جگہ ہوتا ہے۔ مگر اسکی
نورانی شعاعیں تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں علاوہ وہ چیز جو اس سے پردے میں ہو
روحِ انسانی عالمِ خواب میں بھی اپنی مملکتِ جسمانی پر شہید ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے
کہ جب وہ سو جاتا ہے۔ تو روح اسکی مثلاً ایک دور دراز مقام پر سیر کرتی ہے۔ لیکن
اس عالم سیر و سیاحت میں اپنے جسم سے بے خبر نہیں رہتی البتہ ایک معمولی اعراض ہوتا
ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر ایک مچھر انسان کے کسی عضو میں سے خون جذب
کرے فوراً روح مطلع ہوتی ہے۔ اور فوراً اسکا دفعیہ کرتی ہے پس اگر وہ اس عالمِ
خواب میں اپنے تمام جسم پر احاطہ نہ رکھتی ہوتی تو ہرگز اس سے مطلع نہ ہوتی اور اُسکا
دفعیہ نہ کر سکتی پس معلوم ہوا۔ کہ روح کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے وہ
ہر حال میں اپنے تمام جسم پر حاضر و ناظر ہے ÷

اسی طرح سے شہیدِ کل بقوتِ روحانی نبوتی و امامتی تمام عالم امکان پر احاطہ
رکھتا ہے۔ اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اسکی نورانی شعاعیں جملہ
عوالم امکانیہ پر محیط ہیں اگرچہ وہ خود ایک مقام و مکان میں ہو۔ اور اُس کیلئے
خواب و بیداری مساوی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ پیغمبر خواب سے
بیدار ہو کر بلا تجدیدِ وضو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (کما مر آنفاً) پس
شہید کیلئے خواب و بیداری مساوی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ خداوند عالم خواب سے
بری ہے۔ "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔
پیغمبر مظہر صفات واجب الوجود ہے اُس پر خوابِ واقعی کب طاری ہو سکتا ہے۔
وہ بھی شہید اور یہ بھی شہید۔ اور اُنکی مثال آفتاب و شعاع آفتاب ہے۔ کہ شعاع

آفتاب غیر آفتاب ہے۔ مگر آفتاب سے جدا نہیں اور ظہور کمالِ آفتاب اور اُسکے آثار کا اُس شعاع کے ذریعے سے ہوتا ہے پس وجودِ پیغمبر ہی شعاعِ آفتابِ سرمدی ہے اور مظہرِ کمالاتِ خداوندی اور چونکہ خداوند عالم سے جو خلاقِ آسمان و زمین ہے۔ کوئی شے پوشیدہ نہیں اسواسطے اس نورِ خدا سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور مظہر کمالات الٰہی پیغمبر ہے۔ اور قائم مقام پیغمبر امام۔ لہٰذا امام سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے۔ اور خدا اس کان کی تعریف میں فرماتا ہے "وَتَعِیَهَا اُذُنٌ وَّاعِیَه" ۔ اور ضبط رکھتا ہے تمام آوازوں کو وہ کان جسمیں اتنی ظرفیت ہے کہ سب آوازیں سما جاتی ہیں اور اس میں ثبت ہو جاتی ہیں اس کان کی صفت "اذن واعیہ" ہے نہ اذن سامعہ یہ کونسا کان ہے؟ جو تمام آوازوں کو ایک دفعہ سنتا اور سب کو ضبط کرتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ کیا عام کانوں میں یہ قوت ہے؟ ہرگز نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص آہنگروں کے بازار میں گزرے۔ جہاں ہزاروں ہتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوں۔ تو وہ ان تمام آوازوں کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسمیں اتنی استعداد و قوت اور ایسی ظرفیت نہیں ہے پس اس کان کی ظرفیت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو جمیع موجودات کی آوازوں کو سنتا ہے اور سب کو ایک دفعہ ضبط کر لیتا ہے۔ یہ اُسی شخص کا کان ہو سکتا ہے۔ جو اس واجب الوجود کا مظہر ہو جسکی صفت آئی ہے "لَا تَشْتَبِهُ عَلَیْهِ الْاَصْوَات" آوازیں اُس پر مشتبہ نہیں ہوتیں۔ ہر ایک آواز کو علحدہ علحدہ سنتا ہے۔ "وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" اس کان کی تشخیص کیلئے ملاحظہ ہو۔ تفسیر امام فخر الدین رازی کہ یہ گوش گوشِ جنابِ امیر ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں تحتِ آیہ مجیدہ وتعیہا اذن واعیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کان سے مراد گوشِ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہے۔ اور یہ کوئی استبعاد

واستعجاب کا مقام نہیں ہے کہ امام تمام آوازوں کو سن لیتے اور ضبط رکھتے ہیں جبکہ ہم مادۂ کثیفہ سے بنائی ہوئی انسانی مصنوعات کو دیکھتے ہیں کہ انمیں آوازیں فوراً ضبط اور ثبت ہوجاتی ہیں اور قوت امامت فوق جمیع قوا ہے ضرور اسکی قوت و ظرفیت ایسی ہی ہے کہ اسمیں تمام آوازیں ضبط و ثبت ہوجائیں ۔۔

رویتِ اعمال

امام ہر ایک کی آواز کو سنتے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ "قال اللہ تبارک و تعالیٰ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ وَالْمُؤْمِنُونَ الخ" کہدے اے پیغمبر کہ عمل کرو خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اُس کا رسول اور مومنین اول اعمال کو دیکھنے والا خدا ہے اور اُسکی رویت رویت بالذات ہے دوم اسکا پیغمبر اور اُسکی رویت رویت بالتبع ہے سوم اعمال کے دیکھنے والے وہ مومنین خاص ہیں جو نواب پیغمبر اوصیائے پیغمبر اور اُسکے قائم مقام مثل اُسکے شہید ہیں (کما سبقنا الیہ) آیہ مجیدہ میں لفظ یریٰ ایک بار آیا ہے اور رویت میں تینوں شریک ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اصل رویت بقوت نورانیہ الہیہ ہے اور پیغمبر و امام مظہر صفات الہیہ اور وہ قوت تمام عالم پر محیط ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں نبی و امام مرکزِ قوتِ برقی ہے اور ہر شے میں قوت برقی موجود ہے اور یہ قوت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے "بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ" ہر ایک شے کی قوت باطنی و ملکوت اُسکے ہاتھ میں ہے اور دستِ خدا اول محمد مصطفےٰ ہے کما قال اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ ...... اے پیغمبر جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اور خدا کا ہاتھ اُنکے ہاتھ پر ہوتا ہے یعنی دستِ محمدی دستِ الٰہی ہے۔ "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" اے پیغمبر تو نے خاک نہیں پھینکی جبکہ پھینکی لاکن اللہ نے پھینکی ہے یعنی تیرا ہاتھ دستِ خدا ہے اور تیرے ہاتھ کا فعل فعلِ خدائی ہے پس

تمام ملکوتِ اشیاء دستِ الٰہی یعنی دستِ محمدی میں ہیں۔ وہ مرکز قوائے عالم ہے پس اسکی قوت فوقِ تمام اشیاء ہے اور وہ سب پر حاکم و قابض ہے اور کوئی شے اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور اسی طرح امام جو مظہرِ ثانی ہے اس قوتِ نورانیہ سے تمام کام کرتا ہے۔ اور تمام اعمال دیکھتا ہے اور خداوند عالم رب العالمین ہے اور یہ رب الارض قال عزوجل وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا زمین اپنے مربی (امامؑ) کے نور سے روشن ہوجائیگی۔ ملاحظہ ہو قوت نورانی امام کہ آفتاب باوجود اس قدر عظمت و وسعت کے کہ زمین سے کہیں زیادہ بڑا ہے ایک مرغی کے انڈے کو بھی چاروں طرف سے ایک وقت میں روشن نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دھوپ میں انڈا رکھا جائے تو ضرور اسکا سایہ پڑیگا۔ اور ایک طرف تاریکی رہجائیگی۔ مگر نورانیت امام ایسی ہے کہ تمام زمین ہر طرف سے روشن ہوجائیگی بلور چمک اٹھیگی یہی وہ قوتِ نورانی ہے جسکے ذریعے سے خدا اپنے بندوں کو ظلماتِ شرک و کفر سے نورِ ہدایت و عالم انوار کی طرف نکالتا ہے۔ "اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" +

قوت ملکوتی

مسلم اور محقق ہے کہ ہر ایک شے میں ایک حرارت موجود ہے اور اُس حرارت سے وہ حرکت کرتی ہے اور ہر شے اجزائے بسیطہ پر منتہی ہوتی ہے اور اجزائے بسیطہ میں بھی حرارت موجود ہے یہ شے فنا ہوجاتی ہے اور حرارت باقی رہتی ہے یہی باطنِ شے اور ملکوت اشیاء ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قوت برقی کیلئے ایک خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہاں سے حسب ضرورتِ اہل شہر۔ شہر میں پہنچائی جاتی ہے اسی طرح وجود محمدی اس حرارتِ عالمِ امکان کا مرکز ہے اور وہاں سے یہ قوت عوالم امکانیہ میں متفرق ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ جو شے یا جو مقام اُس خزانہ برقی سے قریب تر ہوتا ہے اُسی قدر اُسمیں حرارت زیادہ ہوتی ہے پس جو وجود اس مرکزِ عالمِ امکان سے جسقدر قرب رکھتے ہیں اُسی قدر اُن میں حرارت زیادہ ہوتی ہے

اور اس حرارت والے رستم و سہراب کو بھی شمار میں نہیں لاتے ÷

شجاعت اقرب اجزائے محمدی

بقوائے ظاہر یہ نو دس سال کا بچہ ایک مرد جنگ آزمودہ و تجربہ کار کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کر سکتا بلکہ معمولی انسان کو بھی قتل نہیں کر سکتا خصوصاً جبکہ یہ شخص بھی اس بچے کو قتل کرنیکا ارادہ رکھتا ہو اور آمادۂ پیکار ہو پس اگر یہ بچہ اس مرد میدان کو قتل کر دے اور مار ڈالے۔ تو یہ اُسکی قوت برقیہ اور قوت ملکوتی کی زیادتی اور مبدء سے قریب ہونیکا اثر اور نتیجہ ہے یہی وجہ تھی جو انصاران حسینؑ میں سے نو نو دس سال کے بچے وہ داد شجاعت دیتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدندان ہو جاتے۔ کیونکہ وہ بچے مرکز قوت برقی (محمد مصطفےٰ) سے قریب تر تھے اور یہ امر کچھ بنی ہاشم ہی سے مخصوص تھا۔ بلکہ عرب بیابانی و بدوی کے بچے سے بھی یہی آثار ظاہر ہوئے تھے ÷

اطفال خورد سال کربلا نے روز عاشورا ایک سو نو [۱۰۹] مردونکو قتل کیا ہے یعنی ہاشمی و غیر ہاشمی نے منجملہ اُن کے ایک بچہ شاید سوید بن عمر بن ابی مطاع کا ہے سوید کی عمر اُس وقت (۹) سال کی تھی۔ قائم اللیل و صائم النہار تھے جس وقت میدان میں تلوار لیکر بڑھے ہیں کسی کو مقابلے کی تاب نہ تھی۔ اور کوئی سامنے نہ آتا تھا۔ مگر ملاعین نے دوڑ کر تیر برسانے شروع کر دئے اور آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے ابھی کچھ جان باقی تھی کہ اُنکا ایک بچہ جسکا سن نو دس سال کے درمیان تھا خیمہ سے نکلا۔ امام مظلومؑ اُس وقت تلِّ زینبیہ پر متفکر کھڑے ہوئے تھے کیونکہ اُس وقت حضرتؑ کے جان نثاروں میں سے صرف بتیس یا کچھ زیادہ اشخاص باقی رہ گئے تھے وہ بھی اکثر زخمی۔ آپنے دیکھا کہ ایک بچہ تلوار کو لاٹھی کی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے خیمہ گاہ سے نکلا۔ جو اس کے قد سے بلند تھی اس بچے کو معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ حضرتؑ کے پاس آیا اور عرض کیا وعلیک السلام یا اباعبداللہ حضرتؑ نے داہنی طرف جو نظر کی۔ تو دیکھا کہ ایک بچہ ہے فرمایا

اسکو واپس کر دو۔ اسکی ماں کو گوارا نہ ہوگا کہ یہ لٹے نہ جائے۔ بچے نے عرض کی میری ماں ہی
نے فرمایا ہے کہ میں میدان کو جاؤں اس معصوم کا یہ کلام سنکر امام مظلومؑ پر رقت طاری
ہوگئی۔ اور وہ بچہ میدان کی طرف روانہ ہوگیا +

صاحب عوالم لکھتے ہیں کہ اس نے سات اشقیاء فی النار کئے لیکن باقی
محدثین و مورخین لکھتے ہیں کہ صرف دو شخصوں کو قتل کیا۔ اس معصوم صغیر السن
پر آٹھ کافروں نے حملہ کیا۔ اور اسکو شہید کر ڈالا۔ اور اسکا سر کاٹ کر اسکی ماں کے
آگے پھینک دیا۔ ماں کھڑی دیکھ رہی تھی سر کو اٹھا کر بوسہ دیا۔ اور پھر ایک ملعون کے پھینک مارا
کہ وہ فی النار ہوگیا۔ یہ ہے اثر تقرب مرکز نبوت مگر جو شخص اس شجرۂ طیبہ سے ہوگا۔ اور
اس سے صوری و معنوی وظاہری و باطنی تعلق رکھتا ہوگا۔ اسکا کیا حال ہوگا۔ اسکی طاقت
کس درجے پہنچی ہوئی ہوگی۔ تمام اصحاب و اقربائے امام مظلومؑ میں سے اس میدان میں
سب سے قریب تر اور سب سے عزیز و محبوب تر آپکے فرزند ارجمند جناب علی اکبر ہم شبیہ پیغمبر تھے
اس باب میں محدثین کو اختلاف ہے۔ کہ آیا حضرت علی اکبر افضل تھے یا حضرت عباس لیکن
جناب علی اکبر کی جلالت قدر و منزلت سے فضیلت حضرتؑ کی ثابت ہے اور فقرات
زیارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ قریب بدرجۂ معصومیت پہنچے ہوئے ہیں اور ایسا
ہی ہے بھی اور فقرات زیارت ناحیہ مقدسہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں
آپ سب سے پہلے شہید ہیں +

جب آپ کی نوبت آئی تو آپنے فرمایا تقدم یا بنیّ میرے پیارے بیٹے آگے
بڑھ اور راہ خدا میں جہاد کر حضرت علی اکبر یہ کلام سنکر فوراً روانہ ہوگئے۔ جب چلدیے
تو امام مظلوم نے واپس بلایا۔ اور تبرکات نبوت اہل حرم سے طلب کئے تبرکات نبوی
میں چھ عمامے تھے جنمیں عمامۂ سحاب بھی تھا۔ اور دو زرہیں تھیں جنمیں سے ایک زرہ
ذوالفضول تھی اور ایک زرہ حضرت امیر حمزہؑ تھی۔ چار گھوڑے اور دو تلواریں۔ دو

اونٹنیاں اور دیگر ملبوسات نبوی ۔

لشکر ابن زیاد اور خیمہ گاہ کے درمیان ایک ٹیلہ تھا۔ اور ٹیلہ کے اس طرف خیمہ اہل حرم تھا۔ صندوق اسباب منگایا اپنا عمامہ حضرت علی اکبرؑ کے سر پر رکھا۔ اور ایک دوسرا عمامہ نکال کر اپنے سر مبارک پر رکھا اپنی قبا انکو پہنائی اور قبائے حضرت رسولؐ خود پہنی اپنی تلوار انکی کمر میں باندھی۔ اور ذوالفقار خود زیب تن کی زرہ ذوالفصول کو خود پہنا اور اپنی انکو پہنائی۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور وقت روانگی یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ وَ اللہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر داخل معصومین ہیں پھر فرمایا۔ "اللّٰھم اشھد علیٰ ھؤلاء القوم فانہ قد برز الیھم فتیٰ اشبہ الناس خَلقاً وخُلقاً ومنطقاً برسولک وکنا اذا اشتقنا بلقاء رسول اللہ نظرنا الیہ "۔

جناب امام حسینؑ کا نصف بدن حضرت رسول خداؐ سے مشابہ تھا۔ مگر جناب علی اکبرؑ کا کل جسم جناب رسول مقبولؐ سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور آپ شبیہ المصطفےٰؐ یعنی ہمشکل پیغمبر کہلاتے تھے۔ جب اس طرح سے جناب علی اکبر روانہ میدان قتال ہوئے تو امام علیہ السلام مظلوم سواری کے پیچھے اس طرح جاتے تھے جس طرح کہ حاجی قربان گاہ کو قربانی لیجاتے ہیں۔ اور آپکے سر اور پیشانی پر بوسے دیتے تھے۔ "دیمشی علی والحسینؑ علی القفا تسیل دموع العین منہ بوجنتہ کاضحیۃ فی یوم اضحیٰ لامنی یعتبکہ فی کل ان دلظفر" اسپ عقال کو بھی طلب کیا۔ جو آجکل عقاب کے نام سے معروف ہے اور غلط ہے اس پر انکو سوار کیا۔ ساتھ جاتے ہوئے آپ کو خیال آیا۔ کہ اگر اس طرح آپ بھی حضرت علی اکبر کے ہمراہ میدان کو چلے جائینگے۔ تو تمام مخدرات عصمت و طہارت خیمہ گاہ سے نکل پڑینگی وہیں ٹھہر گئے۔ جسوقت یہ نور محمدی اور امام حسینؑ کے دل کا ٹکڑا میدان میں

پہنچا۔ اور شعشعۂ نور محمدی لشکر پر پڑا ہر ایک فرقہ لشکر نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا۔ کہ ہم نے کیا کیا ہے اور کس سے لڑ رہے ہیں۔ خود رسول خدا میدان میں تشریف لائے ہیں جب شور و غوغا بند ہوا تو کہا یہ رسول خدا نہیں۔ بلکہ علی اکبر شبیہ پیغمبر جگر گوشۂ فرزند رسول ہے آپ نے لشکر پر حملہ کیا پہلے حملے میں (۱۲۰) اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ درآنحالیکہ آپ کے جسم مبارک پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ مگر تشنگی نے سخت غلبہ کیا۔ اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا۔ "یا ابتاہ العطش قد قتلنی" اے پدر بزرگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے امامؑ نے جواب میں صرف یہی فرمایا۔ کہ اے بیٹا اب تم کو تمہارے جد بزرگوار آب کوثر سے سیراب کرینگے اور پھر کبھی تشنہ نہ ہو گے پھر حضرتؑ میدان میں تشریف لیگئے اور اسی نامردوں کو فی النار کیا اور یہ تمام حملات حضرت علی اکبرؑ نے شرطۃ الخمیس پر کئے جہاں تمام بہادر جمع تھے اور اتنے عرصے میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا۔ حصین ابن نمیر لعین نے جب یہ دیکھا۔ لشکر کو پکار کر کہا کہ علم بلند کرو اور لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اُس وقت دیکھا گیا۔ کہ آپ خیمہ گاہ کے دائیں جانب چلے اور گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔ اور گھوڑا آپ کو لئے جاتا تھا۔ ربیع ابن تمیم ملعون نے کہا۔ کہ یہ بہانہ کرتا ہے ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ بہانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان سے گزر چکا ہے۔ اور سر تا پیشانی شگافتہ ہے "فَاَحَاطُوْهُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ" یہ سن کر ان ملاعینوں نے چاروں طرف سے اُس مظلوم کو گھیر لیا۔ "وَقَطَّعُوْهُ بِاَسْيَافِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا" اور اُس برگزیدۂ خدا اور ہمشکل مصطفےٰ کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ۔

موعظۂ ششم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمْ"

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ "

مقدماتِ سابقہ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہر ایک شخص کا عمل کسی شخص کے زیرِ تبعیت صادر ہوتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس شخص کو امام (پیشوا) کہتے ہیں تمام احکام عملیہ اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ اور روز قیامت اسی کے ساتھ اس شخص کا حشر ہوگا "یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمْ" روز قیامت ہر شخص کو اسکے امام کے ساتھ محشور کیا جائیگا اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اسکی پیروی و اقتداء کرنے والا نعیم جنت سے منتفع ہوگا اور اگر از جانب خدا نہیں ہے بلکہ از طرفِ شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اسکو آتش جہنم کی طرف لیجائینگے۔ کما قال عز جل "وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" (اور انکو ایسا امام بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

تقررِ امام

پس آیا ممکن ہے۔ کہ انسان خود اپنے لئے امام مقرر کرے۔ آیہ مبارکہ "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" دلالت کرتی ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے کیونکہ وہ ہی خالق ہے اور وہی صاحب دین ہے اور دیانت اسی کی طرف سے ہے پس وہ ہی انسان کی حوائج ضروریہ پر حاوی ہے اسلئے کہ اسی نے اسکا اجزاء کو ترکیب دی ہے پس وہ ہی امام کو مقرر کرسکتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ اس

شخص کو امام بنائے جو عالم فطریات وضروریات انسانیہ ہو یہ تو مسلم ہے کہ نبی کو خدا مقرر کرتا ہے آیا امام کو غیر از خدا کوئی مقرر کر سکتا ہے اور آیا امامت و نبوت دو رشتے جداگانہ ہیں یا ایک؟ البتہ اگر امامت غیر نبوت ہے تو شائد لوگ خود امام مقرر کر سکتے ہوں۔ لاکن آیہ شریفہ "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عَابِدِیْنَ" اور ہم نے اُن کو امام بنایا ہے۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے انکو فعل خیرات و اقامۂ صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے انبیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے اور انبیاء کو امام کہا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ نبوت و امامت ایک ہی رشتہ ہے اور ایک ہی سلسلہ ہے اور تقرر نبی از جانب خدا مسلّم ہے۔ لہٰذا تقرر امام بھی از طرف خدا ہی ہوگا اور چونکہ امامت میں حکم آیۂ مذکور وحی شرط ہے۔ لہٰذا تقرر امام از غیر خدا قطعاً محال ہے کیونکہ وحی از جانب خدا ہے لہٰذا تقرر امام بھی از جانب خدا ہی ہوگا مگر یہ کہ وحی وحی شیطانی ہو تو البتہ تقرر اسکا از جانب شیطان ہوگا۔ "فَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِهِمْ" شیاطین اپنے اولیا کو وحی کرتے ہیں۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ رسالت و نبوت خاص ہے ایک قوم اور ایک زمانہ سے اور امامت عام ہے تمام لوگوں کو شامل ہے پس امامت فوق نبوت و افضل از نبوت ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ عہدۂ امامت بعد نبوت و رسالت و خلّت عطا ہوا ہے۔ "قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا"۔ اب میں تجھے تمام لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ "قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ"۔ آپ نے خوش ہو کر عرض کیا۔ میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا؟ حکم ہوا۔ کہ عہدۂ امامت ظالمین کو نہ پہنچیگا۔ البتہ صالحین خلعت امامت سے ممتاز ہونگے۔

ظلم دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظلم جلی اور وہ شرک ہے کما قال عزوجل اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ "بتحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم خفی تمام معاصی ہیں۔ پس عہدۂ امامت دونوں قسم کے ظالموں یعنی مشرکوں اور گنہگاروں کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو ان دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہے وہ امام ہے پس امامت خاص معصومین سے مختص ہے غیر معصوم کا اسمیں کوئی حصہ نہیں۔ اور "مِنْ ذُرِّیَّتِیْ" شاہد ہے کہ امامت خاص ذریت حضرت ابراہیمؑ ہی میں ہے اور یہ سلسلۂ امامت آخر کار بجناب خاتم الانبیاء منتہی ہوتا ہے اور خدا نے انکو امام بنایا لیکن جناب خلیلؑ و حبیبؐ تک تو یقیناً یہ سلسلۂ تقرر امام خداوند عالم کے ہاتھ میں رہا بعد خاتم النبیین کہاں گیا؟ کیا لوگوں کے اختیار میں چلا گیا۔ کہ اب لوگ امام بنا لیا کریں؟ آیہ مجیدہ "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ الخ" شاہد ہے کہ امت مسلمہ تا بعثت رسولؐ و وقت بعثت رسولؐ موجود رہی ہے اور چونکہ جعل جعل الٰہی ہے۔ قیامت تک امت مسلمہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہیگی اور عہد امامت اسی ذریت کیواسطے ہے اور اسی امت مسلمہ سے مخصوص ہے جنمیں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے پس کیونکر ممکن ہے کہ بعد حضرت ختمی مرتبتؐ یہ عہد دوسرے عوام الناس کے ہاتھوں میں چلا جائے اور انکو تقرر امامؑ کا اختیار دیا جائے حالانکہ خدا صاف فرماتا ہے "وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ" تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے۔ اور جسکو جس کام کے واسطے چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ اور اختیار فرماتا ہے اگر مسئلۂ خلافت لوگوں کے اختیار و اجماع پر موقوف ہوتا اور لوگوں کی رایوں کو وہاں مدخلیت ہوتی تو معصومین ضرور اسکے سزاوار تھے۔ کہ انکی رائے قبول ہو۔ اور اس صورت میں ملائکہ کا اعتراض اور انکا اجماع برخلاف خلافت حضرت آدمؑ مقبول و مسموع ہوتا لیکن ایسا نہ ہوا پس جب ملائکہ معصومین مقربین کی رائے کو مسئلہ خلافت میں مدخلیت نہیں تو غیر معصومین

کی رائے کیونکر حجت ہو سکتی ہے "فاعتبروا یا اولی الابصار" بعدِ رسول اُمتِ مسلمہ باقی ہے! اور امامت اسی کیواسطے ہے۔ پھر کیونکر دوسرے سلسلے میں جا سکتی ہے اور اوصافِ امامت تمام اوصافِ الٰہی ہیں جنمیں سے ایک شہید ہونا ہے جسکا ذکر کیا گیا۔ کیونکر وہ باختیارِ خود حاصل ہو سکتا ہے؟

تفسیرِ عہد حضرت ابراہیمؑ نے امامت کا اپنی ذریت کیلئے سوال کیا و من ذریتی جواب میں فرمایا "لاینال عھدی الظّٰلمین"۔ یعنی میرا عہد مشرکوں۔ کافروں اور گنہگاروںکو نہ پہنچیگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ امامت گنہگارونکو نہیں پہنچیگی۔ بلکہ اسکو عہد سے تعبیر و تعفیر کیا گیا ظاہر ہے کہ اگر لفظِ امامت فرمایا جاتا۔ تب بھی مطلب حاصل تھا۔ اور کوئی نقص لازم نہ آتا تھا۔ پس کیوں لفظ عہد کو مخصوص کیا گیا؟ ضرور اسمیں کوئی نکتہ ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت ایک عہد بزرگ ہے۔ اور وہ عہد عصمتِ مطلقہ ہے۔ کما قال عزّ وجلّ لقد عھدنا الٰی اٰدم من قبل فنسی ولم نجد لہٗ عزمًا ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے عہد لیا پس اُس نے ترک کیا اور ہم نے اُسمیں عزم بالجزم نہ پایا وقال۔ الم اعھد الیکم یابنی اٰدم ان لا تعبدوا الشیطان "اے بنی آدمؑ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لے لیا ہے کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو پس معلوم ہوا۔ کہ جس نے کسی امر میں بھی شیطان کی طاعت و پیروی کر لی وہ عہد الٰہی سے خارج ہے۔ اور جو تمام امور میں طاعت و عبادت شیطانی سے محفوظ و مصئون و معصوم رہا۔ اُس نے معاہدۂ الٰہی کو لے لیا اور جس نے اس معاہدۂ الٰہی کو لے لیا وہ امام ہے۔ اور وہی روزِ قیامت مالکِ شفاعت ہے۔ چنانچہ آیۂ لا یملکون الشفاعۃ الّا من اتخذ عند الرحمٰن عھدًا نہیں مالک ہونگے شفاعت کے مگر وہی جنہوں نے عہد الٰہی کو لے لیا۔ اس پر صاف دلالت کرتی ہے ؎

شفاعتِ جزئیہ و شفاعتِ کُلیّہ

شفاعت دو قسم پر ہے ایک شفاعت بالاذن۔ دوم شفاعت بالملکیت اور شفیع دو قسم کے ہیں ایک وہ جو باذن شفاعت کرینگے دوم وہ جو بالعہد مالکِ شفاعت ہیں۔ اور اس وقت اُن کو اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب اذن کے حق میں خدا فرماتا ہے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" خدا کے اذن بغیر کون اس کے پاس شفاعت کرسکتا ہے اور دوسروں یعنی مالکان شفاعت کے حق میں فرمایا ہے "لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا" پس یہ لوگ بعہدِ الٰہی مالک شفاعت و متصرف بالملکیت ہیں +

معنی شفاعت

شفاعت اور حق شفع ایک ہی مادے سے ہیں اور شفع کے یہ معنے ہیں۔ کہ دو شخص جو ایک ملکیت میں شرکت رکھتے ہیں۔ اور وہ ملکیت غیر منقسم ہے اگر انمیں سے ایک شخص اپنے حصے کو کسی دوسرے غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شریکِ ملک اُسکو اپنے حق شفع میں لے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میں آپس شراکت رکھتا ہوں میں نے اسکو اپنے حق شفع میں خرید لیا۔ پس بلا ملکیت و شراکت حق شفع ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور شفیع بلا مالک ہوئے شفیع نہیں بن سکتا اور متصرف نہیں ہو سکتا اور تصرف ملکیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ملکیت و مالکیت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کا بالذات مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ مالک بالذات حق ملکیت کسی کو عطا کرے اور حق ملکیت قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور معنے قبض و لایت مطلقہ و تصرف مطلق ہے اور آیہ مجید "النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم" اسی پر دال ہے۔ نبی مومنین کا خود اُنکے نفسوں سے زیادہ مالک و متصرف مطلق ہے ایسا تصرف رکھتا ہے اور اتنا اختیار ہے کہ نماز جو رکن دین ہے اور انسان خدا کیلئے پڑھتا ہے۔ اگر نبی اُس کو اسی وقت میں آواز دے نماز نہیں پڑھ سکتا

اور اُس کو اختیار نہیں ہے چنانچہ حدیث صحیح بخاری اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک
شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرت نے اُس کو بلایا اور آواز دی وہ نہ آیا۔ جب نماز سے
فارغ ہوا۔ تو حاضرِ خدمت ہوا۔ آپنے دریافت کیا۔ کیوں نہیں آیا اور کیوں جواب دیا
عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تو نے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے "اِسْتَجِیْبُوْا
لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ اِذَا دَعَاکُمْ"۔ جواب دو خدا اور اُسکے رسول کو جس وقت بھی وہ پکاریں
پس معلوم ہوا کہ پیغمبر عبادت کا بھی مالک ہے کیونکہ حقِ ملکیت و تصرف من اللہ
رکھتا ہے اور ولی مطلق ہے۔ "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ"۔ سوائے اسکے نہیں ہے
کہ تمہارا مالک امر تم پر متصرف خدا اور اُسکا رسول ہیں اور کیونکر اس کو ایسا حق حاصل
نہ ہو حالانکہ وہ خود نماز میں شریک ہے جو حد توحید ہے اور بلا اس پر درود بھیجے نماز
باطل ہے اور بلا اسکے عفو کئے خدا لوگوں کے گناہوں سے درگزر نہیں کرتا۔
"وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا
اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا" اور جبکہ لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اگر وہ تیرے پاس
آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی خدا سے اُنکی مغفرت چاہتا۔ تو
ضرور وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ بلا عفو و استغفار
رسول مغفرت ممکن نہیں اگر رسول لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرے خدا بھی معاف
کردیگا ورنہ اگر رسول عفو نہ کرے۔ خدا نہ بخشیگا پس جبکہ پیغمبر مالک و متصرف ہے۔ اور
حقِ شرکت و ملکیت رکھتا ہے تو وہی مالکِ شفاعت بھی ہے اور پلِ صراط کے پاس
کھڑا ہوگا اور فرمائیگا "ھٰذَا لِیْ وَ ھٰذَا لَکَ"۔ یہ میرا ہے اور یہ تیرا یعنی جو تحت
ولایت پیغمبر داخل ہوگا۔ اُسکو حقِ شفع میں سے لے لیگا۔ کیونکہ حق تصرف حاصل ہے
بالفاظ دیگر ملکیتِ شفاعت حاصل نہیں ہوسکتی۔ مگر اُن لوگوں کو جنکا وجود دلیلِ خدا
ہے۔ اور وہ حجج اللہ و ادلہ علی اللہ و آیاتِ بیناتِ الٰہی و علتِ موجودات ہیں۔

حق شفاعت معلم و استاد سے شروع ہوتا ہے اور اسکو حق شفاعت حاصل ہے اور ضرور اذن دیا جائیگا۔ کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کرے کیوں؟ اس لئے کہ اس نے بچے کو تعلیم دی ہے اور راہِ خدا کی طرف ہدایت کی ہے اور اسکو توحید سکھائی ہے پس اسکا وجود بھی دلیل بر خدا ہے یہاں بھی یہ امر مشاہد و محسوس ہے کہ جب بچہ باپ کا کوئی قصور کرتا ہے تو اگر معلم و استاد باپ کے پاس اس بچے کی شفاعت و سفارش کرے۔ تو باپ اسکی خطا معاف کر دیتا ہے کیونکہ یہ بھی بچہ پر حق رکھتا ہے اور شریک پدر ہے۔ کیونکہ وہ مربی جسم ہے اور معلم و استاد مربی روح۔ پس اسی طرح روزِ قیامت بھی اسکی شفاعت مقبول ہوگی۔ کیونکہ اسکا وجود دلیل بر خدا ہے اور اس نے بچے کو توحید کی طرف دلالت کی ہے لیکن اسکے وجود کی دلالت منحصر و محدود ہے اسلئے اسکے ثمرات بھی محدود اور اسکی شفاعت بھی محدود۔ مگر نبیؐ چونکہ مربی مطلق ہے و معلمِ کل ہے اور تمام شریعت و دیانت اثر و دلالت وجود نبیؐ ہے کہ اس نے سارے احکام اپنی زبان صداقت ترجمان سے بیان فرمائے اور تعلیم دئے ہیں اور تمام اعمالِ امت اس سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے ماخوذ ہیں اور اس تعلیم کے اثرات تماماً نبی کی طرف لوٹینگے۔ اور رجوع کرینگے اور انکو بھی جزائے عمل ملیگی۔ پس وجودِ نبیؐ حقیقتِ شفاعت ہے اور اس لئے وہ فرمائیگا۔ یہ تمام تعلیمات میری ہیں۔ شیطان کو کیا حق شرکت حاصل ہے میں اس شخص کو اپنے حقِ شفع میں لیتا ہوں۔ اور یہی معنے شفاعت ہیں۔ شفاعت دراصل حقیقتِ دلالاتِ وجودیۂ ادلۂ علے اللہ ہے کہ آخرت میں صورتِ شفاعت پیدا کریگی حضرتؐ رحمۃ للعالمین و نذیر للعالمین بدلالت تامۂ وجودیہ مالک عہد شفاعت ہوئے اور آنحضرتؐ کے خلفاء و اوصیاء بھی جو آنحضرتؐ سے اتحادِ نفسیہ رکھتے ہیں اور حاوی و صافِ نبوی ہیں اپنے آثار وجودی و دلالات

وجود یہی کی وجہ سے مالک حق شفاعت ہیں خلاصہ یہ کہ اعمال انسان میں شیطان بھی شریک ہے کہ وہ اغوا کرتا ہے اور اسکے اغوا سے انسان سے معصیت صادر ہوتی ہے اور نبی شریک ہے کہ معلم اور ہادی او مربی ہے اور تمام اعمال حسنہ اسکے وجود اور اسکی تعلیم اسکی ہدایت کا اثر ہیں پس روز قیامت ہر شخص کے ساتھ ایک سائق ہوگا اور دوسرا شہید "وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید" سائق گویا شیطان اور عمل شیطانی ہے جو اسکو جہنم کی طرف کھینچیگا اور شہید خارجی امام ہے جو صراط پر کھڑا ہوگا پس اگر اس میں اثراتِ تعلیم نبی وامام اثراتِ شیطان سے زیادہ ہیں اور تحتِ تعلیم نبی داخل ہے نبی اس کو لے لیگا۔ کیونکہ انکی ولایت میں داخل ہے اور بوجہ تعلیم وتربیت حقِ ملکیت وتصرف رکھتا ہے۔ ورنہ اگر وہ شخص تعلیماتِ نبوی سے خارج ہے۔ اور اثراتِ تعلیم نبی اسمیں ظاہر نہیں ہیں بلا حساب داخل جہنم ہوگا۔ اور اسمیں پیغمبر کو حق شفاعت حاصل نہ ہوگا کیونکہ "اذا انقسمت الحدود فلا شفعۃ" جب حدود مشترکہ تقسیم ہوجائیں حق شفع باطل ہوجاتا ہے پس جب ایک شخص بالکل تعلیمِ نبی سے خارج ہے۔ تو وہ شفاعت نبی سے بھی خارج ہے۔

مسئلہ غدیر خم

اعلانِ غدیر خم کو تمام سنی شیعوں نے نقل کیا ہے شیعہ اس سے خلافت جناب امیر پر استدلال لاتے ہیں۔ مگر یہ مسامحہ ہے کیونکہ واقعہ غدیر میں ذکر ولایت ہے نہ خلافت و ولایت اخص ہے خلافت سے اور خلافت اسکے تحت میں داخل اور خدا چاہتا ہے۔ کہ مرتبہ ولایت جناب امیرؑ کو ثابت کرے چنانچہ حضرت ختمی مرتبت نے ابتداے خطبہ میں اول اپنی ولایت و اولیت بالتصرف کا اقرار لیا۔ اور تین مرتبہ فرمایا "الست اولیٰ بکم من انفسکم" کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اور ان پر متصرف نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کیوں نہیں آپ ہمارے مالک و ولی ہو لے ہیں پھر تین مرتبہ فرمایا "اللہم اشہد" شہدا وندا تو

گواہ رہیو بعد ازاں فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ الخ" جس کا میں مولے ہوں
اُسکا علی بھی مولے ہے یہ وہ مرتبہ ولایت و اولیت و ملکیت شفاعت ہے جو جناب
امیر کیلئے ثابت کیا ہے کہ بعد پیغمبر ولی مطلق و مالک شفاعت علی ہے اور آیہ و آیات
شاہد ہیں "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون
الزکوۃ وھم راکعون" سوائے اسکے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اسکا رسول اور وہ
مومنین جو نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں اور یہ مومنون ہی
اوصیاء پیغمبر علی و اولاد علی ہیں۔ کہ مثل پیغمبر ولی و مالک شفاعت ہیں اور حق شرکت
و ملکیت رکھتے ہیں کیونکہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ شفاعت اُن کیواسطے ہے جو
ادلاء علے اللہ ورجع اللہ ہیں۔ اور معلم توحید الہی۔ اور ظاہر ہے کہ بعد پیغمبر معلم علی
ابن ابی طالب ہے کہ باب علم نبی ہے جو کچھ صادر ہوا ہے اُس سے صادر ہوا ہے
اگر کوئی حکم تعلیم سے خارج ہو جائے تحت نبوت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پسر نوح نے
ایک کلمہ تمرد کہا نہ صرف تعلیم نبوت و تحت نبوت سے خارج ہو گیا۔ بلکہ اہلبیت سے
بھی خارج ہو گیا اور لیس من اھلک۔ خطاب پایا پس جو تحت تعلیم امامت
داخل ہیں امام اُنکی شفاعت کریگا۔ اور اُن کو حق شفیع ہیں شیطان سے لے لیگا۔
کیونکہ شیطان کا انسان میں صرف ایک حصہ یعنی حصۂ ناری ہے جسکی بابت وہ
کہتا ہے "لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا" "میں تیرے بندوں میں سے
اپنا حصۂ مقررہ لے لونگا" "وشارکھم فی الاموال والاولاد" (شریک ہو انکے
اموال و اولاد میں) قول خداوند عالم ہے باقی تین حصے رہتے ہیں پس اگر تحت
تعلیم نبوت و امامت داخل ہے امام چھوڑا لیگا۔ اور شیطان اپنے ایک حصہ میں اُسکو
نہ لے سکیگا لیکن جو شخص تعلیم نبوت و امامت سے خارج ہے۔ اور آثار نبوت اُس میں
موجود نہیں ہیں اُسکو شیطان جہنم کی طرف کھینچ لیجائیگا۔ کیونکہ شرکت نبی اُسمیں

نہیں اور آثارِ شیطانی ظاہر غالب ہیں +

انسان دو معبود رکھتا ہے معبودِ رزق و معبودِ طاعت معبودِ رزق خداوند عالم ہے۔ جو خالق کل و مالک مطلق ہے معبودِ اطاعت پیغمبر ہے کہ خدا نے بعد خلق انسان کو بغرض تربیت و تعلیم پیغمبر کے سپرد کیا ہے۔ کیونکہ تمام فیوض و تعلیمات بندہ کو اس کے ذریعہ سے پہنچی ہیں "قال اللہ تبارک و تعالیٰ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اسکے رسول کی اور اپنے ولی الامر کی اول اطاعتِ خدا ہے اور اسکی اطاعت غیر اطاعت پیغمبر ہے۔ کیونکہ وہ مالک الرزق و معبودِ رزق ہے اور دوم اطاعت پیغمبر ہے۔ وہ غیر اطاعت خدا ہے اسی واسطے لفظ اطیعو مکرر آیا ہے اگر لفظ اطیعو مکرر نہ آتا۔ تو اطاعت پیغمبر مثل خدا اطاعتِ حقی ہوتی۔ اور آیہ مجید" وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جس نے رسول خدا کی اطاعت کی اُس نے خدا کی طاعت کی) سے ثابت ہے کہ مطیع رسول مطیع خدا ہے اور جو کچھ اُس نے کیا گویا خدا نے کیا پس اس کو خداوند عالم نے حق شرکت دیا ہے۔ تربیتِ عباد میں اور اسلئے وہ ہی حق التشفع رکھتا ہے اور مالکِ شفاعت ہے مطلقاً اور چونکہ اطاعتِ اولی الامر مثل اطاعتِ پیغمبر ہے کیونکہ وہاں لفظ اطیعو مکرر نہیں لایا گیا پس اسکی اطاعت بھی اطاعتِ خدا ہے اور اسلئے بعد پیغمبر ولی الامر امام ہر انسان پر حقِ ملکیت و ولایت رکھتا ہے اور اسلئے وہ مالکِ شفاعت ہے + "فتدبر فیہ فانہ دقیق" +

شفاعت اور حضرات نصاریٰ

نصاریٰ تمام فرقِ عالم پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی میں جنبہ خدائی نہ ہو وہ شفاعت نہیں کر سکتا اور شفیع نہیں ہو سکتا چنانچہ پادری پے اسکی مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی انسان معصیت سے پاک نہیں ہے

جتنے اگلے انبیا بھی سوائے حضرت عیسےٰ کہ اُسمیں جنبۂ خدائی ہے اور خدا عادل ہے پس چاہیے
کہ جزائے اعمال دے پس گنہگار شفیع نہیں ہوسکتے اسلئے کسی نبی کو حقِ شفاعت حاصل
نہیں لیکن یہ باطل محض ہے کیونکہ اسکا مطلب تو یہ ہوا۔ کہ شفاعت خدا ہی کرسکتا
ہے اور وہی شفیع ہوتا ہے پس جب شفیع خدا ہے۔ تو شفاعت کس کے پاس کریگا
کیا کسی دوسرے خدا کے پاس شفاعت لیجائیگا؟ اگر ایسا ہے تو یہ شرکِ صریح ہے دیکھنا
یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو خلق کرکے کس کے سپرد کیا ہے شیطان کے سپرد
کیا ہے یا کسی اور کے اور مربی و معلم کس کو قرار دیا ہے؟ اگر خدا نے بندونکو شیطان
کے سپرد کیا ہے تو خدا اس سے مذاکرہ کرسکتا ہے مگر ایسا ہرگز نہیں ہے خدا نے
ہرگز شیطان کو مربی و معلم انسان نہیں بنایا ہے اسلئے وہ شریکِ تربیتِ انسان
نہیں ہے بلکہ خدا نے انسان کو خلق فرماکر اسکی تربیت انبیاء کے سپرد کی ہے
وہ شرکت رکھتے ہیں شیطان اغوا کرنے والا اور بہکانے والا ہے اور وہ مربی و معلم ہیں
پس وہ اپنے حق تعلیم و تربیت میں انسان کو لینگے اور بارگاہِ خدا میں عرض کرینگے
کہ ہم حق رکھتے ہیں کہ یہ ہماری تحت تعلیم و تربیت داخل ہے ہمیں عنایت کر شیطان
صرف اِغوا کرنے والا ہے اُسکو حق نہیں کہ اُسکو جہنم میں لیجائے۔ ہاں جو تحت تعلیم نبوی
نہیں ہے اور تربیت نبوی سے خارج ہے اس پر وہ حق نہیں رکھتے شیطان جہنم میں
لیجائیگا بنصِ اناجیل ثابت ہے کہ حضرت یحیےٰؑ نے حضرت عیسےٰؑ کو غسل تعمید دیا اور غسل
تعمید گناہوں کے پاک کرنے کیلئے دیا جاتا ہے پس گویا ایک خدا کے گنہگار کو ایک بندۂ
پاک نے غسل دیا پس یہ غلط محض ہے کہ عیسےٰؑ میں جنبہ خدائی ہے اور وہ شفیع ہو
سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ روز قیامت عیسےٰؑ خدا کے داہنے جانب بیٹھے ہونگے
اور گنہگارونکی شفاعت کرینگے پس اگر یہ صحیح ہے تو خدائی حضرت عیسےٰ باطل۔ کیونکہ
خدا دوسرا ہے جس سے حضرت عیسےٰ شفاعت کرینگے اور خدائی حضرت عیسےٰ باطل ہوئی

توشفاعت بھی باطل کیونکہ اُنکے نزدیک شفیع تو خدا ہی ہوسکتا ہے۔

باز آمدم بر سر مطلب

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا"۔ عہد امامت ظالمین کے لئے نہیں اور عہد الٰہی اول یہ ہے کہ شیطان کی عبادت کیجائے۔ "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" حضرت آدمؑ سے عہد لیا گیا۔ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسکے کہنے میں نہ آنا حضرت آدمؑ نے خداوند عالم کے نام کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ کیونکہ آپ عالم برزخ میں تھے اور وہاں جو کوئی جھوٹی قسم کھائے۔ فوراً اثر بد ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان سے جب کوئی اثر ظاہر نہ ہوا حضرت آدمؑ نے سمجھ لیا۔ کہ قسم سچی ہے۔ اور اُسکی جھوٹی قسم پر اس وجہ سے اثر مرتب نہیں ہوا تھا کہ اُس نے مردود رجیم ہونیکے وقت وقت معلوم تک کیلئے مہلت لی تھی۔ "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" عزم بالجرم اُنمیں نہ پایا گیا۔ درخت کے پاس چلے گئے اور کھا لیا۔ لباس اُنکا اُتار لیا گیا پس باوجودیکہ حضرت آدمؑ نے عمداً اُس درخت منہی عنہ سے نہیں کھایا۔ اور وہ گنہگار نہیں کیونکہ قسم پر اعتبار کر کے ایسا کیا مگر چونکہ بصورت ظاہری خلاف عہد ہے مالک شفاعت نہ تھے۔ باذن شفاعت کر سکتے ہیں پس صاحب عہد مطلق و مالک شفاعت وہ ہے جو صالح مطلق ہے اور ظاہراً و باطناً کسی طرح اُس نے خلاف عہد الٰہی نہیں کیا۔ "عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"۔ ضرور خدا تجھ کو مقام محمود پر پہنچائیگا۔ اور یہ مقام محمود مقام شفاعت تامہ ہے "وقال صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی" میں اپنی اُمت کے گنہگاروں کی شفاعت کرونگا میری شفاعت اُنکو پہنچیگی لیکن شفاعت کی تفصیل کہ کن لوگونکے حق میں ہوگی اور

کس قسم کے گناہ قابل شفاعت ہیں اور کونسے گناہ ایسے ہیں جنکے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کونسے ایسے گناہ ہیں جنکے لئے دنیا میں صرف کفارہ لازم ہے اور کونسے ایسے گناہ ہیں جنکے لئے کفارہ بھی ضروری نہیں۔ یہ شاید کسی دوسرے موقع پر بیان ہو۔ لفظ صالحین تمام انبیاء کے لئے بولا گیا ہے جیسا کہ سورۂ انبیاء میں تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے۔ "وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ" ہم نے سب کو صالحین بنایا ہے۔ اور سورۂ انعام میں فرماتا ہے۔ "كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ"۔ اور حضرت ابراہیم فرماتے ہیں "رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ"۔ اور حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں "تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ"۔ اور حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کے باب میں خدا فرماتا ہے۔ "كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ" وہ دونوں بیویاں ہمارے دو صالح بندوں کے پاس تھیں۔ اور فرمایا ہے۔ "اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ"

غرض لفظ صالح انبیاء پر بولا جاتا ہے اور تمام انبیاء صالحین ہیں۔ مگر حسب اختلاف مراتب نبوت۔ اور آنحضرتؐ چونکہ افضل المرسلین و خاتم النبیین ہیں۔ اسلئے وہی جناب افضل الصالحین بھی ہیں۔ اور وہی صالح مطلق۔ لہذا مالک عہد شفاعت وہی ہوئے لیکن مومنین ایک صالح مطلق اور بھی سکتے ہیں۔ ایمان خود ایک عمل صالح ہے اور وہ مومن کامل صالح مطلق و صالح کامل ہے "قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ تحریم) اے عائشہ و حفصہ اگر تم دونو پشت بہ پشت اور ایک دوسری کے ساتھ ملکر پیغمبر کے خلاف کوشش کروگی۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کیونکہ خدا اسکا مولا ہے اور جبرئیل امین اور صالح المومنین یعنی وہ شخص جسکا نام صالح المومنین ہے اور صالح مطلق ہے۔

نکتہ۔ محقق و معلوم ہے کہ ایمان کے مختلف درجے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا الخ" اے ایمان لانے والو ایمان لاؤ۔ پھر خدا فرماتا ہے "وَزَادَهُمْ اِيْمَانًا"

یعنی جب اُن پر آیات خدا تلاوت کیجاتی ہیں۔ تو اُنکا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے پس معلوم
ہوا۔ کہ ایمان زیادتی و نقصان کو قبول کرتا ہے اور آیات الٰہی سے ادنےٰ سے اوسط اور اوسط
سے اعلےٰ درجے پر پہنچتا ہے! اور ادنےٰ سے اعلےٰ تک بہت سے درجات ہیں اور تقوےٰ فوق
ایمان ہے:۔ کما قال عزّ وجلّ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو تقوےٰ اختیار
کرو۔ اور آیہ کریمہ (صالح المومنین الخ) میں لفظ مومنین محلےٰ بالام ہے اور الف لام استغراق
اس پر داخل ہے اور یہ مفید عموم ہے اور تمام افراد اہل ایمان کو شامل خواہ کسی درجے کا
ایمان رکھتے ہوں۔ اور تفاوت درجات ایمان حسب تفاوت ایمان بخدا و رسول و کتاب خدا ہے
قال عزّ وجلّ اٰمنوا باللہ و رسولہ والکتاب الذی نزّل علیٰ رسولہ یعنی ایمان لاؤ خدا پر اور اُس کے
رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُسکے رسول پر نازل کیگئی ہے! اور کتاب پر ایمان لانا اس کے
معارف و مقاصد پر ایمان لانا ہے۔ اور مقاصد کتاب پر ایمان موقوف ہے علم حقیقتِ کتاب پر
جب تک حقیقتِ کتاب کا علم نہ ہوگا۔ ایمان بمعارف و مقاصدِ کتاب حاصل نہیں ہو سکتا
اور حقیقتِ کتاب کا علم موہبتِ الٰہی پر موقوف ہے کیونکہ یہ حاوی جمیع علوم و تبیان کل شئی
ہے اور مرحلہ علم کسب و تحصیل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا تفاوتِ مراحل و مدارج ایمان
حسبِ تفاوتِ علمِ حقیقتِ کتاب ہے اور جبتک کسی کو تمام حقیقتِ کتاب کا علم حاصل نہ ہو
مومن مطلق نہیں ہو سکتا اور جبتک تمام احکام و معارف پر عامل نہ ہو صالح المومنین کا خطاب
نہیں پا سکتا۔ "قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب" سے ثابت ہے کہ تمام کتاب
کا علم سوائے علی ابن ابی طالب کے اور کسی کو حاصل نہیں! اور وہ صالح المومنین و صالح مطلق اور خیر البریہ
ہے "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ" اور عملِ صالح کی ابتداء توحید ہے
تا تمام صالحات جو فی الواقع اور عند اللہ صالحات ہیں۔ یہ شبہ نہ ہو کہ صالح المومنین سے وہ شخص
مراد ہے جو پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد علے الظاہر مشرک نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر صالح من المومنین
ہوتا۔ تو یہ شبہ ہو سکتا تھا یہاں صالح المومنین ہے حالانکہ اس صورت میں بھی سوائے ایک شخص

لئے اور کوئی اسکا مصداق نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص نوع مومنین میں صالح ہو وہ صالح مطلق ہے اور صالح نہیں ہے مگر نبی۔ "وکلاً جعلنا صٰلحین۔ وکل من الصالحین" سے ظاہر ہے۔ اور صالح مطلق وہ ہیں جو فرماتے ہیں "ماکان لنا ان نشرک باللّٰہ من شیٔ" ہم کسی امر میں شرک نہیں کرتے اور بعد پیغمبر ایسا شخص نفس پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ فافہم ٭

پس صالح مومنین کون ہے یہ وہ نفس رسولؐ زوج بتولؑ ہے جو فرماتا ہے "لم اشرکت باللّٰہ طرفۃ عینٍ ابداً" ایک چشم زدن کیواسطے میں نے خدا کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا پس بعد حضرت ختمی مرتبت جنکی تعلیمات فوق تعلیمات جمیع انبیاء و مرسلین ہیں اور مقام محمود تک پہنچے ہوئے ہیں۔ "(عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً)" حضرت علیؑ ابن ابی طالب صالح المومنین مالک شفاعت مالک عہد الٰہی ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام لیکن شفاعت میں شرط یہی ہے کہ بندہ تحت تعلیم نبی و امام ہو ورنہ شفاعت محال ٭

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمات پیغمبری کو ایسا خراب کر دیا تھا کہ قریب تھا کہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مفقود و معدوم ہو جائے پس جس شخص نے اس حال میں اسلام کے نام کو باقی رکھا اور اقامۂ دین کیا۔ بعد اپنے اجداد کے وہی اولٰے بالشفاعت ہے اور وہ حسینؑ بن علیؑ ابن ابیطالب ہے جو خصوصیت کے ساتھ شفیع امت محمدیؐ مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ زمانۂ یزید عنید میں دین کو حسینؑ نے قائم و باقی رکھا ہے کیونکہ اس وقت جو اپنے کو خلیفۂ رسولؐ اور پیشوائے دین اور امام وقت کہتا تھا۔ برسر منبر و علیٰ رؤس الاشہاد کہتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدرٍ شھدوا ٭ جزع الخزرج من وقع الاسل الخ

کاش آج اس ملعون کے وہ اسلاف و اشیاخ جنھوں نے جنگ بدر میں نیزوں کی آمد و رفت سے بنی خزرج کی آہ و زاری سنی تھی اس وقت موجود ہوتے۔ تو خوشی کے نعرے بلند کرتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں تو نے کیا اچھا کام کیا ہے وہ بنی خندف سے نہیں۔ اگر وہ اولاد رسول سے اسکا انتقام نہ لیلیتے جو رسولؐ نے اسکے اسلاف کافرین کے ساتھ

جنگ بدر و اُحد میں کیا تھا۔ اور کہتا تھا

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا + خبر جاء ولا وحی نزل ؛

بنی ہاشم نے ملک گیری اور بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی نازل ہوئی تھی جس خلیفہ رسول و امام وقت کا یہ عقیدہ باطل ہو کہ بالصراحت منکر نبوت و رسالت ہو اُسکے وقت میں کیوں دین اسلام کا نام باقی رہ سکتا تھا۔ اُسکے نقطۂ مقابل حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت اقامۂ دین کیا وہ اسلام کا نام مٹانا چاہتا تھا امامؑ نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا اور ہمیشہ کیلئے بحر ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیا۔ انہی دو گروہوں اور دو جماعتوں کا خدا اس آیۂ مبارکہ میں ذکر کرتا ہے "ھٰذانِ خصمانِ اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق رؤسھم الحمیم"۔ یہ دو خصم اور دو مقابل جماعتیں ہیں جو درباب ربوبیت جنگ کرتی ہیں (ایک کہتا ہے خدا سچا ہے اور اُس نے سچ کہا ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے نہیں خدا جھوٹا ہے اور اُسکا پیغمبر جھوٹا مدعی نبوت) پس انمیں سے کافرین کے لئے آتش جہنم کا لباس قطع کیا جا چکا ہے اور اُنکے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا +

شانِ نزولِ آیہ جنگ بدر ہے کہ ایک طرف ابو سفیان یزید عنید کا دادا اور ابو جہل وغیرہ تھے اور دوسری طرف محمد مصطفےٰ و علی مرتضےٰ اور اُنکے یار و انصار یہ چاہتے تھے۔ دین خدا کو قائم کریں اور اُسکی خدائی کو ثابت۔ وہ فرقہ ضالہ و مضلہ چاہتا تھا کہ دینِ خدا کو برباد کریں اور اُسکی خدائی سے انکار۔ مگر حقیقی اور کامل مصداق اس آیہ کا روز عاشورا ظاہر ہوا۔ اُس دن کفر مطلق اور اسلام مطلق کا مقابلہ تھا +

دعوتِ پیغمبرؐ و دعوتِ حسینؑ

ابتدائے اسلام میں اول محض دعوتِ اسلام تھی "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" جو شخص محض زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار کر لیتا تھا۔ اُسکا جان و مال محفوظ ہو جاتا اور مثل دیگر مسلمانوں کے شمار ہوتا تھا

اگرچہ دل میں قطعاً عقیدہ نہ رکھتا ہو اور اصحابِ پیغمبرؐ میں مومن و منافق مشترک تھے چنانچہ ۲۴۰ آئتیں منافقین کے باب میں وارد ہیں جس میں سے ۴۰ سورہ برات میں موجود ہیں اور جنگ اُحد کے موقع پر اصحابِ رسولؐ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی "مِنکُم مَّن یُرِیدُ الدُّنیَا وَمِنکُم مَّن یُرِیدُ الآخِرَۃَ" بعض تم میں سے دنیادار اور طالبِ دنیا ہیں اور بعض دیندار و طالبِ آخرت۔ مگر روزِ عاشورا ایمان و اسلام کفر و نفاق جدا جدا ہو گئے تھے اور نفاق بالکل برطرف ہو گیا تھا۔ اُس طرف کفرِ مطلق تھا اور اِس طرف ایمانِ خالص اور اصحابِ امام حسینؑ میں کوئی منافق نہ تھا جس میں دنیا کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

اصحابِ حسینیؑ و اصحابِ نبویؐ

پیغمبرؐ جب لوگوں کو جہاد پر بھیجتے تھے۔ تو تدابیر سے لوگوں کو جہاد پر مائل کرتے تھے چنانچہ جب جنگ بدر کی تیاری کی ہے۔ تو کہا تھا۔ کہ قریش کا قافلہ بہت سامال لئے ہوئے آرہا ہے اور ضرور آرہا تھا) پس تم دونوں میں سے ایک پر ضرور غالب آؤ گے۔ یا لشکر ابوسفیان پر یا قافلہ قریش پر۔ مگر قافلہ تو نکل گیا۔ اور ابوسفیان لشکر لیکر مقابلہ کو آگیا۔ گویا بعض اصحابِ رسولؐ قافلہ قریش کی لالچ سے گئے تھے۔ مگر اصحابِ حسینی ایسے نہ تھے۔ اُنکے ہر عمل خالص میں دنیا کا بالکل شائبہ نہ تھا جس وقت امامؑ مظلوم مکہ سے نکلے ہیں فرمایا جو شخص مال و دنیا چاہتا ہے اور دنیا کے ارادے سے چلتا ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے یعنی آج خالص ایمان کی دعوت ہے نہ مطلق اسلام کی اور مومنین خالص چنے جاتے تھے چنانچہ جس وقت حضرتؑ مکہ سے تشریف لیچلے ہیں آٹھ ہزار آدمی ساتھ تھے۔ ہر ایک منزل پر جب حضرتؑ پہنچتے تھے تو قصہ حضرت یحیٰؑ کو ذکر فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے ہم دنیائے کوفہ کیواسطے نہیں جاتے ہیں یعنی کوفہ کی بادشاہت حاصل کرنے نہیں جاتے ہیں رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے یہانتک کہ جب کربلا پہنچے ہیں تو صرف گیارہ سو رہ گئے۔ وہ بھی روز و شب کم ہوتے جاتے تھے تاآنکہ شبِ عاشورا چند نفر رہ گئے۔ قریبِ نصفِ شب تین آدمی

اور آکر ملے ہیں۔ تب یہ ستر بہتر اصحاب روز عاشورا نظر آتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ مسعودی سے
ثابت ہے۔ مگر یہ چھٹے ہوئے خالص مومن تھے۔ شب عاشورا امام مظلومؑ نے بنی ہاشم سے بھی
فرمایا۔ کہ تم بھی چلے جاؤ۔ انکو تم سے کوئی غرض نہیں ہے یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں چنانچہ
دس بارہ بچے دہ سالہ و یازدہ سالہ تھے جنکو فتیان بنی ہاشم کہتے تھے حضرتؑ نے ان سب کو
جمع کیا اور فرمایا تم بھی چلے جاؤ۔ یہ عورتیں موجود ہیں ہر ایک اپنی اپنی ماں بہن کا ہاتھ پکڑ لے
اور رات رات میں نکل جائے۔ ان سب میں سے قاسم بن حسنؑ سب سے آگے بڑھے اور کہنے لگے
سَیِّدَنَا کَیْفَ نَخْلِیکَ" اے ہمارے آقا کس طرح ہم آج آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔
حضرتؑ نے بطور کنایہ فرمایا اَمَا تَخَافُ الْمَوْتَ" کیا تم موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ عرض کیا۔
اَلْقَتْلُ بَیْنَ یَدَیْکَ لِیْ اَحْلیٰ مِنَ الْعَسَلِ"۔ اے عم بزرگوار آپکے قدموں میں شہید ہونا
مجھے شہد سے زیادہ شیریں ہے یہ کلام معرفت و محبت التیام امام مظلومؑ کیلئے زہر تلخ تھا
دل میں بیٹھ گیا۔ اور حضرتؑ بیتاب ہو گئے۔ اور اسکا جواب روز عاشورا دیا۔ جس وقت شہزادۂ
قاسم آمادۂ میدان ہوئے ہیں حاضر خدمت امام مظلومؑ ہوئے۔ امامؑ نے قاسم علیہ السلام کی
گردن میں ہاتھ ڈال دئے۔ اور رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مظلومؑ
کی مصیبت سخت کرنے کیلئے حضرت قاسم علیہ السلام کیلئے ایک ایسے حادثے کا اتفاق ہوا ہے
جو کسی اور شہید کیلئے نہیں ہوا (بابی انت و امی) حضرت قاسمؑ نہایت صبیح و ملیح
تھے جس وقت روانہ رزم گاہ ہوئے ہیں اس تن نازک پر صرف ایک قبائے عربی پہنے ہوئے
تھے۔ اور ایک جوتی کا تسمہ بھی کٹا ہوا تھا جب لشکر عمر سعد لعین کے سامنے پہنچے ہیں "کہ
یُظَنُّ بِہٖ اَحَدٌ"۔ بوجہ صغر سنی کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ یہ بچہ جنگ کریگا مگر چونکہ آپ مرکز
امامت سے قریب تر تھے۔ جوں ہی ایک خبیث نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ فوراً آپ نے اسے فی النار
کیا۔ تا اینکہ کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ خود لشکر پر حملہ کیا اور چار صفونکو درہم برہم کر دیا۔
ربیع ابن تمیم نامہ نگار مختار سے نقل کرتا ہے۔ کہ چار جگہ میرا دل کڑھا اور محزون ہوا۔

منجملہ انکے ایک واقعہ قتلِ شاہزادۂ قاسم بن الحسن ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمہ حسینیؑ سے ایک نوجوان مثل ماہ شب چہاردہ باہر نکلا۔ اول کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ لڑیگا اور بہادروں کو قتل کریگا۔ آخر میدان میں آیا لشکر پر حملہ کیا اور بہادروں کو قتل کیا میرے پاس سے گذرا۔ میری زد پر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اسکو قتل کر دیتا مگر ایسا حسین و صبیح المنظر تھا کہ مجھے رحم آگیا۔ اور میں نے اپنے دلمیں کہا اے ربیع اگر تو اس بچے کو قتل کرے تو تیرے ہاتھ کٹ جائیں۔ وہ صفونکو چیرتا ہوا نکل گیا اور چار صفونکو درہم برہم کر دیا۔ ایک جوان ازدی میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اُس نے کہا اگر اس بچے نے ہماری صف کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ تو میں اسکی ماں کو اسکے سوگ میں بٹھاؤنگا۔ حضرت قاسمؑ اسکی صف تک پہنچے وہ ملعون پیچھے سے آیا اور وہ کام کیا کہ شاہزادے نے بآواز بلند پکارا "یا عماہ اُدرکنی"

تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت امام حسینؑ یہ آواز دردناک سن کر اس طرح دوڑے جس طرح باز شکار پر بیتابی سے گرتا ہے جس وقت قریب شاہزادۂ قاسمؑ پہنچے۔ دیکھا کہ وہ مظلوم پہلوئے راست پر پڑا ہوا ہے اور وہ ملعون پاس کھڑا ہے۔ حضرت نے اُس لعین ازدی پر حملہ کیا۔ اور اُس ملعون کا ہاتھ کٹ گیا اُس نے اپنے لشکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ تمام لشکر ٹوٹ پڑا۔ اور امامؑ پر حملہ آور ہوا۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے حملہ کیا اور تمام صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن جس وقت حفاظت جنازہ کیلئے واپس پلٹے۔ تو دیکھا کہ بتقاضائے جبلت ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اور سواران ابن زیاد لعین نے لاش کو پامال کر دیا ہے جس وقت آپنے جنازے کو اٹھایا۔ تو شاہزادے کا سر آپ کے سر کے مقابل تھا۔ اور پیر زمین پر لٹکتے تھے۔ کیوں حضرات شاہزادہ قاسم دس بارہ سال کے بچے تھے اسقدر دراز کہاں سے ہو گئے؟

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

موعظۂ ہفتم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ"

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ"

حقیقتِ شہید

تمام تقریرات سابقہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امام منجانب اللہ موجود ہے۔ اور ایک صفت اُس کا شہیدیت ہے کہ وہ تمام اشیاء پر حاضر ہے اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ "وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" اور معنے شہید حاضر علے الشے ہیں اصل شہید بالذات اللہ ہے اور بعدازاں پیغمبر شہید ہے ثانیاً و بالتبع اور پھر امامؑ۔ اور شہیدیت بجسمیت نہیں ہے کیونکہ حضور الجسم عند کل شے ممکن نہیں اور نہ حضور اشیاء عند الشہید ممکن ہے۔ بلکہ اسمیں ایک قوت باطنیہ ہے اسکے ذریعے سے وہ شہید ہے اور وہ قوت مثل قوۃ باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوت باصرہ اسمیں ہے اور قوۃ باصرہ اُسکی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے۔ اور اسکی تعریف ممکن نہیں مگر اوصاف سے اسکی معرفی ہو سکتی ہے جس شے کے ادراک سے انسان عاجز ہو اُسکو چاہیئے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرے اور اسکی مثال اُسمیں تلاش کرے کیونکہ خدا نے ہر ایک شے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے۔ "فقال عزوجل وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"۔ غور کرنا چاہیئے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور خواب میں کہیں چلا

جاتا ہے اور سیر کرتا ہے۔ تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے +

پس کون قوت اور کونسی شے اس وقت دیکھتی ہے؟ چشم ظاہری تو بستر خواب پر موجود ہے اور بند ہے کیونکہ اسکا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ساتھ ہے پس وہ اصل حقیقتِ انسانیہ ہے کہ اُسمیں قوتِ سماعت بھی ہے بصارت بھی ہے حس بھی ہے لمس بھی ہے وغیرہ وغیرہ اور تمام اعضا اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ قوت جاتی رہتی ہے تو یہ تمام اعضا و قوے بیکار ہوجاتے ہیں +

صفاتِ خدائی دو قسم پر ہیں ایک صفاتِ ذاتیہ جنکے مقابل کوئی ضد نہیں ہے دوم صفات افعالیہ جنکے مقابل ضد ہے لیکن قسم اول صفات الہی عین ذات ہیں پس خدا بذات خود دیکھتا ہے سنتا ہے جانتا ہے محتاجِ آلات نہیں ہے اسی طرح انسان تمام افعال چلنے پھرنے بولنے سننے اور دیکھنے کے بحقیقت انسانیہ کرتا ہے جب یہ قوت آنکھ سے ظاہر ہوتی ہے تو دیکھتا ہے جب کان سے ظاہر ہوتی ہے تو سنتا ہے پس حقیقتِ تمام قوے حقیقتِ انسانیہ ہے اور سب اسی میں موجود ہیں۔ اور آلات اسکے محتاج ہیں نہ کہ وہ آلات کی محتاج ہے صرف عالمِ جسمانی میں ان آلات سے اس قوت کا ظہور ہوتا ہے +

پس جس طرح قوت انسانیہ جب جسم انسانی سے طالع ہوتی ہے اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے اسی طرح جب قوت الہیہ چشم نبی و امام سے ظاہر ہوتی ہے تمام اشیاء کو دیکھتا ہے یعنی تمام عوالم امکانیہ کو۔ اور کان سے ظاہر ہوتی ہے تو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسی طرح دوسری قوتیں پس یہ قوت قوتِ ذاتی و بالذات پیغمبر نہیں ہے بلکہ قوتِ الہی ہے جو عطا ہوئی ہے اور وہ قوتِ احاطی ہے۔ جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے +

دفع شبہ و توضیح مطلب	اس مطلب کی اور توضیح کیجاتی ہے۔ تاکہ یہ شبہ واقع نہ ہوجائے کہ پیغمبر عین ذاتِ خدا ہے

معلوم رہے کہ اسمائے حُسنے الٰہی بہت ہیں مثل القابض۔ الباسط۔ العلیم۔ السمیع البصیر الحفیظ وغیرہ وغیرہ پس اسم القابض سے خدا نے ایک مخلوق کو ایجاد کیا ہے کہ اس کا شغل اور کام قبض کرنا اور لینا ہے جو کچھ قبض کرتا ہے وہ قبض کرتا ہے مظہر اُس کا عزرائیلؑ ملک الموت ہے۔ چنانچہ ایک جگہ خدا قبض کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا" اللہ قبض کرتا ہے جانوں کو مرنے کے وقت اور جو نہیں مرے ہیں اُنکو سونے کے وقت دوسری جگہ فرشتے کی طرف نسبت دیتا ہے "قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ" قبض کرتا ہے تم کو وہ فرشتہ جو تم پر موکل کیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں آیتیں ایک دوسری کی مُنافی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قابضِ حقیقی خدا ہے اور اُس نے مقام قابضیت سے ایک موجود ایجاد کیا ہے جسکا شغل قبض کرنا ہے اور فعل قبضِ الٰہی اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ مظہرِ اسم القابض ہے۔ یعنی حضرت عزرائیلؑ +

اور مظہر اسم البسیط میکائیلؑ ہے فعل تقسیمِ ارزاق وغیرہ اس سے صادر ہوتا ہے اور مظہرِ اسمِ العلیم اسرافیلؑ ہے۔ اور مظہر الحفیظ جبرئیلؑ کہ امین وحی و حافظِ اسرار ہے لیکن خدا کا ایک نام ایسا ہے کہ تمام اسماء کو جامع و حاوی ہے اور جملہ اسمائے حسنیٰ اس کے ماتحت ہیں۔ اور وہ اسم اللہ ہے یعنی جامع جمیع صفاتِ کمالیہ۔ اُس کیلئے ایک مخلوق خلق کیا ہے۔ اور وہ موجود وجود محمدیؐ ہے پس جس طرح اسم اللہ جمیع اسماء کو جامع و حاوی ہے اور تمام اسماء اُسکے تحت میں ہیں اسی طرح مظہرِ اسم اللہ تمام مظاہر کو حاوی ہے اور جملہ مظاہر اُس کے تحت میں ہیں۔ القابض اس کے تحت میں ہے الباسط اس کے تحت میں ہے۔ العلیم اس کے تحت میں ہے۔ الحفیظ اس کے تحت میں ہے۔ عزرائیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ و جبرئیلؑ تمام مظاہر قدرت اس کے تحت حکومت ہیں وہ مظہر کاملِ الٰہی ہے پس اُس کے افعال افعالِ الٰہیہ ہیں اُسکا

دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے۔ اسکا سننا خدا کا سننا ہے۔ اُس کا لینا اور قبض کرنا خدا کا قبض کرنا ہے چنانچہ آیاتِ سابقہ میں اسکی تفصیل کیگئی۔ یہ تمام توضیح وتشریح معنے شہید کے لئے تھی۔ کہ یہ وجود جو مظہرِ جمیع صفاتِ کمالیہ الہیہ ہے شہید علے الخلق ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں بقوتِ الہی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور تمام موجودات اس ایک مظہر اللہ کے متعلق ہیں۔ صرف ایک قوت باطنیہ سے جو اس کے وجود میں ہے "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"

مظہر اسم القاہر

مظہر اسم القاہر بھی تحت مظہر جمیع صفات کمالیہ ہے۔ پس اسکا ظہور کس سے ہوتا ہے درانحالیکہ وجود نبی جو مظہر جامع ہے۔ رحمۃ اللعالمین ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" خدا انہیں عذاب نہیں کریگا جب تک تو اُن میں ہے کیونکہ رحمت محضہ ہے پس رحمت وقہاریت کیونکر جمع ہوگی۔ حالانکہ وہ مومنین وکافرین سب کیلئے رحمت ہے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

جواب اس کا یہ ہے کہ خداوندِ عالم باوجودیکہ خیر محض اور رحمتِ مطلقہ ہے۔ مگر قہار بھی ہے لیکن ظہورِ قہاریت بعد رحمتِ رحمانیہ ہے "وَسِعَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ" جب مقامِ رحمت کامل ہو جائے۔ اور پھر کفرانِ نعمت ظاہر ہو تو قہاریت ظہور میں آتی ہے پس بعد اظہارِ رحمت رحمۃ اللعالمین واتمامِ رحمانیت قہاریت ظاہر ہوگی۔ اور وہ وجودِ مہدی آخرالزمان علیہ الصلوۃ والسلام ہے پس قہاریت اسکے وجود سے ظاہر ہوگی۔ کہ وہ اُس کی اولاد سے اور جزوِ محمدی ہے محی الدین عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے "لَوْلَا السَّيْفُ بِيَدِهٖ لَاَفْتَی الْفُقَهَآءُ بِقَتْلِهٖ" اگر تلوار اسکے ہاتھ میں نہ ہو۔ تو فقہا قتل کا فتوے دے کر قتل کرادیں۔ مگر وہ تلوار کے ساتھ خروج کریگا۔

خدا نے بانواع و اقسام رحمت و رحمانیت اتمام حجت کر دیا۔ اب وقت قہاریت ہے تاکہ منکران نعمت و کافران نعمت کو قتل کر کے زمین کو عدل و داد سے پر کرے "یملاء الارض قسطا و عدلا بعدما ملئت ظلما و جورا" پس ظہور قہاریت بھی وجود ذی جود محمد مصطفے ہی سے ہوگا کیونکہ مہدی آخر الزمان انہی کی اولاد سے ہیں۔ اور اولاد جزو انسان ہوتی ہے اور اسکا فعل فعل پدر ٭

ایک دن آئیگا۔ کہ خدا اپنے اس وعدے کو مہدی کے ہاتھ پر پورا کرے۔ جو اپنے پیغمبر سے کیا ہے "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ الکافرون" اور یہ وعدہ پیغمبر کے سامنے ظہور پذیر ہوگا۔ اور پیغمبر بچشم خود دیکھینگے۔ "قل رب اما ترینی ما یوعدون" ۔ پیغمبر کو حکم ہے کہ دعا کرو۔ کہ اے پروردگار مجھے وہ وعدہ دکھلا "وانا علی ان نریک ما نعدھم لقادرون" ۔ پھر فرمایا ہے جو وعدہ ہم نے اُن کیلئے کیا ہے ہم تجھے اُسکے دکھلانے پر قادر ہیں۔ "ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد" بتحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھ کو لوٹانے والا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبر اُس وقت موجود ہونگے۔ اور خود تمام ادیان پر غلبۂ اسلام کو ملاحظہ فرمائینگے۔ یہاں سے مسئلۂ رجعت بھی بالصراحت ثابت ہے۔ کہ پیغمبر پھر زندہ ہوکر دوبارہ دنیا میں تشریف لائینگے ٭

بحیثیت تنزیل دین کامل ہو چکا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" مگر من حیث الغلبہ کامل نہیں ہوا۔ شرک و کفر و نفاق ہر جگہ موجود ہے بلکہ کفر غالب ہے حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں دین من حیث الغلبہ کامل ہوگا۔ اور ایسا غلبہ ہوگا کہ دین باطل باطنا بھی نہ رہیگا۔ اور منافقیت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائیگی۔

جیسا کہ لیظہرہ سے ظاہر ہے " فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ "۔ پس اُس دن دینِ فطری ظاہر و غالب ہوگا۔ اور وہ زمانہ زمانِ ظہورِ مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ ہے +

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام عوالم پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور سب پر نذیر ہیں۔ جملہ عوالم ماسوائے اللہ تحتِ نذارتِ پیغمبر ہیں پس ظہورِ مہدی بھی تمام کرات پر ہوگا یعنی علاوہ زمین کرۂ زہرہ و مریخ و مشتری و زحل سب ایک ہو جائینگے۔ اور ان کے رہنے والے ایک دوسرے سے معاشرت کرینگے اور تمام عوالم پر دین اسلام غالب ہوگا۔ " اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهٗ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهٗ "

سوال۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جب دین فطری انسان ہے اور انسان کی سرشت میں داخل ہے اور خدا فرماتا ہے " لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ " خلقِ الٰہی میں تبدیل نہیں ہے پھر یہ بے دین کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیونکر خلقت میں تبدیل واقع ہوگئی۔ کہ دینِ فطری کو چھوڑ دیا۔ اور فطرت کے کیا معنے ہیں ؟

جواب " اَلْفِطْرَةُ اِيْجَادُ الشَّيْءِ وَابْدَاعُهٗ عَلٰى هَيْئَةٍ مُتَرَشِّحَةٍ بِفِعْلٍ مِنَ الْاَفْعَالِ " یعنی فطرت کسی چیز کا ایک ہیئتِ خاص پر پیدا کرنا ہے جو کسی فعل سے ظاہر ہوتی ہے پس آیۂ مجیدہ " فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي الخ " میں اس قوتِ معرفتِ دین وایمان کی طرف اشارہ ہے۔ جو وجود انسان میں مرکوز ہے اور توضیح اس کی آیۂ ذیل میں ہے۔ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ " اللہ نے تجھے خلق کیا پھر تیرا تسویہ کیا۔ اور پھر تعدیل کی۔ اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی یا خلق کے معنے صورت بنانا ہیں۔ اور تسویہ کے معنے ہر عضو اور ہر شئے کو اس کی مناسب جگہ رکھنا کہ وہاں سے بدل نہیں سکتے۔ جہاں آنکھ ہے وہیں آنکھ رہیگی

جہاں کان ہیں وہیں کان رہینگے۔ جہاں ہاتھ ہیں وہیں ہاتھ رہینگے۔ وغیرہ وغیرہ تعدیل کے معنے تعدیلِ قویٰ و اخلاط ہے۔ کہ عناصر متضادہ و اخلاط متبائنہ میں ایک کیفیت امتزاجی اعتدالی پیدا کر دی ہے۔ کہ اگر ان میں سے ایک غالب آجائے اور اپنی حد اعتدال سے نکل جائے۔ تو جسم فنا ہو جائے۔ مثلاً اگر خلط بلغم غالب آجائے دوسری خلطوں پر۔ تو رفتہ رفتہ موت واقع ہو جائیگی۔ لہٰذا خلقِ الٰہی میں تبدیل ناممکن ہے +

یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تبدیل۔ دوم تغییر۔ تبدیل کا تعلق ذات و ذاتیات سے ہے اور تغییر کا تعلق اوصاف سے ہے۔ پس تبدیل ناممکن ہے اور تغییر ممکن ہے۔ مثلاً پانی اصل فطرت میں بالطبع سرد ہے۔ پھر آگ پر رکھ کر اُسکو گرم کر دیا جاتا ہے۔ یہانتک کہ جوش کھاتا ہے۔ اور جسم کو جلا دیتا ہے۔ مگر اصل فطرت میں اُس کی اب بھی تبدیل واقع نہیں ہوئی۔ اب بھی بالطبع سرد ہی ہے۔ اُس کے اوصاف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ بسبب ایک قوتِ خارجی یعنی آتش کے جس وقت یہ قوت خارجی برطرف ہو جائیگی۔ پھر اُسی اصلی حالت و فطرتِ اُولےٰ پر عود کر آئیگا۔ پس اسی طرح دین فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ اور اسکی خلقت کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ دین "کُلُّ مَا یُجزیٰ بِہٖ" ہے۔ ہر وہ چیز جس پر جزا مرتب ہو۔ اسلئے کہ لغت میں معنے دین جزا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم و ہر ایک انسان جزا کا قائل ہے۔ مثلاً چوری بُری ہے۔ جو اسکا مرتکب ہوگا۔ وہ مجرم سمجھا جائیگا۔ اور مستحق سزا ہوگا۔ سچائی اچھی ہے عدل حسن ہے ظلم قبیح ہے۔ جو کچھ مستقلات عقلیہ ہیں۔ سب میں متفق ہیں۔ اور اسلئے اگرچہ وہ کسی مذہب کے بھی پابند نہ ہوں۔ مگر ایک قانونِ معاشرت رکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے۔ تو مستوجبِ سزا ہو۔ اور یہی معنے دین ہیں "الدین کل ما یجزیٰ بہٖ"

لیکن تغیر جو واقع ہوا ہے وہ اس امر میں ہے کہ وہ اگرچہ قانونِ معاشرت رکھتے ہیں مگر قانون الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔ ورنہ اصل دین کے سب قائل وپابند ہیں یعنی قانونِ معاشرتی رکھتے ہیں جس پر سزا وجزاء مرتب ہوتی ہے اور یہ تغیر مقامِ تعلیم وتربیت میں واقع ہوا ہے نہ خلقتِ اولیٰ میں۔ مربین معلمین کی تعلیم وتربیت سے وہ اصل قانونِ الٰہی سے منکر یا اُسکے تارک ہوگئے ہیں +

وضع الٰہی

دو ہیں وضع اولیٰ اور وہ خلقتِ اولیٰ وتکوین ہے۔ اور وضع ثانوی مقامِ تعلیم وتربیت وتکلیف ہے پس وضع اولیٰ جو خلقت وترکیب عناصر ہے اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی سب بالفطرت قائلِ دین ہیں۔ بلکہ وضع ثانوی مقام تربیت تعلیم تکلیف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف کُلُّ مَولُودٍ یُولَدُ عَلَی الفِطرَۃِ وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ" ہر ایک بچہ فطرتِ الٰہی وفطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں پس خلقتِ اولیٰ اور وضع اولیٰ میں سب یکساں ہیں اور تمام دین پر مخلوق ہوتے ہیں۔ اور دین اُن کی فطرت میں داخل ہے وضعِ ثانوی میں جو مقام تربیت ہے۔ تغیر واقع ہوتا ہے۔ کہ والدین جو مربّی اول ہیں اپنی تربیت وتعلیم عقائدِ باطلہ سے بچہ کو خراب کردیتے ہیں پس مقامِ خلقت قابلِ تبدیل نہیں۔ اور خلقت خیر ہے۔ کیونکہ خدا خیر محض ہے "وَالخَیرُ لَا یَصدُرُ عَنہُ اِلَّا الخَیرُ" اُس نے کسی شر کو خلق نہیں کیا۔ شر مخلوق ومجعول بالعرض ہے۔ فتدبر فیہ +

شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ شفاعت دو قسم پر ہے۔ ایک شفاعت بالاذن ہے اور ایک شفاعت بالملکیت

کہ شفاعت مطلقہ کلیہ ہے۔ یہ شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی۔
ورنہ اگر ایسا ہو۔ تو تمام انبیا علیہم السلام جو معلم قوم ہوتے ہیں مالک شفاعتِ مطلقہ
ہوتے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" بجز اذنِ خدا
کوئی اس کے پاس شفاعت نہیں کر سکتا بالک شفاعت صرف وہ ہی ہیں جنہوں
نے عہدِ شفاعت لے لیا ہے۔ اور وہ جب تک اپنی شفاعت سے فارغ نہ
ہو لینگے۔ دوسروں کو اذنِ شفاعت نہ دیا جائیگا۔ اور وہ محمد و آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ
والسلام ہیں پس شفاعتِ مطلقہ کے لئے صرف تعلیم کافی نہیں۔ بلکہ
تربیت بھی شامل ہے یعنی شفیع مطلق وہ ہے جو معلم بھی ہے اور مربی
نوعِ بشر بھی ہے تربیتِ انسانی میں شریک ہے۔ "کما قال عز وجل اِنَّ رَبَّکُمُ
اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ (یونس) تحقیق کہ تمہارا پروردگار وہ ہی اللہ
ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اپنی تدبیر سے
عرش علمِ تقدیری پر غالب آیا۔ وہ ہی تدبیر امور کرنے والا ہے۔ کوئی شخص اس
تدبیر میں اس کا شریک نہیں ہے۔ مگر اس کی اجازت کے بعد پس جو لوگ
بعد اذنِ خدا پہلے سے تدبیر و تربیت میں شریک ہیں۔ وہ ہی خدا سے عہد
لے چکے ہیں۔ وہ تدبیر و تربیت میں شریک ہیں۔ مگر بعد اذنِ الٰہی پس وہ
معلم بھی ہیں اور مربی بھی۔ اس واسطے شرکت ملکیت رکھتے ہیں۔ اور مالک
شفاعت ہیں۔ "لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَہْدًا" یہ
مالکانِ شفاعت و عہدِ شفاعت و مربی و مدبر نفوس وہ ہی بزرگوار ہیں۔ جو
قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے۔ اور ان کی خلقت ان کے سامنے
واقع ہوئی ہے۔ "قال عز من قائلہ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا (کہف ع ۶)

یعنی کیا تم شیطان اور اُس کی ذریت کو میرے سوا اولیا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالمین نے یہ بہت بُرا عوض اختیار کیا ہے۔ حالانکہ میں نے نہ اُن کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا۔ اور نہ اُن کے نفسوں کی خلقت کے وقت۔ اور گمراہ کنندگان کو اپنا بازو نہیں بنانے والا ہوں۔ اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ کچھ نفوس ایسے ہیں۔ جن کو خدا نے وقتِ خلقتِ زمین و آسمان حاضر کر لیا تھا۔ اور اُن کا وجود زمین و آسمان سے مقدم ہے۔ زمین و آسمان اور خود اُن کی خلقتِ نفسانی اُن کے سامنے واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی اشخاص مستحقِ ولایت ہیں یعنی ولی وہ ہو سکتے ہیں۔ جن کے سامنے تمام چیزوں کی خلقت ہوئی ہو۔ ورنہ وہ ہرگز اُن میں تصرف نہیں کر سکتے آیہ مجیدہ۔ "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ"۔ صاف دال ہے کہ بعدِ خدا ولی رسولِ خدا اور علیؑ مرتضےٰ اور اُسکی صفت سے متصف اشخاص ہیں پس یہی وہ لوگ ہیں۔ جو قبلِ خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے۔ اور یہی شریک تربیت فی تدبیر عالم اور "وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا" میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بحق شفیع مالکِ شفاعت کلی ہیں۔ خوشا نصیب اس کا جو تحتِ تربیت و تعلیمِ محمدی ہو کر اُنکی شفاعت حاصل کر سکے۔ ورنہ تربیت سے تو کوئی خارج ہو نہیں سکتا۔ اگر تعلیم سے خارج ہؤا۔ تو اُس کو اُن کی شفاعت نہ پہنچیگی۔ (وَاِذَا نْقَسَمَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَ) جب حدود جدا جدا ہو گئیں۔ اور یہ بالکل اُن کی حدود سے نکل گیا۔ پھر حقِ شفع نہیں +

عوالمِ سہ گانہ

مخلوقات تین قسم کی ہیں خلقِ نورانی۔ خلقِ نفسانی۔ خلقِ جسمانی۔ اول عالمِ عقول و ارواح ہے۔ دوم عالمِ نفوس۔ سوم عالمِ اجسام ہے اور انسان تینوں مرحلے رکھتا ہے۔ "خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ" تمام جوڑوں کو خدا نے زمین اور اُنکے نفوس اور ایک ایسے جزو سے پیدا کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ فوق عالمِ نفوس و عالمِ اجسام ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کے لئے ایک واسطے کی ضرورت ہے پس وہ واسطہ جو عالمِ اجسام سے عالمِ نفوس میں پہنچاتا ہے۔ ملک الموت ہے اور جو عالمِ نفوس سے عالمِ ارواح میں پہنچاتا ہے ایک اور وجود ہے۔ "ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا" ضرور انسان پر ایک ایسا وقت عالمِ دہری میں آیا ہے۔ کہ وہ شے تھا۔ مگر شے غیر مذکور۔ شے معروف و مذکور نہ تھا۔ یہ عالمِ دہری برزخی ہے جس کو عالمِ نفوس کہا گیا ہے۔ "وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور صور پھونکا گیا۔ تو تمام موجوداتِ ارضی و سماوی بے ہوش ہوگئیں عالمِ ارواح سے متعلق ہے کیونکہ فنا اور موت کا عالمِ ارواح سے تعلق نہیں ہے وہاں صرف صعق ہے۔

عالمِ ارواح حقیقتِ وجودیہ محمدیہ ہے۔ جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھی کہ ام الارواح و مرکز الانوار ہے اور اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے جس نے فرمایا ہے۔ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اُس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ عالمِ تدبیر و مقامِ تربیت عالمِ نفوس ہے اور سلسلہ نزولی میں اول جو دنیا میں آتا ہے زمین سے پیدا ہوتا ہے کما قال عزوجل "وَاللّٰہُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا" خدا نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے اور زمین عالمِ اجسام سے ہے یعنی عالمِ ارواح سے گذر کر عالمِ نفوس میں داخل ہوتا ہے

اور عالمِ نفوس سے عالمِ اجسام میں اور یہاں اسکا ظہور زمین سے ہوتا ہے۔ وقت رجوع رجعت قہقری کرتا ہے یعنی وقتِ موت بواسطہ ملک الموت اس عالمِ اجسام عالمِ دنیا کو چھوڑ کر عالمِ نفوس میں داخل ہوتا ہے اور پھر عالمِ نفوس و عالمِ برزخی سے بذریعۂ ولی مدبر عالمِ ارواح میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور یہ مقامِ عود ہے۔ اور اسی کا نام معاد ہے ؞

پس مربی و مدبر وہ ہے۔ جو ان تمام عوالم پر احاطہ رکھتا ہے اور شہید خلق وہ ہی ہے۔ جو ان تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور حاضر و ناظر۔ اور وہ نہیں ہیں۔ مگر ذریتِ ابراہیمؑ محمد و آلِ محمد کہ اول من اسلم و اول المسلمین ہے "مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ"۔ اور یہی لوگ نذیر للعالمین ہیں ؞

سلسلۂ نذارت حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوکر ان کی ذریت میں حضرت خاتم النبیین پر منتہی ہوا۔ بعد آنحضرتؐ ذریتِ ابراہیمؑ کہ وارثِ نبوت و مالکِ شفاعت ہے جناب امیر المومنینؑ سے شروع ہوئی ہے۔ اور تمام کمالاتِ نبوی حضرت علیؑ سے ظاہر ہوئے ہیں "قَالَ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی۔ اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ"۔ اے پیغمبر ہم نے تم کو کوثر عطا کیا۔ اگر کوثر کے معنے وصفی لئے جائیں یعنی کثرتِ اولاد تو ظاہر ہے کہ اولاد جنابِ رسولِ مقبولؐ جناب امیر المومنینؑ ہی سے ہے۔ اور معنے اسمی لئے جائیں۔ اور کوثر سے خاص حوضِ کوثر مراد ہو۔ تب بھی مسلّم ہے کہ مالکِ کوثر پیغمبر ہیں۔ اور ساقیِ کوثر جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور کوثر کی سبیل انہی کے ہاتھ پر جاری ہوگی۔ غرض بعد پیغمبر ذریتِ ابراہیمیؑ میں یہ سلسلۂ شہیدیت و ملکیتِ شفاعت و وراثتِ نبوت تدبیر و تربیت و بشارت

وزارت اولادِ پیغمبروں میں ہے۔ اور اولادِ پیغمبر جنابِ میرؑ سے ہیں پس امامت گویا ہمیشہ
ہمیشہ کے لیئے اولادِ علیؑ میں ہے بجعلِ الٰہی۔ اور ضرور ہے کہ ہر زمانے میں ایک ایسا
امام موجود ہو جو ذریتِ ابراہیمؑ و عترتِ رسولؐ و اولادِ علی ابن ابی طالبؑ سے ہے۔
یہی امام ہے جس کے ساتھ حشر ہوگا۔ "یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمۡ"
اور اسی سلسلۂ طیبہ سے ہے امامِ زمانہ جس کی معرفت اہلِ زمانہ پر واجب ہے۔ در حدیث
میں آیا ہے۔ "مَنۡ مَاتَ لَمۡ یَعۡرِفۡ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِیۡتَةً جَاهِلِیَّةً" جو اپنے امامِ وقت و امامِ عصر کو نہ پہچانے
وہ جاہلیت کی موت کافر و مشرک و منافق مریگا +

امامِ حق و امامِ باطل

ایک ائمہ وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں "وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ"۔ اور
ایک ائمہ یہ ہیں۔ جو کہ بحکمِ خدا لوگوں کو راہِ خدا دکھلاتے ہیں۔ "وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً
یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیۡتَآءَ الزَّکٰوةِ
وَکَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ"۔ یہ امامت منحصر ہے سلسلۂ ابراہیمیؑ میں۔ ورنہ یوں تو بنے ہوئے
امام و مقتدی بہت ہیں +

نیز یہ امامتِ کلیہ مخصوص ہے بنی اسمٰعیلؑ سے نہ بنی اسرائیلؑ سے۔ اور قبلِ
زمانِ پیغمبرؐ بنی اسمٰعیلؑ میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ "مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ کُتُبٍ
یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ"۔ اے پیغمبرؐ ہم نے اُن میں کتب نازل نہیں کیں
جنکو یہ پڑھتے ہوں۔ اور نہ تجھ سے پہلے اُن میں کوئی پیغمبر بشیر و نذیر بھیجا ہے حالانکہ
سنتِ الٰہی ہمیشہ یہی رہی ہے۔ "وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ"۔ ہر ایک اُمت میں
ایک پیغمبر گذرا ہے۔ مگر بنی اسمٰعیلؑ میں پہلے سے کوئی کتاب تنزیلی نہیں آئی جس کو
پڑھتے اور درس دیتے ہوں۔ البتہ کتاب وجودی ہمیشہ موجود رہی ہے۔ "وَجَعَلۡنَا فِیۡ
ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡکِتٰبَ"۔ اور یہ صرف تعظیمِ خاتم النبیینؐ اور اس وجہ سے تھا کہ اگر

اُن میں کتاب تنزیلی آئی ہوتی اور اسکو پڑھتے اور درس دیتے ہوتے۔ تو لوگ پیغمبر کے حق میں کہتے کہ اُس نے انہی کتب سے لکھ پڑھ کر یہ قرآن جمع کر لیا ہے۔ فقال عزوجل مَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ" یہ کتاب ہمیشہ سینہ بسینہ آئی ہے۔ اور وجود کے ساتھ رہی ہے۔ اور بعد پیغمبر ذریتِ پیغمبر میں کتاب موجود ہے۔ اور وہ ہی امام ہیں۔ جنکا وجود ہر زمانے میں ضروری ہے۔ وہ قبلِ خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں۔ اور بعد فنا خلق بھی موجود رہینگے۔ کیونکہ انہی کے ساتھ حشر ہوگا۔ اسی واسطے حجۃ اللہ کی تعریف میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَعَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ" حجت اللہ وہ ہے جو مخلوق سے پہلے بھی رہا ہو۔ ساتھ بھی رہے۔ اور بعد میں بھی موجود رہے جس نے اس امام کو پہچان لیا۔ اور اُن کے قول پر عامل ہؤا۔ اُس کیلئے حقِ شفاعت ثابت ہوگیا اور جو اُن سے خارج وجدا ہے شفاعت سے خارج ہے "فَإِنَّهُ إِذَا انْقَسَمَتِ الْحُدُودُ فَلَا شُفْعَةَ" ساقیِ کوثر علی ہے اور یہ سبیل اُسکے ہاتھ پر جاری ہوگی۔ سلسلہء اولادِ رسول اسی سے ہے اور تمام فیوضِ نبوی اسکے ہاتھ پر جاری ہوئے ہیں اور بابِ علمِ نبوی وہ ہی ہے اور فیضِ علم اسی سے جاری ہے" قال۔ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ و قال سبحانہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا" گھروں میں اُنکے دروازوں سے داخل ہو۔ ان ابواب سے کونسے ابواب مراد ہیں؟ کیا یہی لوگوں کے گھروں کے دروازے مقصود ہیں۔ اور اُن کی بابت خدا حکم دیتا ہے۔ کہ دروازوں سے داخل ہؤا کرو اگر ایسا ہے تو یہ حکم محض فضول ہے۔ کیونکہ کوئی احمق بھی ایسا نہیں کرتا ہے۔ کہ اپنے گھر میں دیوار پھاند کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ سب دروازوں ہی سے داخل ہوتے

ہیں۔ اور دروازے اسی واسطے بنائے جاتے ہیں پس ان ابواب سے ابوابِ علوم نبوئیؐ مراد ہیں یعنی علیؑ اور اولادِ علیؑ کہ جس کو شہر علم نبیؐ میں آنا اور فیوضاتِ نبوئیؐ سے مستفیض ہونا ہو۔ تو وہ اِن ابوابِ علوم کے پاس آئے۔ اور اُن سے علم حاصل کرے۔ کیونکہ فیضِ نبیؐ اِن ہی کے ہاتھ سے جاری ہوتا ہے۔ ساقیٔ کوثر یہ ہیں۔ شافعِ محشر یہ ہیں۔ اور علمِ نبی کے در یہ ہیں ؎

نبیؐ است شہرِ علوم و علیؑ بود درِ او
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ او

علیؑ ساقی کوثر ہے قیامت میں اور دنیا میں مربی عالم۔ وہ حیات کو تقسیم کرتا ہے مگر افسوس صد افسوس اس ساقی کوثر کے بچے پر ان ایام میں کیا گذرہی ہے۔ اور وہ کس حال میں ہے۔ کمال تاسف ہے۔ کہ غنی اور صاحبِ مال کو اُس کے مال سے جدا اور محتاج کرتے ہیں۔ کن لوگوں نے ایسا کیا؟ کافروں اور مشرکوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا۔ بلکہ انہی لوگوں نے ساقی کوثر کے فرزند پر پانی بند کیا۔ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ اس کا باپ ساقی کوثر ہے۔ اسی وجہ سے امامِ مظلوم کربلا میں بار بار یہ فرماتے اور اُن ملاعین کو یاد دلاتے تھے۔ کہ آیا مجھے جو تم پیاسا قتل کرتے ہو۔ مجھے پہچانتے بھی ہو۔ کہ میں کون ہوں؟ میں فرزند رسولؐ اور جگر گوشۂ بتولؑ ہوں۔ میرا باپ روزِ محشر ساقیٔ کوثر ہے۔ جو مومنین کو آبِ کوثر سے سیراب کریگا "بابی انت وامّی"۔

آج ۹ محرم الحرام ہے۔ چاہیئے کہ چند قطرے اشک بہا کر ساقی کوثر سے آبحیاتِ جاودانی حاصل کریں۔ اور مستحقِ آبِ کوثر ہوں۔ واقعہ تشنگی روزِ عاشورا ایک امر عجیب اور ایک سرِ عظیم اور قابل غور و فکر ہے چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظتِ نہر اور ممانعتِ آب کے لئے

مقرر ہوئے۔ اور چشمۂ آبِ حیات فرزندِ ساقیٔ کوثرؑ پر پانی کو بند کر دیا۔ اسی شب میں تیس
شخص گئے اور پانی لائے۔ ساتویں کو خیمہ گاہ میں پانی تھا۔ شبِ ہشتم بُریر ہمدانی
بائیس آدمیوں کو لے کر گئے اور حضرت عباسؑ ہمراہ تھے۔ گھاٹ پر لڑائی ہوئی اور
تیس مشک پانی لے آئے۔ لیکن آج کے دن یعنی نویں تاریخ تشنگی کا دن تھا۔
اور شدتِ تشنگی۔ کل تک تو لڑائی کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ آج لڑائی کا قطعی
فیصلہ ہو گیا۔ کہ جنگ ہو گی۔ اور اسی روز تقریباً ۲۰ ہزار شامیوں کی اور مزید کمک
عمر سعد لعین کو پہنچ گئی۔ اور شاید شمر ذی الجوشن ملعون بھی اسی دن پہنچا۔ اور ایک
حکم خاص ابن زیاد کا عمر سعد کے نام لایا۔ کہ یا سپہ سالاری سے دست بردار ہو جا
یا امام حسینؑ کو قتل کر۔ مصیبت شروع ہو گئی۔ پانی بھی ختم ہو گیا۔ آخر شب بعض
اصحاب نے وضو کیا۔ اور امامؑ کے مشکیزہ میں اتنا پانی تھا۔ کہ آپ نے غسل فرمایا
حضرتؑ نے اسی شب عبادت کے لئے مہلت لی۔ شیث بن ربعی ملعون نے کہا۔
کہ اگر یہود و نصاریٰ اجازت طلب کرتے تو ہم دیدیتے۔

حضرت سکینہؑ پر شبِ عاشورا سخت تشنگی غالب ہوئی۔ قریب ایک تہائی رات
گذری ہو گی کہ آپ خیمہ گاہ سے باہر نکل پڑیں۔ اور خیمۂ جنابِ عباسؑ میں تشریف
لے گئیں۔ پانی نہ پایا۔ پھر خیمۂ اصحاب میں گئیں۔ وہاں بھی پانی نہ پایا۔ مایوس ہو کر
باہر نکل آئیں۔ اور خیمہ کے دروازے پر باہر حیران کھڑی رہ گئیں ایک شخص
اصحابِ امامؑ میں سے جو قبیلۂ بنی ازد سے تھا باہر نکلا اور دریافت کیا کون ہے؟
کہا میں سکینہ بنت الحسینؑ ہوں۔ عرض کیا رات کے وقت تم یہاں کیسے آئیں اور
تمہارا کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کی تلاش میں آئی تھی۔ اس خیمہ سے دو خیموں کے
فاصلے پر ایک خیمہ تھا۔ اس میں تمام انصار جمع تھے اس گفتگو کو بُریر بن خضیر ہمدانی
نے سن لیا۔ باہر نکل آئے۔ دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ فرمایا سکینہ بنت الحسینؑ۔

عرض کیا۔ تم کیوں اس شبِ تار میں خیمہ سے باہر نکل آئیں۔ فرمایا پیاسی ہوں پانی کی تلاش میں نکلی تھی۔ عرض کیا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں سخت گراں ہے مجھ پر کہ میں زندہ ہوں۔ اور تم پیاسی ہو خیمہ میں گئے۔ اپنی مشک اٹھالی۔ اور اپنے قبیلے کے دو آدمی ہمراہ لئے اور نہر پر پہنچے عمر ابن حجاج لعین جو محافظینِ فرات پر افسر تھا۔ بریر کے چچازاد بھائیوں میں سے تھا۔ جب اُس نے اہٹ سُنی۔ آگے آیا۔ آواز دے کر دریافت کیا کون ہے؟ بُریر نے جواب میں کہا تیرا بھائی چچا کا بیٹا۔ یہ کہکر بُریر نہر میں داخل ہو گئے۔ وہ لعین بھی اپنے ہم قبیلہ کی آواز سنکر خاموش ہو گیا۔ کہ اگر یہ پانی پی لیگا۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (حیف صد حیف کہ اپنے کنبے قبیلے کا ایسا خیال رکھتے تھے مگر قرابتِ رسولؐ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرتے تھے) +

بُریر جس وقت نہر میں داخل ہوئے۔ عمر پھر آگے آیا۔ اور کہنے لگا۔ اگر تو اپنے واسطے پانی لیتا ہے۔ لے لے۔ مگر حسینؑ کیلئے ایک قطرہ نہ دونگا۔ بُریر نے کہا وائے افسوس تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے پسرِ ساقی کوثر کے واسطے پانی بند کرتا ہے۔ اور مجھے اجازت دیتا ہے۔ اور یہ کہکر اپنے دو ہمراہیوں کو حکم دیا۔ کہ اس لعین کو پکڑ لو۔ اور آپ نے مشک پُر کر لی اور لیکر چلدئے۔ عمر لعین نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی۔ محافظینِ نہر ہوشیار ہو گئے۔ بُریر خیمہ گاہ کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور اُن کے ہمراہی دونوں طرف سے اُنکی حفاظت کرتے تھے۔ کہ ناگاہ محافظینِ نہر آپہنچے۔ اور پیچھے سے حملہ کیا۔ وہ شخص ازدی جو جناب سکینہ سے ہمکلام ہوا تھا۔ اُس نے جاکر جناب عباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر دی۔ کہ بُریر پانی کے لئے گیا تھا۔ اور وہاں لڑائی ہو گئی۔ حضرت عباسؑ چند اصحاب کو ہمراہ لیکر بُریر کی مدد کو چلے۔ اور اُنکے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہو لئے

اور بُریر سے جا ملے۔ عمر نے جب یہ دیکھا اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ کہ اگرچہ رات ہے
مگر بُریر پر تیر برسانے شروع کر دو۔ ملاعین نے تیر بارانی شروع کی۔ ادھر بُریر نے
اپنے ہمراہیوں کو کہا تم سب میرے ارد گرد ہو جاؤ تاکہ مشک تیروں سے محفوظ ہے
اور پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ اس تیر بارانی میں سات تیر بُریر کے لگے۔ مگر انہوں نے
کچھ پروا نہ کی۔ آخر ایک تیر ایک اور شخص کے دل پر لگ کر بُریر کے لگا۔ لوگوں نے
گمان کیا۔ کہ یہ تیر مشک پر لگا ہے۔ بُریر سے دریافت کیا۔ کہ کیا مشک پر تیر لگا
ہے؟ بُریر نے جواب میں کہا۔ الحمد للہ کہ تیر مشک پر نہیں لگا۔ میری گردن پر لگا
ہے۔ تا اینکہ پانی اسی طرح سے خیمہ تک پہنچا دیا۔ در خیمہ پر پہنچکر بُریر نے آواز دی
اے اہل بیتِ نبوت و رسالت یہ پانی لو۔ لکھا ہے کہ ۲۶ یا ۲۸ بچے ہاتھوں میں
کوزے لے کر دوڑے۔ اور مشک پر گرنے لگے۔ معلوم نہیں۔ ان بچوں کی تشنگی
میں مشیتِ ایزدی کیا تھی کہ کسی بچے کا ہاتھ مشک کے تسمہ پر لگا۔ اور تسمہ ٹوٹ کر مشک
کھل گئی۔ اور تمام پانی زمین پر بہ گیا۔ اور وہ اطفالِ خورد سال مایوسانہ ایک دوسرے کا
مُنہ تکتے پیاسے رہ گئے۔ جس وقت حضرت ابی الفضل عباسؑ نے یہ واقعہ دیکھا
کہ بچے شدت تشنگی سے اپنے آپکو اس تر زمین پر گرائے دیتے ہیں۔ جہاں پانی گرا تھا۔
بیتاب ہو گئے۔ صبر نہ کر سکے۔ ساقی کوثرؑ کے فرزند تھے۔ فوراً گھوڑا طلب کیا۔ اور
چالیس اصحاب کو ہمراہ لیکر روانہ نہر فرات ہوئے۔ اور گھاٹ پر پہنچکر تیس مشکیں
پانی سے بھر لیں۔ عمر بن حجاج ملعون نے پھر تیر اندازوں کو تیر برسانے کا حکم دیا
اور انہوں نے حضرت عباسؑ اور اُنکے ہمراہیوں پر تیر برسانے شروع کر دئے۔
مگر حضرت عباسؑ پانی لے آئے۔ اور شبِ عاشورا خیمہ گاہ میں پانی رہا۔ لکھا ہے
کہ صبح کو اصحاب نے آخری غسل کیا۔
لیکن روز عاشور آفتاب درجہ ششم میزان میں تھا۔ گرمی کی شدت انتہا

کو پہنچی ہوئی تھی۔ کہ قریب صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ اطفالِ حسینی کی شدت تشنگی سے ایسی حالت ہو رہی تھی۔ کہ اگر انسان بُریر اور عمر سعد کے اور نیز حر بن یزید ریاحی کے مکالمہ کو سنے تو دل پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

پہلے حملے میں جب حضرتؑ کے پچاس اصحاب درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو بُریر۔ عمر سعد کے پاس گئے۔ عمر نے خیال کیا۔ شاید بریر حسینؑ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ جب بریر خیمہ عمر سعد لعین میں داخل ہوئے۔ تو آپ نے اس شقی ازلی کو سلام نہ کیا۔ اور بیٹھ گئے۔ اُس نے کہا کہ اے بریر کیا تم مجھے مسلمان نہیں جانتے۔ کہ سلام نہ کیا۔ جو طریق اسلام ہے۔ بریر اس ملعون کا یہ کلام سنکر رونے لگے۔ اُس شقی نے کہا۔ کہ اے بریر تم رونے کیوں ہو؟ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا ہے۔ بریر نے جواب دیا۔ کہ اے عمر میں اسلئے روتا ہوں۔ کہ تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور دعوے مسلمانی کرتا ہے۔ اور صاحب اسلام اور رسولِ خیر الانام کی اولاد شدت تشنگی سے بیتاب ہے اور اُنکے نالۂ و فریاد اور صدائے العطش العطش سے مابینِ زمین و آسمان پُر ہے لیکن بریر کی نصیحت آمیز تقریر نے اُس لعین پر کچھ اثر نہ کیا۔ اور حضرت بریر واپس چلے آئے۔ پھر لڑائی شروع ہوگئی۔ اور اس عرصے میں حر لشکر ابن سعد سے نکل کر حضرتؑ کی طرف آئے اور اذنِ جنگ لیکر میدان میں گئے لشکر کے مقابل ہو کر کہنے لگے "یَا قَوْمُ ثَکِلَتْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ" اے قوم تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں تم نے یہ کیا غضب کیا ہے۔ اول خطوط لکھ کر اُس برگزیدۂ خدا کو بلایا۔ اور جب وہ آیا تو تم نے لشکر جمع کرنے شروع کر دئے۔ اور اس پر تو سختی کی۔ اور پانی تک اُس پر بند کر دیا۔ حالانکہ تمام جانورانِ صحرا پانی پیتے ہیں اور سگ و خوک اس میں لوٹتے ہیں۔ اور اولادِ رسولؐ تشنگی سے بیتاب ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ تو میرے ہمراہ آؤ۔ اور دیکھو کہ اطفالِ حسینی کا شدتِ تشنگی سے کیا حال ہے

کہ اُٹھتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔ یہ حالتِ شدتِ تشنگی تو قریب صبح تھی۔ مگر وقتِ ظہران بچوں کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اور بوقتِ عصر اُن پر کیا گذری ہو گی اور کس طرح العطش العطش کی صدائیں بلند ہو نگی۔ نہیں نہیں عصر کے وقت سب سیراب ہو گئے تھے اور ایسے سیراب تھے کہ کوئی پیاس کو یاد بھی نہ کرتا تھا۔ اور نہ العطش العطش کہتا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی یارسُول اللہ آئیے۔ اور دیکھئے۔ کہ آپ کا فرزند اور آپ کی گود کا پالا ریگ گرم پر خاک و خون میں غلطاں بے سر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت کوئی العطش نہ کہتا تھا۔ سب اپنا صدمہ بھول گئے تھے۔" لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و سیعلم الذین ظلموا آل محمدٍ ای منقلب ینقلبون"

نویسندہ: احقر العباد محمد عبد الغنی کاتب ساکن جھوکر کلاں ضلع گجرات پنجاب